مترجم

اسرار احمد آزاد

نیا کتاب گھر اردو بازار دہلی

(مطبوعہ جناح برقی پریس دہلی)

قیمت تین [illegible]

بار اول

گذارش

سُرخ افسانے سلسلۂ "سُرخ ادب" کے سلسلہ کی دوسری اور جناب اسرار احمد صاحب آزاد کی تیسری کتاب ہے۔ آزاد صاحب کی پہلی کتاب "بین الاقوامی سیاسی معلومات" مکتبۂ برہان دہلی نے شائع کی تھی اور اس کی مقبولیت کے پیشِ نظر میں نے ان کی دوسری کتاب سُرخ چین کا رہنما نیا کتاب گھر کے لئے حاصل کی تھی۔ یہ دوسری کتاب بھی بے حد مقبول ہوئی اور اس طرح مجھے ان کی یہ تیسری کتاب حاصل اور شائع کرنے کا موقعہ مل سکا۔

آزاد صاحب کی دوسری کتابیں سُرخ فوج، سُرخ مسلمان، اور سُرخ انقلاب زیرِ ترتیب ہیں اور مجھے یقین ہے کہ پچھلی دو کتابوں کی طرح ان کی یہ اور دوسری کتابیں بھی اردو داں طبقہ کے لئے مفید اور دلچسپ ثابت ہوں گی۔

عبدالحق فاروقی

نیا کتاب گھر، اردو بازار
دہلی

مطبوعہ جناح برقی پریس دہلی

فہرست

افسانہ

زندگی بجائے خود ایک افسانہ ہے، ایک ایسا افسانہ جو کسی طویل داستان کی طرح
مربوط و مسلسل بھی ہے اور جداگانہ طور پر بے شمار مکمل و غیر مکمل، رنگین و پر کیف اور دلسوز
و عبرت آموز افسانوں کا مجموعہ بھی۔ مگر وقت کی برق رفتاری ہمیں ان پر غور کرنے، ان سے
لطف اندوز ہونے یا سبق حاصل کرنے کا بہت ہی کم موقع دیتی ہے اور یہ مبنی بر حقیقت افسانے
ماضی کی تاریکیوں میں مستور ہوتے چلے جاتے ہیں لیکن سمندر کی تہ میں انبار شدہ سیپیوں
میں بند گوہر ہائے آبدار کو نکال لانے والوں کی طرح جب کوئی صاحب نظر اور فطرت شناس
ادیب زندگی کے انھیں فراموش شدہ واقعات میں سے کسی واقعہ کو اپنے سحر نگارش
کی بدولت منظر عام پر لے آتا ہے تو یہی واقعہ افسانہ کہلاتا ہے، اسے ہمارے ادب
میں مناسب اور موزوں جگہ ملتی ہے لوگ اسے پڑھتے ہیں اور بقدر ذوق و استعداد
اس سے محظوظ، متاثر یا عبرت اندوز ہوتے ہیں۔

زندگی کی رنگا رنگیوں کی طرح افسانوں کی بھی متعدد اقسام ہیں، جن میں سے بعض
اب افسانہ ہی بن کر رہ گئیں بعض پر ہمارے ادیب طبع آزمائی کر رہے ہیں اور بعض ایسی
بھی ہیں جن پر ابھی توجہ مبذول نہیں کی گئی۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ افسانہ کے نام سے اب تک
جو کچھ لکھا گیا ہے یا لکھا جا رہا ہے اس کا کوئی مدعا، مقصد اور مفہوم نہیں لیکن جہاں تک میرا
تعلق ہے مجھے ہمیشہ وہی افسانے پسند آئے ہیں جن کا مطالعہ ہمیں مجنوں صفت، اور لیلیٰ خصلت
بنانے کی بجائے ہمارے قلوب میں ہمت، امنگ اور دلیری پیدا کرتا ہو، ہمیں ہماری معاشرتی
اور اخلاقی کمزوریوں اور برائیوں کی اصلاح پر توجہ دلاتا ہو، نیک مقاصد کو حاصل کرنے کے
لئے ایثار اور سرفروشی کا سبق سکھاتا ہو اور زندہ رہنے کے لئے، ہمارے دلوں میں
خود ملک الموت سے ٹکرا جانے کا جذبہ پیدا کر سکتا ہو۔ اور ...... پیش نظر افسانوں کا
مجموعہ سرخ افسانے بھی اسی طبعی میلان و رجحان کا نتیجہ ہے۔

افسانوں کی دنیا میں روس کے افسانہ نگاروں کو ہمیشہ سے ایک امتیازی حیثیت،

حاصل رہی ہے اور خود ہماری زبان میں لیو ٹالسٹائی، انتون چیخوف، الکزنڈر پشکن، میکسم گورکی اور دوسرے روسی افسانہ نگاروں کے بہت سے افسانوں اور متعدد ناولوں کے تراجم موجود ہیں۔ لیکن سُرخ افسانے دنیائے ادب کے ان درخشندہ ستاروں کی ضو... فشانیوں کے نتائج سے بالکل مختلف ہیں، یہ افسانے ان لوگوں کے لکھے ہوئے ہیں جنہوں نے اشتراکی تہذیب کے سایہ میں پرورش پائی ہے اور انہیں اس حربی ادب کے ٹکڑے کہنا چاہیئے جس نے گرجتی ہوئی توپوں، سروں پر منڈلاتے اور گونجتے ہوئے طیاروں، پھٹ پھٹ کر آگ اور آگ ہی کی طرح سرخ اور گرم لوہا برساتے ہوئے گولوں، بڑھ بڑھ کر کچل ڈالنے اور ٹکرا ٹکرا کر ہیبت ناک شور پیدا کرنے والے ٹنکوں، گرتی ہوئی فلک بوس عماروں، جلتے ہوئے شہروں، بہتے ہوئے خون کے دریا اور تڑپ تڑپ کر تیرتی ہوئی بے شمار انسانی لاشوں کے درمیان جنم لیا ہے۔ اسی ماحول میں پروان چڑھ رہا ہے اور شاید یہیں، اس کا رشتہ حیات منقطع بھی ہو جائیگا۔ لیکن جنگ کے میدان میں، آگ کے طوفان اور خون کے دریا کے درمیان پیدا ہونے والا یہ ادب مٹے گا نہیں بلکہ رہتی دنیا تک باقی رہے گا، دنیا کی تاریخ کا ایک صفحہ اور افسانہ کی تاریخ کا ایک باب بن کر شمشیر کی نوک اور انسان کے خون سے لکھا ہوا ایک صفحہ اور ایک باب!

ان افسانوں کے انتخاب اور ترتیب میں میں نے کسی خاص اصول کو مدِ نظر نہیں رکھا بلکہ سرخ فوج اور روسی عوام کی شدت دشمنی، حب وطن، دلیری اور سرفروشی سے متعلق جو افسانے ماسکو سے شائع شدہ متعدد کتابچوں اور ہندوستان کے بعض انگریزی رسالوں اور اخباروں میں مجھے ملے ہیں نے ان میں سے چند افسانوں کا ترجمہ اردو کے بعض ممتاز ماہناموں کے لئے کیا تھا۔ ان ترجمہ شدہ افسانوں کی اشاعت کے بعد انہیں نہ صرف پسند ہی کیا گیا بلکہ روسی خبر رساں ایجنسی کے نمائندہ مقیم دہلی ایم گلیڈ لیشیف سے ان میں سے ایک مطبوعہ افسانے کو ماسکو بھی بھیجدیا۔ اسطرح میری ہمت بڑھی اور میں نے کچھ اور افسانوں کا ترجمہ کرنیکا فیصلہ بھی کر لیا لیکن میرا یہ ارادہ شاید تشنۂ تکمیل ہی رہ جاتا اگر میرے پریشان خیال مگر نیک دل دوست عبدالحق صاحب فاروقی مالک نیا کتاب گھر دہلی اس ارادہ کی تکمیل پر مصر نہ ہوتے۔

مجھے اعتراف ہے کہ ان میں سے بعض افسانے بہت اچھے ہیں اور بعض اوسط درجہ کے جنھیں نقاد کی بصیرت مسترد بھی کر سکتی ہے لیکن جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں یہ افسانے ایک خاص ماحول اور مخصوص حالات کی پیداوار ہیں اور ان کے انتخاب میں بھی کسی اصول کی پابندی نہیں کی گئی نیز اسکا ترجمہ تین ہفتہ کی قلیل مدت میں اسطرح کیا گیا کہ ہر وقت مسودہ کے لئے کاتب کے تقاضہ کا اندیشہ لاحق رہتا تھا۔ مجھے اپنے متعلق ادیب اور مترجم ہونے کا حسن ظن بھی نہیں۔ ان حالات میں اگر اصل افسانوں اور ترجمہ میں کچھ فنی یا لسانی کمزوریاں اور خامیاں پائی جائیں تو میں ان کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ اس مجموعہ کو آپ افسانوں کے کسی دوسرے مجموعہ کے مقابلہ میں کمتر نہیں پائیں گے اور میرے اطمینان کے لئے اسی قدر بس ہے۔

یہاں میں ایک اور بات بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میرے بعض احباب اس بات کے شاکی ہیں کہ میری کسی کتاب میں کسی ممتاز صاحب قلم اور معروف شخصیت کا لکھا ہوا مقدمہ شامل نہیں ہوتا۔ میرے یہ احباب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اہل قلم حضرات کے زمرہ میں شامل نہ ہونے کے باوجود میرے لئے کسی ممتاز ترین ادیب سے اپنی کتابوں کے مقدمے لکھا لینا کچھ دشوار امر نہیں لیکن میرا عقیدہ ہے کہ کسی بہادر انسان کی تلوار کمر میں باندھ لینے سے کوئی شخص بہادر نہیں بن سکتا تلوار بہادر انسان کی کمر سے بندھ کر عزت اور شرف حاصل کرتی ہے۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اگر میری پیش کی ہوئی کتابیں آپکے لئے مفید اور دلچسپ ہیں تو انھیں مقدمونکی ضرورت نہیں اور اگر انمیں یہ خوبیاں موجود نہیں تو کوئی مقدمہ بھی انھیں مقبول نہیں بنا سکتا۔ شاید میرے احباب میری ان سطور سے مطمئن ہو سکیں

دہلی شاہدرہ - ۱۵ مارچ ۴۵ء

اسرار احمد آزاد

اکلوتا بیٹا

یہ محاذِ جنگ سے بہت دور کا واقعہ ہے ــــ موسم بہار کی آمد کے نشانات ظاہر ہونے لگے تھے۔ سردی کے زمانہ کی جمی ہوئی برف پگھلی شروع ہوگئی تھی اور پہاڑی راستوں نیز چٹانوں پر قدم نہ جم سکنے کے باعث آنے جانے والوں کو ہاتھوں کی مدد سے گھٹنوں کے بل چلنا پڑتا تھا لیکن آج موسلادھار بارش اور ہوا کے تند جھونکوں نے راستوں کو منجمد برف کی ندیاں بنا دیا تھا اور برف کی بڑی بڑی سلیں نہیں بلکہ چٹانیں اگرتی، ٹکراتی ٹوٹتی، پگھلتی اور بہتی ہوئی چلی جا رہی تھیں۔

اس ہولناک، ہلاکت خیز اور تاریک شام کو سرخ فوج کے مجبر سپاہیوں کے دستہ کو، محاذ جنگ سے بہت دور، دشمن کے مقبوضہ ایک پل کو تباہ کر دینے کا کام سپرد کیا گیا تھا اور اس دستہ کے سرفروش سپاہی اس حکم کی تعمیل و تکمیل کے بعد ساحل کے قریب ایک ایسے محفوظ کنج کی طرف لوٹ رہے تھے جہاں انھیں واپس لے جانے کے لئے ایک کشتی ان کا انتظار کر رہی تھی فاشی جرمن بھیڑیوں جیسی مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ ان کے تعاقب میں مصروف تھے اور اگرچہ کبھی کبھی سرخ فوج کے ان سپاہیوں کے پیروں کے نشانات فاشی جرمنوں کی نظر سے اوجھل بھی ہو جاتے تھے لیکن بہت تھوڑی دیر کے لئے ــــ وہ انھیں پھر تلاش کر لیتے تھے۔

سرخ فوج کے مخبر سپاہیوں کی اس مہم کے آغاز ہی میں اگر ایک حادثہ پیش نہ آگیا ہوتا تو یہ مہم ہر اعتبار سے کامیاب رہی تھی لیکن دنیا میں حادثے بھی انھیں لوگوں کے لئے مقدر ہیں جو موت کے سخت گیر ہاتھوں سے بال بال بچ کر اس کی ناکامی پر مسکرانے کے عادی ہوا کرتے ہیں۔ لفٹننٹ یرمولاف بھی اسی قسم کا ایک نوجوان تھا لیکن آج بدقسمتی نے اسے مغلوب کرلیا تھا اور خود اسی کی آٹومیٹک رائفل کے اتفاقیہ طور پر چل جانے کی وجہ سے گھٹنوں کے اوپر اس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئی تھیں۔ یرمولاف فوراً بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑا لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد جب اسے ہوش آیا تو وہ پیاس کی شدت سے بے چین ہو رہا تھا۔ اس نے کہنیوں پر سہارا لے کر اپنا سر اٹھایا اور پانی طلب کیا۔ ایک سپاہی نے پانی کی بوتل اس کے منہ سے لگادی جسے یرمولاف نے ایک ہی سانس میں خالی کردیا۔ اب اس کے حواس بجا ہوگئے تھے اس نے اپنی مجروح ٹانگوں اور ان سے نکل نکل کر سفید برف کو سرخ بنا دینے والے خون کو دیکھا اور اپنے ساتھیوں سے درخواست کی کہ وہ اسے وہیں چھوڑ کر خود دشمن کے نرغہ سے نکل جائیں۔

اس دستہ کا ہر سپاہی لفٹننٹ یرمولاف کی خواہش کی صحت اور اہمیت سے واقف تھا لیکن وہ اسے اس ہولناک مقام پر سسک سسک کر مرنے کے لئے چھوڑ بھی نہیں سکتے تھے۔ کپتان سرجیف نے یرمولاف کی مناسب خواہش معلوم ہوجانے کے باوجود اس کی طرف دیکھے بغیر اپنے ساتھیوں کو اسے اٹھا کر لے چلنے کا حکم دیدیا۔ یہ دستہ پندرہ سپاہیوں پر مشتمل تھا جنھیں تین گروہوں پر تقسیم کردیا گیا اور پانچ پانچ سپاہی یرمولاف کو جو اب پھر بیہوش تھا اٹھا کر راستہ طے کرنے لگے۔ راستہ میں جب انھیں کسی چٹان پر چڑھنا پڑتا

تو وہ یہ مولاف کو زمین پر لٹا دیتے۔ ایک گروہ کے افراد چٹان پر چڑھ جاتے اور دوسرے لوگ اسے ایک پلندہ کی طرح اٹھا کر ان کے حوالے کر دیتے۔ فاشی جرمنوں کی گرفت سے محفوظ رہنے اور یہ مولاف کو کشتی تک لے جانے کے سلسلے میں سرخ فوج کے یہ سپاہی اگرچہ انتہائی احتیاط اور جفاکشی سے کام لے رہے تھے لیکن انھیں کچھ زیادہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی تھی۔ اب انکی رفتار بھی سست ہوتی جا رہی تھی اور فاشی جرمن ان کے بہت قریب پہنچ گئے تھے۔ دفعتاً سرخ فوج کے سپاہیوں کے اس گروہ نے جو اپنے ساتھیوں کے عقب میں چلا آرہا تھا چٹانوں کی آڑلے کر ہلکی مشین گنوں سے دشمن پر آتش باری شروع کر دی اور اس طرح اسے کچھ دیر کے لیے آگے بڑھنے سے روک دیا لیکن دو گھنٹہ کے بعد حالت اور بھی نازک ہو گئی اور ان کی سست رفتاری سے فائدہ اٹھا کر فاشی جرمن انھیں ان کی دائیں اور بائیں اطراف سے محصور کرنے لگے۔

روسی سپاہیوں کا یہ دستہ برف پوش چٹانوں کے درمیان ایک تنگ شگاف سے گذر رہا تھا کہ یکایک یہ مولاف اپنی مرگ آسا بے ہوشی سے چونکا اور کپتان سرجولف کو اپنے پاس بلایا۔

"میرے قریب آؤ!" یہ مولاف نے کپتان کو سامنے کھڑا ہوا دیکھ کر کہا "اور قریب آجاؤ"

کپتان نے یہ مولاف کے قریب آکر اپنا کان اس کے جلتے ہوئے خشک ہونٹوں سے ملا دیا۔

"اس طرح کام نہیں چل سکتا" یہ مولاف نے نہایت آہستہ سے کہا۔ اگرچہ اس وقت اس کی بات بھی بمشکل ہی سمجھ میں آتی تھی لیکن اس کے انداز سے معلوم

ہوتا تھا کہ وہ نہایت استقلال اور کسی قدر غصہ سے گفتگو کر رہا ہے "تم اس طرح کام نہیں چلا سکتے۔ اپنے اس طرزِ عمل سے تم تمام کامیابی کو ناکامیوں میں بدل دو گے۔ یہ کھلی ہوئی غداری ہے غداری!"

یرمولاف خاموش ہو گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں گویا وہ مزید گفتگو کے لیے تیار نہیں۔

کپتان سرجولف سمجھ گیا کہ لفٹنٹ یرمولاف نے خصوصیت کے ساتھ غداری کا لفظ کیوں استعمال کیا ہے۔ در اصل یرمولاف کپتان کو اپنی درخواست منظور کر لینے پر آمادہ ہی نہیں بلکہ مجبور کر دینا چاہتا تھا اور اس میں شبہ کی گنجائش بھی نہیں کہ اس کی درخواست تکلیف دہ ہونے کے باوجود بالکل بجا تھی۔ کپتان نے اس کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا اور یہ چھوٹا سا قافلہ خاموشی کے ساتھ آگے بڑھتا چلا گیا۔ برف پوش چٹانوں کے اس تنگ شگاف سے گذرنے کے بعد جب یہ لوگ ایک چھوٹی سی پہاڑی کے دامن میں ایک ڈھلوان راستے پر پہونچے تو کپتان کے حکم سے برف پر ایک سفری خیمہ بچھا کر یرمولاف کو اس پر لٹا دیا گیا اور سپاہی کپتان کا حکم پا کر آگے روانہ ہو گئے۔ اپنے ساتھیوں کے چلے جانے کے بعد سرجولف نے اپنی پیٹی میں لٹکی ہوئی پانی کی بوتل جدا کی، جھولے میں سے بسکٹوں کا ایک ٹین نکالا اور اسے کھول کر دونوں چیزیں زخمی لفٹنٹ کے بائیں ہاتھ کے قریب رکھ دیں تاکہ بشرطِ ضرورت وہ انھیں آسانی کے ساتھ اٹھا سکے پھر اس نے یرمولاف کا پستول نکالا اور اسے اس طرح اس کے پاس رکھ دیا کہ پستول کا چوبی دستہ یرمولاف کی انگلیوں سے چھو گیا۔

اب یرمولاف بالکل ہوش میں تھا وہ کپتان سرجولف کی حرکات کو شکر گذارانہ نظر سے دیکھتا رہا لیکن زبان سے کوئی بات نہیں کی۔ شاید وہ کسی معاملہ پر

غور کر رہا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح لوگ آرام کرسی پر دراز ہو کر غور کیا کرتے ہیں۔ اس تمام عرصہ میں سرجولیف کو یرمولاف سے آنکھیں چار کرنے کی جرات نہ ہو سکی تھی لیکن اب ــــــ ؟ اس قریب المرگ لفٹنٹ کی ہر خواہش کو پورا کر دیا گیا تھا اور اب وہ اس سے نظر ملا کر بے تکلفی کے ساتھ گفتگو کر سکتا تھا۔

" آپ یہی چاہتے تھے ؟ " سرجولیف نے سپاہیانہ انداز میں سیدھا کھڑا ہو کر کہا " اچھا خدا حافظ ! " یرمولاف سرجولیف کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر گرم جوشی کے ساتھ دبایا۔ دونوں خاموش تھے لیکن اس مصافحہ کے دوران میں سرجولیف نے محسوس کیا کہ یرمولاف غیر متوقع ضبط و استقلال کا ثبوت دے رہا ہے۔ سرجولیف کی آنکھوں میں آنسو جھلکنے لگے ۔ ۔ ۔ ۔ یرمولاف نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور سرجولیف اس کی طرف دیکھے بغیر اپنے ساتھیوں کے عقب میں روانہ ہو گیا۔

سرجولیف نظر سے اوجھل ہو گیا۔ اس دھندلے سایہ کی طرح جسے تاریکی اپنے آغوش میں لے کر دیکھنے والوں کی نظر سے اوجھل کر دیتی ہے لیکن ۔۔ یرمولاف اسی طرف دیکھتا رہا۔ کیوں ؟ شاید اس لئے کہ اب کبھی اسے فاشسی درندوں کے علاوہ کسی انسان سے ملنے کی امید باقی نہیں رہی تھی۔

(۲)

مجروح یرمولاف درد و کرب کے باعث بے چین ہو رہا تھا اور جلد از جلد اس تکلیف سے نجات حاصل کرنے کا خواہش مند تھا لیکن فاشسی جرمنوں کے تصور نے اس کے ذہن سے خودکشی کے ارادہ کو یکسر معدوم کر دیا۔ اس نے اپنا ریوالور اٹھایا اور ہوا میں گولی چلا دی۔ دراصل یرمولاف اپنی زندگی اور موت کے متعلق اپنے ساتھیوں کو شک و شبہ میں رکھ کر انھیں ذہنی کوفت میں مبتلا

نہیں کرنا چاہتا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ وہ اسے مردہ سمجھ کر اطمینان کے ساتھ اپنا سفر طے کر سکیں۔ اس نے خیال کیا کہ اب میرے ساتھی میری موت کے متعلق شک وشبہ میں مبتلا نہ رہیں گے۔ ان کی رائے میں اب میں موت سے ہمکنار ہو چکا ہوں لیکن میں برابر دشمن کا مقابلہ کرتا رہوں گا۔

یرمولاف مسرور تھا۔ اس لئے کہ اس نے اپنے ریوالور کے سخت گھوڑے کو آسانی کے ساتھ چڑھا لیا تھا اور اس تصور سے کہ ابھی اس کے ہاتھوں کی طاقت زائل نہیں ہوئی وہ اپنی ٹوٹی ہوئی ٹانگوں کی وجہ سے محسوس ہونے والے درد کو بھی بھول گیا۔ اس نے اپنا ریوالور اٹھایا اور کچھ دور برف پر جمی ہوئی کائی کا نشانہ لیا اور یہ معلوم کر کے اس کو بہت ہی زیادہ مسرت ہوئی کہ اول تو وہ بہت آسانی کے ساتھ نشانہ کو دیکھ سکتا ہے دوسرے اس کے ہاتھوں میں جنبش نہیں ہوتی۔ اس نے اپنا ریوالور اپنے قریب رکھ لیا۔

برف باری جاری تھی۔ زرد زرد بادلوں کی شکل میں برف کی بڑی بڑی سلیں فضا میں پرواز کر رہی تھیں۔ اور اگرچہ قطب شمالی کے اس علاقہ میں آفتاب ابھی غروب نہیں ہوا تھا لیکن اس وقت غیر معمولی طور پر تاریکی چھائی ہوئی تھی ایک تجربہ کار مخبر سپاہی کی حیثیت سے یرمولاف کو اس بات کا یقین تھا کہ فاشی جرمن اپنے ساتھیوں کا تعاقب کرتے ہوئے اس کے پاس سے ضرور گذریں گے لیکن کتنے فاصلہ سے؟ وہ تیس گز تک انھیں اپنے ریوالور کا نشانہ بنا سکتا تھا بشرطیکہ برف کا طوفان جاری رہے اس نے کسی قدر تشویش کے ساتھ آسمان کی طرف دیکھا۔

وہ تنہا تھا! بالکل تنہا!! اب اس کے ساتھی اس کا قدیم اور عزیز ترین دوست اس کا باپ اور اس کی شفیق ماں غرضیکہ کوئی بھی اس کی مدد نہیں کر سکتا

تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اس ملاقات کا تصور کرنے لگا جو فوجی ہیڈ کوارٹرز میں واقع ایک خندق کے اندر اس نے اپنے باپ کے ساتھ آخری مرتبہ کی تھی۔ اس ملاقات کے وقت اس کا باپ اپنے توپ خانہ کے نقشوں پر جھکا ہوا سگار کے سرے کو چبا رہا تھا اور اس نے سر اٹھائے بغیر بڑبڑاتے ہوئے کسی قدر تلخ اور ملامت آمیز لہجہ میں کہا تھا کہ مخبر سپاہی اپنے فرائض کو اچھی طرح ادا نہیں کر رہے ہیں اور یہ کہ گذشتہ مہینہ میں انھوں نے دشمن کے ایسے صرف چار مورچوں کا پتہ چلایا تھا جہاں سے سرخ فوج پر گولہ باری کی جاتی تھی لیکن اپنے باپ کے اس تلخ انداز گفتگو کے باوجود وہ جانتا تھا کہ اگرچہ میرا باپ مجھے ملامت کر رہا ہے لیکن اسے میرے ساتھ جو محبت ہے وہ اس کو چھپانے کے لئے ہمیشہ اسی انداز میں گفتگو کیا کرتا ہے۔

دفعتہً اس کا ذہن ان غیر مربوط، فراموش شدہ اور معمولی معمولی باتوں کی جانب منتقل ہو گیا جو اس کی اور اس کے باپ کی دوستی میں حادثات کی حیثیت رکھتی تھی۔ اسے یاد آیا کہ کس طرح ایک مرتبہ اس کے باپ نے اس کو سختی کے ساتھ سرزنش کی تھی جب وہ بچہ ہی تھا تو کس طرح ایک دن اس کے گھوڑے سے گر جانے کے باوجود اس کے باپ نے افسوس کا اظہار تک نہ کیا تھا اور کس طرح توپ خانہ کی ایک تربیت گاہ میں جہاں اس کا باپ استاد کی حیثیت رکھتا تھا، فوجی تربیت کے سلسلہ میں ان دونوں کا مقابلہ ہوا تھا۔۔۔ ہاں اب اسے یہ بات بھی یاد آئی کہ کس طرح شمشیر زنی کی مشق کے دوران میں ایک مرتبہ اس نے اپنے باپ کو ایک طرف دھکیل دیا تھا اور اس شکست کے باوجود اس وقت اس کا باپ کس قدر مسرور نظر آتا تھا اور اسی واقعہ کے بعد اس نے پہلی مرتبہ یرمولاف کی ماں کو ہدایت کی تھی کہ وہ دستر خوان پر دو مردوں کے لئے شراب

کے دو گلاس رکھے۔

پھر اس کو بات بھی یاد آئی کہ اس کا باپ اس کے ساتھ ہمیشہ درشتی سے پیش آتا تھا۔ کبھی محبت کا اظہار نہ کرتا تھا۔ کبھی محبت کے لہجہ میں اسے الیوٹ کہہ کر نہیں بلاتا تھا بلکہ ہمیشہ الکزی ہی کہہ کر آواز دیا کرتا تھا۔ اس نے بہت سے مواقع پر اس کی تعریف بھی کی تھی لیکن اس کی عدم موجودگی میں اس کے دستہ کے سپاہیوں کے سامنے وہ اسے سرزنش ہی کرتا رہتا تھا۔ ان ساری باتوں کے باوجود جذبات کی اس تمام نزاکت اور حسیات کی اس کامل بیداری کے ساتھ جو ایک قریب المرگ انسان ہی کے لئے مخصوص ہے وہ اپنے باپ کے ساتھ اپنی طویل پر وقار مگر نہایت ہی محتاط اور محدود دوستی کی تہ میں، محبت و شفقت کے جذبات کو کارفرما محسوس کرتا تھا۔

بلاشبہ اس کو اپنی ماں سے بھی محبت تھی لیکن اس وقت اسے اس کے آغوش محبت، اس کی غمناک مسکراہٹ اور ان حسین .... حلقوں کی یاد بے چین نہیں کر رہی تھی جو رخصت کے وقت اشک آلود ہونے کے باعث اس کی آنکھوں کے گرد نمودار ہو گئے تھے۔ وہ ان باتوں کے تصور سے دور تھا ـــــ بہت دور! وہ اس وقت جن حالات سے گذر رہا تھا یہ تصورات ان سے بالکل غیر متعلق تھے۔ اس کے برعکس اپنے باپ کے ساتھ اپنے تعلقات کی یاد بحالات موجودہ اس کے لئے بہت زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ یہی تعلقات اس وقت اس کے یہاں پڑے ہونے کے ذمہ دار تھے۔ ایک ریوالور لئے ہوئے زخمی اور بے یار و مددگار پڑے ہونے کے ذمہ دار! اور اگرچہ درد کی شدت سے تنگ آکر وہ اپنا خاتمہ کر لینے کی خواہش پر بمشکل ہی غالب آسکا تھا لیکن اس نے اپنے دشمن .... فاشی جرمن سپاہیوں

کی آمد کا انتظار کرتے رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ قطعی فیصلہ!

پر مولاف نے اس وقت جو فیصلہ کیا تھا اس کی وجہ محض یہی نہیں تھی کہ ایک مجبر سپاہی کی حیثیت سے یہ اس کی گیارھویں مہم تھی اور وہ نہایت دہشتناک طریقہ پر موت کے منہ میں جانے کے تصور کا عادی ہو چکا تھا بلکہ اس کے اور اسباب بھی تھے۔ چار سال کی عمر ہی سے وہ اپنے باپ کے ساتھ فوجی بارکوں اور فوج کے مختلف دستوں کی قیام گاہ میں پھر تا رہا تھا۔ جب وہ گھوڑے سے گر پڑا تھا تو اس کے باپ نے اظہار افسوس تک نہ کیا تھا جب شمشیر زنی کی مشق کرتے ہوئے اس نے اپنے باپ کو ایک طرف دھکیل دیا تھا تو اس شکست کے باوجود اس کا باپ بہت زیادہ مسرور نظر آتا تھا یہ تھے وہ واقعات جنکی بنا پر یہ مولاف کو یقین تھا کہ اس نے موت سے ہم آغوش ہونے کا جو طریقہ منتخب کیا ہے اس کا باپ اس کے علاوہ اس کی موت کے کسی طریقہ کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

دفعتاً اس نے آنکھیں کھولیں اور چاروں طرف دیکھا۔ برف باری بدستور جاری تھی۔ زمین پر بچھے ہوئے خیمہ کے ان سیاہ دھبوں کو جو اس کے زخموں سے نکل نکل کر جم جانے والے خون سے پڑ گئے تھے، برف کی سفید چادر نے چھپا لیا تھا اور خود اس کی ٹانگوں پر بھی برف کی تہ جمتی جا رہی تھی۔ اس پر مدہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی اور ایک لمحہ کے لئے اسے ایسا محسوس ہوا کہ وہ بچہ ہے اور اپنے مکان پر اپنے بستر میں لیٹا ہوا ہے وہ برف کی اس سفید اور ہلکی چادر کو ایک سفید کمبل تصور کرنے لگا اور خود فراموشی کے اس عالم میں اسے یقین ہو گیا کہ ابھی اس کی ماں آکر اس سفید کمبل کو اس کے شانوں تک کھینچ لے گی اور وہ اس میں لپٹ کر صبح تک میٹھی نیند کا لطف

اٹھاتا رہے گا۔ اس کی یہ مدہوشی بکثرت خون نکل جانے کے باعث تھی لیکن وہ ہر ممکن طریقہ پر اپنے حواس بجا رکھنے کا خواہش مند تھا۔ اس نے اپنے دانت بھینچ لئے اور شدید ترین درد کی اذیت کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو کر اپنی باقی ماندہ طاقت سے اپنی مجروح ٹانگوں کو جنبش دی اور زخم کی وہ اذیت جو وقت کے ساتھ ساتھ کم ہوتی جا رہی تھی دفعتہ پھر پوری قوت کے ساتھ اثر انداز ہونے لگی لیکن اس طرح یرمولاف اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اسی درد و کرب کی بدولت اس کی مدہوشی زائل ہو گئی تھی۔

یرمولاف نے اپنا سر اٹھایا اب اس کی دائیں جانب واقع پہاڑیوں کے ڈھلوان راستہ پر کسی شئے کے سرسرانے کی آواز آ رہی تھی اس نے آہستہ سے کہا۔

"خوب! اس قدر جلد!!"

اور فوراً ہی بسکٹوں کے ٹن کو قریب بڑھا کر اپنے دائیں بازو کو اس پر قائم کر دیا وہ جانتا تھا کہ اس طرح وہ یقین اور اطمینان کے ساتھ فاشی جرمنوں کو اپنے ریوالور کا نشانہ بنا سکے گا۔

کبھی کبھی آ جانے والی سرسراہٹ کی آواز اب ایک مسلسل اور صاف آواز میں تبدیل ہو گئی تھی۔ یرمولاف کو یقین ہو گیا کہ یہ اس کے ملک کے دشمن، فاشی جرمن سپاہیوں کے قدموں کی آواز ہے۔ وہ تیزی کے ساتھ بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ "خوب!" اس نے خیال کیا لیکن اسی وقت اسے اپنی تنہائی، مکمل تنہائی کا احساس بھی ہوا۔ کاش اس وقت رائفلوں سے مسلح اس کے دو ساتھی بھی یہاں موجود ہوتے! اس نے دل ہی دل میں

کہا "اب چند لمحوں ہی کی بات تو رہ گئی ہے۔ لیکن اب جو کچھ پیش آئے گا اس سے کوئی متنفس ...... حتیٰ کہ میرا عزیز باپ بھی واقف نہ ہو سکے گا" وہ بلند آواز سے کہنا چاہتا تھا "ابا! کیا تم میری بات سن سکتے ہو؟" لیکن فاشی جرمنوں سے انتقام لینے کی خواہش نے اسے خاموش ہی رہنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے اپنے بازو کو زیادہ اطمینان کے ساتھ اسکیٹوں کے ٹین پر جمایا اور یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ اب بھی کامیابی کے ساتھ فاشی جرمنوں کو نشانہ بنا سکتا ہے یا نہیں؟ برف پر جمی گرد برف باری کی بدولت ایک سیاہ داغ کی مانند نظر آنے والی کائی کا دوبارہ نشانہ لیا ———— وہ کامیاب تھا۔ بالکل کامیاب!

"تنگ پہاڑی راستہ یرمولاف کی دائیں جانب کسی قدر فاصلہ سے ہو کر گذرتا تھا۔ پہلا جرمن سپاہی راستہ پر نمودار ہوا۔ لیکن یرمولاف سے کم و بیش پندرہ گز دور اور اس کی طرف دیکھے بغیر گذر گیا اس کے عقب میں دوسرا جرمن سپاہی جو سوار سپاہیوں کی وردی پر سفید رنگ کا میلا کوٹ پہنے ہوئے تھا اپنی رائفل کو گردن میں حائل کئے آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ اچانک اس نے بائیں طرف دیکھا اور یرمولاف پر نظر پڑتے ہی اس کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ یرمولاف نے اپنی کہنی ٹین پر اچھی طرح جما کر گولی چلا دی لیکن ضعف کے باعث اس کا بازو ڈھیلی کر زمین پر جا رہا۔ یرمولاف کا جوش انتقام بڑھ گیا تھا اس نے پھر اپنے بازو کو ٹین پر قائم کیا اور آگے بڑھ جانے والے جرمن سپاہی کا جو اپنے ساتھی کی چیخ اور اس کی نعش کے گرنے کی آواز سن کر واپس آ رہا تھا انتظار کرنے لگا۔ جرمن سپاہی کی رائفل کا تسمہ اس کی وردی کے بٹنوں میں الجھ گیا تھا اور وہ اسے چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ یرمولاف اس بدحواس سپاہی کی حرکات کو دیکھتا رہا اور جب اس نے اپنی رائفل چھڑا لی تو یرمولاف نے گولی چلا دی جرمن سپاہی کے ہاتھ سے رائفل چھوٹ گئی وہ چند قدم آگے چلا

دور بھیڑیوں اور درندوں سے منہ اس طرح برف پر گر پڑا کہ اس کے ہاتھ یرمولاف کے پیروں سے چھو گئے۔

یرمولاف کے پستول میں صرف ایک گولی باقی رہ گئی تھی۔ زخم سے بکثرت خون نکل جانے کی وجہ سے وہ پہلے ہی نڈھال ہو رہا تھا اور انسانیت کے دو دشمنوں کو موت کی آغوش میں سلانے کے بعد اس کی باقی ماندہ طاقت بھی زائل ہونے لگی تھی۔ ڈھلوان راستہ کے دوسری جانب اسے چند پرچھائیاں حرکت کرتی ہوئی نظر آئیں تاریک پرچھائیاں! اگرچہ لمحوں تک انتظار کرتے رہنے کے باوجود کوئی متنفس نظر نہ آیا۔ یرمولاف سمجھ گیا کہ وہ پھر بے ہوش ہوتا جا رہا ہے اور اگر وہ خود کو وحشی درندوں کے حوالہ کر دینے پر آمادہ نہیں تو اپنی آخری گولی کے لئے اسے خود اپنی ہی ذات کو نشانہ منتخب کرنا چاہئے۔

زندگی کے اس آخری لمحہ میں دفعتہً یرمولاف کو اپنی ماں کا خیال آیا' اس محترم ہستی کا خیال جس کی بے پایاں محبت بے غرضانہ خدمت گذاری جانبازی اور شفقت اور ایثار پیشگی نے زندگی کے خارزار کو گلستان بنا رکھا ہے۔ آہ اس کی ماں کتنی محبت سے اس کا منہ دھلاتی تھی اور کس درجہ شفقت سے اس کے بالوں کو آراستہ کیا کرتی تھی! کیا وہ اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا' اس کی آنکھوں کا نور اس کے دل کا ٹکڑا اور اس کے گھر کا اجالا نہیں تھا؟ یرمولاف نے اپنی کنپٹی کو گولی کا نشانہ بنانے کی بجائے اپنے ریوالور کی نال کو اپنے دل کے قریب سینہ کے ساتھ پیوست کر لیا۔ اسے اندیشہ تھا کہ کنپٹی کو گولی کا نشانہ بناتے ہوئے کہیں اس کی ماں کا تصور اور اس کی محبت کی یاد اس کے دل و دماغ سے نکل نہ جائے۔

گولی یرمولاف کے دل میں مستور ہو گئی اور اس کا ہاتھ اچھل کر زمین پر

آرہا لیکن ریوالور اب تک اس کی گرفت ہی میں تھا ــــــ

(۳)

لفٹنٹ یرمولاف کا باپ کرنل یرمولاف تمام رات دشمن پر گولہ باری کرتے رہنے کے بعد صبح کے وقت اپنے ہیڈ کوارٹرز میں واپس آیا۔ برف باری کے باعث اس کو کئی میل پیدل چلنا پڑا تھا اور اب اپنا وزنی فوجی جوتہ اتارنے کے بعد وہ اپنے سفری بستر پر دراز سگرٹ پینے میں مصروف تھا۔ خلاف معمول دو روز سے برابر برف باری ہو رہی تھی، سرد ہوا کے جھونکوں نے خندق قطعاً سرد بنا دیا تھا اور اسے بار بار اٹھ کر گول آہنی انگیٹھی میں لکڑی کے چیلے ڈالنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ کرنل یرمولاف اگلے مورچوں کے متعلق اپنے افسروں کو پوری اطلاعات بہم پہنچا چکا تھا کیسار کی عدم موجودگی کی وجہ سے جو ابھی تک ڈویژنل ہیڈ کوارٹرز سے واپس نہیں آتا تھا۔ خندق میں کامل تنہائی اور خاموشی طاری تھی اور جلتی ہوئی لکڑی کے چٹخنے نیز ہوا کے سرد جھونکوں کی گونج کے علاوہ کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

امن کے زمانہ میں کرنل یرمولاف اپنی رفیقۂ حیات اپنے اکلوتے بیٹے اور گھر سے مختصر سی علیحدگی کو بھی تنہائی سے تعبیر کیا کرتا تھا لیکن اب جنگ کے زمانہ میں اپنے عزیزوں اور مخصوص و معروف ماحول سے مسلسل علیحدہ رہنے کے باوجود اسے ایک لمحہ کے لئے بھی تنہائی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ وہ چیف آف آرمی آرڈیننس کے عہدہ پر ممتاز تھا۔ صبح سے شام اور شام سے صبح تک لوگ اس سے ملنے کے لئے آتے رہتے تھے، اس کے ماتحت دستوں کے کمانڈر جنھیں وہ محض ان کے قدموں کی آواز سے پہچان لینے کا عادی ہو گیا تھا ٹیلیفون پر اس سے گفتگو کرتے تھے اور اس ڈویژن کا پولیٹیکل کبھار بھی

جو ایک خوش مزاج اور پختہ کار شخص تھا گزشتہ گیارہ ماہ سے اس کے ساتھ اسی خندق میں مقیم تھا اور ان لوگوں کی موجودگی نیز خود اس کی گوناگوں مصروفیتوں نے اسے احساس تنہائی سے یکسر بیگانہ کر دیا تھا لیکن آج ...... جب کہ برف کے شدید اور تند طوفان کے باعث نگہداشت کی چوکیوں کے آس پاس کی چیزیں بھی نظر نہ آتی تھیں اور طوفان کے گذر جانے تک ہر شے کا بدستور رہنا ناگزیر تھا، اس وقت جب کہ غیر متوقع طور پر ایک یادگفتہ کے لئے ٹیلیفون پر یا بالمواجہ گفتگو کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی تھی، نہ معلوم کیوں ؛ پہلی بار کرنل یرمولاف انتہائی خواہش اور سعی کے باوجود نہ صرف خواب ہی سے نا آشنا رہا بلکہ دفعتاً اسے اپنی تنہائی کا احساس بھی ہونے لگا، تنہائی کا ایسا شدید، المناک، مایوس کن اور ہمت شکن احساس جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

افسردگی کے ان لمحات میں کرنل یرمولاف نے اپنی رفیقہ حیات کے تصور سے دل بہلانے کی کوشش شروع کی لیکن وہ اس سے بہت دور تھی، دور! فاصلہ پر !! سائبیریا میں !!! اور وہ اپنے نام اس کے لکھے ہوئے ان بے شمار خطوط ہی کا تصور کر سکا جن کا ایک طویل سلسلہ، ایک لا انتہا ہی سلسلہ قائم ہو گیا تھا۔ اس وقت اسے ایسا معلوم ہوا کہ ان میں سے کچھ خطوط ابھی سائبیریا ہی کے کسی لیٹر بکس یا ڈاک خانہ میں پڑے ہوئے ہیں کچھ راستہ میں ہیں کچھ بہت ہی قریب پہنچ چکے ہیں اور کچھ بہت جلد تقسیم کئے جانے کے لئے قریب ہی کے ڈاک خانہ میں رکھے ہوئے ہیں اور اگرچہ سائبیریا سے محاذ جنگ تک قائم شدہ خطوط کا یہ طویل اور چھوٹک سلسلہ اس کی ذات ہی پر ختم ہوتا تھا لیکن بہرحال وہ خطوط ہی تھے محض خطوط ! اور خواہ

وہ کتنے ہی پر اثر، محبت آمیز اور ہمت افزا کیوں نہ ہوں ان کے خطوط ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا مگر اس کا بیٹا اکلوتا بیٹا تو وہیں اس کے بالکل نزدیک ہی موجود تھا اور شاید اس کے اس قدر قریب، مگر عملاً دور ہونے ہی کی وجہ سے اس وقت کرنل یرمولاف کو تنہائی کا یہ شدید احساس ہو رہا تھا۔

کرنل یرمولاف اپنے بیٹے سے بہت کم ملتا تھا اور اگرچہ ایک مرتبہ اپنے دیرینہ دوستوں کی وساطت سے اس نے اپنی عادت کے خلاف فوجی ہائی کمانڈ سے یہ درخواست کی تھی کہ اس کے بیٹے کو اسی کے ڈویژن میں تبدیل کر دیا جائے۔ لیکن اس درخواست کی منظوری کے بعد منصبی ضرورتوں کے علاوہ، وہ کبھی اس سے ملنے کے لئے بھی نہیں گیا تھا اور اس قسم کی ضرورتیں بہت کم

کرنل یرمولاف اور اس کے بیٹے کی آخری ملاقات اسی خندق میں ایک ماہ پہلے ہوئی تھی اور اس موقعہ پر لفٹننٹ یرمولاف اپنی اس مہم کی یادداشت پیش کرنے کے لئے آیا تھا جو دشمن کے عقب میں اس کے توپ خانہ کے حالات معلوم کرنے سے متعلق تھی۔ اس وقت یہ دیکھ کر کرنل یرمولاف کو بیحد مسرت ہوئی تھی کہ اس کا بیٹا باوقار اور مردانہ چہرہ کا مالک ہے اور یہ کہ وہ اپنی جگہ مطمئن ہونے کے علاوہ خود اس کے، اپنے باپ کے ساتھ گفتگو کرنے میں بھی غیر معمولی طور پر محتاط واقع ہوا ہے۔ اس وقت پہلی بار اس نے اس امر کو بھی محسوس کیا تھا کہ اس کی پیاری ہوشیار اور حلیم الطبع رفیقہ حیات نے جس کے ساتھ یرمولاف کی تربیت کے مسئلہ پر گھنٹوں بحث رہا کرتی تھی، اس کے بیٹے کو بے راہ۔ دادا، آوارہ مزاج نہیں بلکہ ایک قابل تعریف نوجوان بنا دیا تھا ایسا قابل تعریف اور باعث فخر نوجوان جیسا کہ کرنل بیس سال کی عمر میں، اسے دیکھنا چاہتا تھا وہاں

بالکل ایسا ہی جیسا کہ اپنی نوجوانی کے زمانہ میں وہ خود تھا۔ وہ اس بات پر بھی خوش ہوا تھا کہ اپنی منصبی مصروفیت کے پیش نظر اس کے بیٹے نے اس کی دعوت چائے نوشی کو ادب کے ساتھ نامنظور کرتے ہوئے اس سے رخصت کی اجازت طلب کی تھی اور اس نے اسے اجازت دے بھی دی تھی لیکن ابھی نوجوان پرمولاف نہ خانہ کے دروازہ ہی تک پہنچا تھا کہ دفعتاً کرنل نے الکوی کہہ کر اسے آواز دی تھی اور جب نوجوان پرمولاف نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا تو میں نے اس کو اپنی بائیں آنکھ دبا کر ایک ایسا اشارہ کیا تھا، جس میں ہزاروں شوخیوں، شرارتیں اور دوستانہ شفقتیں پنہاں تھیں، بالکل ویسا ہی اشارہ جیسا کہ وہ اپنے بچپن کے زمانہ میں کسی دلچسپ طفلانہ شرارت کے ساتھ پر کیا کرتا تھا اور اس کے بیٹے ...... الکزی نے بھی، معصومانہ تبسم کے ساتھ اپنی بڑی بڑی روشن اور مسرور آنکھوں سے اس اشارہ کا جواب دے کر کہا تھا"

"جناب کیا میں جا سکتا ہوں؟"

اپنے اکلوتے بیٹے کی حاضر ذہنی اور خوش مذاقی نے کرنل پرمولاف کی قلبی مسرت میں اضافہ کر دیا تھا۔ اس نے اس مرتبہ اسے چلے جانے کی اجازت دیدی تھی اور وہ چلا گیا تھا ——— یہ تھی کرنل اور اس کے بیٹے کی آخری ملاقات کی مسرت انگیز روداد!

دراصل کرنل پرمولاف کو اپنے بیٹے سے محبت تھی، بے حد محبت! ایسی لطیف اور ناقابل اظہار محبت جو ایک اکلوتے بیٹے کے باپ ہی کے لئے مخصوص ہے اور جس کے ماتحت ایک باپ کی تمام تمناؤں امیدوں اور فخر و مباہات کا مرکز و محور یہ امر ہوا کرتا ہے کہ اس کا بچہ، اس کی صفات کا وہ چھوٹا سا مظہر جسے نور چشم لخت جگر اور تسکین قلب کے الفاظ سے موسوم کیا جاتا ہے، جوان ہو کر اسی

کی مانند نہیں اس سے بہتر مرد اور فخر انسانیت فرد ثابت ہو سکے۔ کرنل پرمولاف کو اپنے بیٹے سے گہری اور بے پایاں محبت تھی۔ وہ اسے ظاہر کرتے ہوئے ندامت محسوس کرتا تھا، اسے اپنے درجہ اور رتبہ کے منافی تصور کرتا تھا اور اسی لئے وہ اسے الکزی ہی کہہ کر بلاتا تھا لیکن دراصل اس کے لئے اس کے خیالات کی وسیع اور رنگین دنیا میں، الکزی نہیں بلکہ الیوشا، اس کا پیارا اور اکلوتا بیٹا الیوشا............ ہی ہوا کرتا تھا۔
کبھی کبھی کرنل پرمولاف کو یہ شک بھی ہوتا تھا کہ اس کا بیٹا اس کی بے پایاں مگر مستور محبت کو محسوس کرتا ہے بالخصوص ان اوقات میں جب وہ الکزی کے ساتھ بے رخی اور بے توجہی سے پیش آتا تھا، اس کا یہ شک اور بھی قوی ہو جاتا تھا لیکن وضعداری نے اسے کبھی اعتراف محبت کی اجازت نہ دی تھی

(۴)

اپنے اکلوتے بیٹے سے متعلق ان رنگین تصورات نے کرنل پرمولاف کو اس درجہ محو اور مدہوش کر دیا تھا کہ اس کو آتش دان کے سرد ہو جانے کا علم بھی نہ ہو سکا لیکن نہ خانہ میں لحظہ بہ لحظہ بڑھتی ہوئی سردی نے دفعتہً اس کے خیالات کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ اس نے لکڑی کے چند ٹکڑے آتشدان میں ڈال دئے اور پھر کسی خیال میں محو ہو گیا مگر کس خیال میں؟ اب اسے اپنی جوانی کے واقعات یاد آ رہے تھے۔ اس زمانہ کے واقعات جب وہ بڈنیا کے ماتحت ایک تجربازی کا کمانڈر تھا۔ اسے یاد آیا کہ وہ ابتدا ہی سے اپنے منصبی فرائض کی ادائگی کا کس قدر دلدادہ تھا اور کبھی کبھی ان ماتحت افسروں

کو چڑانے کے لیے جو ہر معاملہ میں دخل دینا اپنا ازلی فرض تصور کرتے تھے کس طرح قہقہہ لگایا کرتا تھا لیکن بعض اوقات، بالکل آج ہی کی طرح اسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ جنگ و پیکار اور دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے کے حقیقی مواقع سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اس کی چشم تخیل گذشتہ واقعات کو دیکھ رہی تھی ہلکی میدانی توپیں جنھیں گھوڑوں کی قطاریں کھینچ کر دشمن پر گولہ باری کے لیے مورچوں تک لے جاتی ہیں اور جن کے پہیوں سے زمین پر گہری اور مسلسل لکیریں بن جاتی ہیں، توپچیوں کے پسینہ میں شرابور چہرے، اپنے سخت احکام اور دشمن کا لباس پہنے ہوئے بے شمار لوگوں کا مجروح اور ہلاک ہو ہو کر میدان میں گرنا —— غرضکہ اس وقت اس کو ہر بات یاد آ رہی تھی لیکن اب بحالات موجودہ وہ نہ تو دشمن سے انتقام لے سکتا تھا اور اس کا مقابلہ ہی کر سکتا تھا۔

موجودہ ہولناک جنگ کے دوران میں صرف دو مرتبہ، کل اور پرسوں اسے اپنی جرأت و قابلیت اور دشمن سے مقابلہ کرنے کے حقیقی جذبہ کے اظہار کا موقعہ ملا تھا۔ توپ خانہ کو جارحانہ آتشباری کا حکم دیا گیا تھا اور گنبد اکی مرکزی چوکی ایک بلند اور ناہموار پہاڑی پر واقع، اگلے مورچہ میں ایسی جگہ قائم کی گئی تھی جہاں سے گرد و پیش کے تمام علاقہ پر نظر رکھی جا سکتی تھی اور اور کرنل بر سولاف کا فرض منصبی اس امر کا متقاضی تھا کہ وہ خود وہاں موجود رہے چنانچہ وہ دو روز تک اس چوکی میں رہ کر خود توپ خانہ کے مختلف دستوں کو ہدایات دیتا رہا تھا۔ اس کی نگرانی میں ہماری روسی توپوں نے دشمن کے مضبوط مورچوں، دمدموں اور توپ خانہ کو گولوں کا نشانہ بنایا تھا اور اپنی فوجی دوربین سے وہ خود فاشی جرمنوں، ان کے گھوڑوں اور مورچوں کے

شہتیروں کو گرتے، تڑپتے اور فضا میں اڑتے ہوئے دیکھتا رہا تھا۔

جرمن توپ خانہ کے دو دستوں نے یکے بعد دیگرے کرنل کی چوکی پر بھی گولہ باری کی تھی اور اس نے اپنی توپوں کے نشانہ کو درست کرانے کے بعد ان پر۔۔۔۔ شدید آتش باری کر کے انھیں فوراً خاموش ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس موقعہ پر مسابقت کے تصور اور ذاتی طور پر دشمن سے مقابلہ کے خیال نے اس کی آواز کو کرخت اور اس کے قلب کو بہادرانہ جوش سے لبریز کر دیا تھا اور اس حالت میں اس نے جو سخت احکام نافذ کئے تھے ان کی وجہ اس کی بے خوابی اور بے آرامی نہیں تھی بلکہ دشمن سے بدلہ لینے اور اسے عبرت آموز سزا دینے کا وہ جذبہ تھا جو خون بن کر اس کی رگوں میں گردش کر رہا تھا لیکن جنگ کے تمام زمانہ میں اسے یہ پہلا موقعہ نصیب ہوا تھا اور اس قسم کے مواقع روز روز پیش نہیں آ سکتے تھے کرنل نے خیال کیا کہ اس معاملہ میں اس کا بیٹا زیادہ خوش نصیب واقع ہوا تھا۔

کرنل پومولاف دشمن سے مقابلہ کرنے اور اپنے ملک کے دشمنوں کو قرار واقعی سزا دینے کے متعلق مواقع نصیب ہونے کے سلسلہ میں اپنے بیٹے کو ہمیشہ خوش قسمت سمجھتا تھا لیکن اس نے کسی شخص حتیٰ کہ اپنے پولیٹیکل لبسار کے روبرو بھی اس کا اعتراف نہیں کیا تھا۔ ایک شفیق باپ کی حیثیت سے وہ سراغ رساں سپاہی کے فرائض کو بے حد پر خطر سمجھتا تھا لیکن اس جگہ کے لئے اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے اس کے بیٹے نے اس کی منظوری تک حاصل نہ کی تھی مگر کرنل اس بات پر اس سے ناراض نہ تھا بلکہ اسے حق بجانب تصور کرتا تھا کیونکہ اگر اس کا بیٹا اس سے مشورہ بھی کرتا تو اس کے پاس کیا جواب تھا؟ کرنل کو اس کی یہ درخواست منظور ہی کرنی پڑتی۔ اس کے

برعکس اگر اس کا بیٹا خود اسی کے ماتحت اسٹاف ہیڈ کوارٹرز میں کوئی جگہ حاصل کرنے کی خواہش کرتا تو یہ امر نہ صرف کرنل کی ناراضگی ہی کا موجب بنتا بلکہ وہ ہر ممکن طریقہ پر اس خواہش کی تکمیل میں حائل بھی ہوتا۔

کرنل پیر مولاف فرض منصبی کی ادائگی میں ذاتی تعلقات سے متاثر ہونے کو حماقت تصوّر کرتا تھا۔ ذلیل حماقت اس کے بیٹے کو بھی زندگی کے اسی راستہ پر چلنا تھا جس پر وہ خود چل چکا تھا اور کرنل کو یہ بات پسند نہ تھی کہ اسے اس راستہ کی کسی منزل کے تجربات اور تاثرات سے محروم رہنے کا موقعہ دے اپنے پرخطر فرائض کو ادا کرتے ہوئے اپنی جان کی حفاظت کرنی خود اس کے بیٹے کا کام تھا خود اس کے بیٹے کا کام! اس معاملہ میں کرنل کو مداخلت کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ جب سراغ رساں سپاہیوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں دشمن کے عقب میں سرگرداں پھرتی تھیں اور کئی کئی روز تک ان کی کوئی خبر نہ آتی تھی تو کرنل ساری ساری رات آنکھوں ہی آنکھوں میں گذار دیتا تھا لیکن جس طرح اس کے اس انتظار اور تشویش کی ذمہ داری اس کے بیٹے پر عائد نہیں کی جا سکتی تھی اسی طرح وہ خود بھی اپنے بیٹے کے پرخطر احول کا ذمہ دار نہیں تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ آج اس کی اس بیداری کا باعث اس کا بیٹا ہی تھا۔ وہ جس سراغ رساں جماعت کے ساتھ گیا تھا کئی روز سے اس کی کوئی خبر نہیں مل سکی تھی پھر کئی دن سے برف باری بھی ہو رہی تھی اور نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ طوفان کب ختم ہوگا۔

(۵)

کرنل پیر مولاف آتشدان کے قریب بیٹھا ہوا کچھ دیر تک انھیں خیالات میں

منہمک رہا پھر اس نے لکڑی کے باقی ماندہ ٹکڑے اٹھائے اور انہیں اس آہنی آتش دان میں ڈال کر اپنے بستر پر جا بیٹھا اور اس توقع پر کہ شاید اسے نیند آجائے اپنی پیٹی کھولنے لگا لیکن اسی وقت دروازہ کھٹکھٹائے جانے کی آواز نے اسے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔

"اندر آجاؤ" کرنل نے آہستہ سے کہا۔

ایک ہی لمحہ کے بعد کپتان سرجولیف' اسی سراغ رساں جماعت کا کمانڈر جس میں اس کا بیٹا شامل تھا تہ خانہ میں داخل ہوا۔ اس کے لباس کی حالت' شانہ پر رائفل کی موجودگی اور چہرہ پر درماندگی کی علامات سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنی مہم سے ابھی واپس آیا ہے۔

"کیا بات ہے؟" کرنل نے دریافت کیا۔

"ایک منٹ کے لئے توقف کیجئے" سرجولیف نے اپنی رائفل کو فرش پر رکھتے ہوئے اور خود کمیسا کے بستر پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

سرجولیف فطرتاً کم سخن شخص واقع ہوا تھا۔ اس وقت اس کا چہرہ اس کی درماندگی کی غمازی کر رہا تھا اور اس کی وضع اس حقیقت کی مظہر تھی کہ وہ ابھی سفر سے آرہا ہے پھر چونکہ قاعدہ کے مطابق اسے فوراً ہی کرنل کے پاس آنے کی ضرورت بھی نہیں تھی اس لئے اس کی اس غیر متوقع آمد نے کرنل کو کسی قدر تشویش میں مبتلا کر دیا۔

"کیا بات ہے؟" کرنل نے دوبارہ سوال کیا اور ایک سگرٹ سلگا کر اپنے بستر پر سرجولیف کے بالکل سامنے بیٹھ گیا۔

"ذرا ٹھیریے!" سرجولیف نے آہستہ سے کہا اور اپنی رائفل کو اپنے دائیں ہاتھ کی طرف کچھ فاصلہ پر سفری چار پائی سے لگا کر کھڑا کر دیا گویا کہ وہ ان کی

گفتگو میں حائل تھی۔
"کیا وہ زخمی ہو گیا ہے؟" کرنل نے سر جویف کے چہرہ کی طرف بغور دیکھتے ہوئے دریافت کیا"
نہیں! ایڈری پٹروچ" سر جویف نے نہایت آہستہ سے جواب دیا۔
اگرچہ سر جویف نے لفظ "نہیں" کو ایک خاص موقعہ پر ادا کیا تھا لیکن انکشاف حقیقتاً یہ طریقہ اتنا کامیاب ثابت نہیں ہوا جتنا کہ اس کا انداز اور ممتاز انداز گفتگو جنگ کے اس تمام زمانہ میں سر جویف نے آج پہلی مرتبہ اس کا نام لے کر اسے اس طرح مخاطب کیا تھا بس طرح ایک بیمار اور دل شکستہ شخص ہو جاتا ہے۔ کرنل حقیقت کو سمجھ گیا۔ اب حادثہ کی تفصیلات ہی معلوم کرنی تھیں ـــــ یہ آخری مرحلہ تفصیلات سے متعلق آخری مرحلہ بھی طے ہو گیا

(۶)

سر جویف کے چلے جانے کے بعد کرنل پھر تنہا رہ گیا۔ وہ اپنے بستر پر چت لیٹ گیا۔ اس کی نظر چھت پر لگی ہوئی تھی اور وہ کچھ ـــــ نہ معلوم کیا ــ؟ سوچنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اسے کوئی بات یاد نہ آتی تھی البتہ ایک لفظ تھا' صرف ایک لفظ جو اس وقت اس کے دماغ پر چھایا ہوا تھا۔ لفظ' الیوشا' یہ لفظ جو اس نے اپنے بیٹے کی زندگی میں کبھی بلند آوازسے ادا نہیں کیا تھا لیکن اب اپنے اکلوتے بیٹے کی دائمی مفارقت کے بعد' یہی لفظ بے ساختہ اس کی زبان پر جاری تھا۔ الیوشا! وہ دفعتہً خاموش ہو گیا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں لیکن ایک ہی لمحہ کے بعد وہ پھر چھت کی طرف دیکھ رہا تھا اور یہی لفظ دہرا رہا تھا۔ اس وقت بر خلاف دنیا و مافیہا سے بے خبر محض اپنے اس ناقابل تلافی لفظ ان ہی

کے دل شکن خیال میں منہمک تھا، اس ناقابلِ تلافی نقصان کے خیال میں جسے برداشت کرنے کے لئے، موجودہ جنگ کے دوران میں وہ خود کو بارہا تیار کرچکا تھا لیکن اسے ایک بار بھی کامیابی نصیب نہ ہوئی تھی۔

اپنے اس روح فرسا صدمہ پر غالب آنے کے لئے کرنل یرمولاف نے اس گفتگو کو یاد کرنا شروع کیا جو اس کے اور کپتان سرجولیف کے مابین ہوئی تھی اس نے خیال کیا —— میں نے سرجولیف سے یہ بیکار سوال کیوں کیا تھا کہ کیا میرے بیٹے نے میرے لئے کوئی تحریری پیغام دیا ہے؟ حالانکہ میں جانتا تھا کہ اس قسم کا کوئی پیغام نہیں بھیجا گیا کیونکہ اگر کوئی ایسی تحریر ہوتی تو سرجولیف فوراً اسے میرے حوالے کر دیتا، لیکن میرے بیٹے نے کوئی پیغام کیوں نہیں بھیجا، کیا وہ اپنی زبان سے دو لفظ بھی نہیں کہہ سکتا تھا؟۔

اس پدرانہ شکوہ کے پیشِ نظر کرنل نے اس حادثہ کی تفصیلات کا تصوّر شروع کیا —— برف پر بچھا ہوا چھوٹا سا سفری خیمہ، مجروح ٹانگیں، قریب رکھا ہوا ریوالور اور ریوالور سر ہونے کی وہ آخری آواز جو سرجولیف نے سنی تھی —— کرنل نے سوچا —— ان حالات میں کوئی پیغام نہیں بھیجا جا سکتا تھا —— اب اسے اپنے بیٹے سے کوئی شکوہ باقی نہیں رہا تھا۔ ایک مرتبہ پھر کرنل کی چشمِ تخیل نے اس کے روبرو اس راستہ کی تصویر پیش کر دی جس پر اس کے اکلوتے بیٹے نے آخری بار سفر کیا تھا۔ اس ناہموار اور چٹانی راستے کی تصویر جہاں اسکے مجروح اور بے حس و حرکت بیٹے کو سفری خیمہ پر ڈال کر لے جایا گیا تھا۔ ان بھیانک چٹانوں کی تصویر جہاں اسے کہا ...... نہیں بلکہ اس کے ریوالور...... ایک سپاہی کے آخری اور حقیقی ساتھی کی معیت میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس کی سرد نعش اور پھر فاشی جرمنوں کا اس کے قریب آ کر اسے دیکھنا۔ غرضیکہ کرنل

اس وقت وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا جو اس کی موجودہ واقفیت کی بنا پر اس کے بیٹے کے ساتھ گذرا تھا یا گذر سکتا تھا۔

نصف گھنٹہ پہلے کپتان سر جو لیف نے اس کے رنج و غم کو کم کرنے کی غرض سے اپنی مہم کے حالات جس میں کرنل کا بیٹا بھی شامل تھا نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کئے تھے اس نے بتایا تھا کہ دشمن کے زمین دوز مورچوں پر کس طرح دستی بم پھینکے گئے، پلوں کو کس طرح اڑا یا گیا اور اس موقعہ پر دشمن کے کتنے افسر اور سپاہی ہلاک اور مجروح ہوئے لیکن ان باتوں سے کرنل کو تسکین نہیں ہوئی تھی۔ بہرحال اس کا اکلوتا بیٹا مر چکا تھا اور اس کے اس نقصان کی کسی طرح بھی تلافی نہ ہو سکتی تھی لیکن کیا اس کے بیٹے نے اپنا فرض پوری ذمہ داری کے ساتھ ادا نہیں کیا تھا اور کیا اس نے اپنے عزیز وطن کی مدافعت اور تمام دنیا کو وحشی فاشیوں کے چنگل سے بچانے کے لئے اپنی جان نہیں دی تھی؟ یہ ایک خیال تھا جس کے پیش نظر کرنل کا رنج رنج ہی تک محدود رہا اور مایوسی کے احساس میں تبدیل نہیں ہوا۔

اس موقعہ پر دفعتاً کرنل کو گذشتہ دو دن کے واقعات یاد آنے لگے اور اس نے محسوس کیا کہ توپ خانہ کے اس جارحانہ حملہ کے دوران میں جس میں اپنی فوجی دوربین سے اس نے دشمن کے بدحواس سپاہیوں کو ہلاک و مجروح ہو ہو کر بھاگتے اور گرتے، گھوڑوں کو تڑپتے اور بڑے بڑے شہتیروں کو فضا میں اڑتے ہوئے دیکھا تھا، اس کے جوش جنگ آرائی کے پس پردہ اس کے اکلوتے بیٹے کی موت اور خود اس کا ایک غم نصیب باپ کا جذبۂ انتقام کارفرما تھا۔ اسے ایسا معلوم ہوا کہ اس وقت جب کہ وہ نگہداشت کی چوکی میں کھڑا ہوا غضبناک انداز اور گرجدار آواز میں مختلف احکام و ہدایات دے

رہا تھا وہ چوکی میں نہیں بلکہ اپنے بیٹے کے دوش بدوش کھڑا ہوا تھا اور وہ ــــ دونوں ــــ متفقہ طور پر ان لوگوں کو تباہ اور ہلاک کرنے میں منہمک اور مصروف تھے جن سے اسے شدید ترین نفرت تھی۔

لیکن ان تصورات سے بھی کرنل کو تسکین نہ ہو سکی البتہ اس نے یہ ضرور محسوس کیا کہ اس ناقابل تلافی نقصان کے باوجود اسے مایوس اور دل شکستہ نہیں ہونا چاہیئے اور اپنے ملک کے دشمن، فاشی جرمنوں سے لڑتے رہنے کے لئے اسے زندہ رہنا چاہیئے۔ مگر اس کی رفیقۂ حیات اور اس کے اکلوتے بیٹے کی ماں ...... وہ کیا کہے گی؟ وہ تو بذات خود ان خون آشام فاشیوں سے اسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتی جس طرح کرنل اپنی توپوں کے ہلاکت خیز دہانوں کے ذریعہ سے کر سکتا ہے۔

کرنل نے ارادہ کیا ہے کہ اسے اپنی رفیقۂ حیات کو اس بات کی اطلاع دے دینی چاہیئے کہ اس کا اکلوتا بیٹا اپنی ہی آخری گولی کا شکار ہو گیا ہے اور اس کے ساتھی اسے قبر میں بھی نہیں اتار سکے۔ مگر ایک لمحہ کے لئے اس نے محسوس کیا کہ وہ اپنی بیوی کو یہ اطلاع "یہ غم انگیز اور روح فرسا اطلاع نہیں دے سکے گا لیکن فوراً ہی اسے خیال آیا کہ اس کا یہ غم، دل پہ لگا ہوا یہ کاری زخم نہ آج دور اور مندمل ہو سکے گا اور نہ کل! یہ زخم ہمیشہ تازہ رہے گا اور کل اس کی ٹیس آج سے بھی زیادہ روح فرسا محسوس ہو گی اس لئے اسے آج ہی ابھی اور اسی جگہ بیٹھ کر اپنی رفیقۂ حیات اور اپنے اکلوتے بیٹے کی غم زدہ ماں کو اس حادثہ کی اطلاع تو دے دینی چاہیئے لیکن اس بیچارگی اور کس مپرسی کے عالم کی نہیں جس میں اس کے بیٹے نے جان دی تھی۔ خدا اسے اس غلط بیانی کے لئے معاف کرے۔

(۷)

کرنل پرمولاف کا خط ختم ہو چکا تھا اور اس کے ساتھ ہی موسم بہار میں وسطی ہند کی گرمی غیر معمولی طور پر ٹھنڈی رات بھی۔ وہ تہ خانہ سے باہر نکل آیا۔ برف باری کے باوجود سفید برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑوں کی چوٹیوں پر طلوع ہونے والے آفتاب کی کرنیں رقص کر رہی تھیں۔ دفعتہً مغرب کی سمت سے توپوں کے گرجنے کی خوفناک آواز آئی۔ کرنل نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا...... آٹھ بجے تھے..... ٹھیک آٹھ! اور یہ اسی کی توپیں گرج رہی تھیں۔ توپ خانہ نے اپنی جارحانہ آتشباری شروع کر دی تھی وہی جارحانہ آتش باری جس کے لئے کل شام کو، اس وقت جبکہ کرنل کو اس بات کا علم نہیں ہو سکا تھا کہ اب وہ اپنے اکلوتے بیٹے کا باپ نہیں رہا۔ خود اس نے وقت مقرر کیا تھا۔

روسی توپ خانہ نے ٹھیک آٹھ بجے گولہ باری شروع کر دی تھی، ایسا ہونا بھی چاہیئے تھا۔ کرنل کا اکلوتا بیٹا روس کی سرزمین کا ایک جزو تھا اور اس کی موت مادرِ وطن کی مدافعتی جنگ میں حائل نہیں ہو سکتی تھی۔

جنگ جاری رہی اور کرنل نے محسوس کیا کہ اسے از سر نو جنگ و پیکار کی قوت کے اظہار اور دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے کا حقیقی موقعہ مل گیا ہے۔

پرچم

جزیرہ کے وسط میں معدودے چند مکانات کی سلیٹ سے بنی ہوئی چھتیں صاف نظر آ رہی تھیں جن کے درمیان گرجا کی وہ مختصر اور تکونی عمارت واقع تھی جس کی سیاہ آہنی صلیب گرد آلود بھورے رنگ کے آسمان کی جانب بلند ہونے کے باوجود آسانی کے ساتھ شناخت کی جا سکتی تھی۔ سمندر کے شکستہ اور ناہموار ساحل پہ زندگی کی کوئی علامت نظر نہ آتی تھی اور خود سمندر وسیع و ذخار سمندر بھی زمین کے کسی غیر آباد اور بنجر قطعہ کی طرح سنسان و ویران پڑا ہوا تھا۔ لیکن .... حقیقت اس کے برعکس تھی۔

کبھی کبھی کوئی بحری باربردار یا سفری جہاز' افق کے قریب' سمندر میں ایک دھندلے سایہ کی طرح چلتا پھرتا نظر آ جاتا تھا۔ فوراً ہی جزیرہ میں واقع ایک چھوٹی سی پہاڑی پر گرینیٹ کی کوئی چٹان نہایت آہستگی کے ساتھ اپنی جگہ سے ہٹتی ہوئی معلوم ہوتی تھی' اس قدر آہستگی کے ساتھ جو بظاہر خواب یا پریوں کی کہانیوں ہی میں ممکن ہے ایک غار نمودار ہوتا تھا جس کے تاریک شکم سے دور تک مار کرنے والی تین توپیں برآمد ہو کر سطح سمندر سے بلند تر ہونے کے بعد آگے بڑھ کر غار کے دہانہ کے قریب زمین پر قائم ہو جاتی تھیں پھر ان کی لمبی نالیں دشمن کے جہازوں کی طرف اس طرح متحرک ہوتی نظر آتی تھیں جس طرح مقناطیس کے اثر سے لوہے کے ٹکڑے حرکت کرتے ہیں۔ فولاد سے بنی ہوئی ان مضبوط اور وزنی توپوں پر سبز رنگ کا تیل لگا ہوا تھا

جھروکوں کے عقب میں جو ایک دور افتادہ چٹان میں بنائے گئے تھے جزیرہ کے قلعہ کی چھوٹی سی محافظ فوج معہ اپنے سامان جنگ اور اشیا خوردنی کے مقیم تھی۔ فوجی باورچیخانہ کا ایک تنگ گوشہ جسے چوبی تختوں کے ذریعہ علیحدہ کر کے ایک چھوٹے سے کمرہ کی صورت میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ قلعہ کے کمانڈر اور پولیٹیکل کمیسار کی قیام گاہ کا کام دیتا تھا اور اس وقت یہ دونوں زمین سے کسی قدر بلندی پر دیوار میں نصب کئے ہوئے چوڑے چوڑے چوبی تختوں کی نشست پر ایک دوسرے کے بالمقابل بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں کے درمیان رکھی ہوئی ایک چھوٹی سی میز پر برقی لیمپ روشن تھا جس کی کرنیں روشن دان کی کھلی ہوئی آئینہ دار کھڑکی سے ٹکرا کر کمرہ کو روشن تر بنا رہی تھیں۔

روشن دان سے آنے والے ہوا کے ایک تند جھونکے نے دفعتہً میز پر رکھے ہوئے کاغذات کو منتشر کر دیا اور پنسل ایک ایسے نقشہ پر لڑھکنے لگی جس پر بہت سے مربع نشانات بنے ہوئے تھے یہ مربع نشانات سمندر کے مختلف حصوں کو واضح کرتے تھے اور کمانڈر کو ابھی یہ اطلاع ملی تھی کہ مربع نمبر ۸ میں دشمن کے ایک تباہ کن جہاز کو دیکھا گیا ہے۔

توپوں کے دہانوں سے آنکھوں کو خیرہ کر دینے والے نارنجی شعلوں کی ایک دبیز چادر برآمد ہوئی۔ فولادی گولوں کی قوت نے پر سکون سمندر میں عارضی طور پر تلاطم برپا کر دیا، چٹانیں ہلنے لگیں فضا بہرہ کر دینے والی گرج سے گونج اٹھی اور سنگ مرمر پر لڑھکائی جانے والی آہنی گیند کی طرح توپوں کے دہانوں سے نکلے ہوئے ۸ تباہ کن فولادی گولے ہوا پر پرواز کرتے ہوئے دشمن کے جہاز کی سمت روانہ ہو گئے۔ چند لمحوں کے بعد ان کے

پھٹنے کی آواز آئی اور پھر...... ؟ ہر شے پر سکوت طاری ہوگیا۔

(۲)

قلعہ کا کمانڈر اور پولیٹیکل کمیسار دونوں خاموش بیٹھے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے ــــ گفتگو کے بغیر ہی حقیقت واضح تھی۔ دشمن نے جزیرہ کو محصور کر رکھا تھا اور رسل و رسائل کے تمام ذرائع منقطع ہوچکے تھے لیکن جزیرہ میں مقیم سرخ بحریہ کے یہ مٹھی بھر محصور سپاہی ایک ماہ سے زیادہ عرصہ سے اس کے شدید ترین اور مسلسل ہوائی اور بحری حملوں کی مدافعت کررہے تھے۔ تارپیڈو مارنے اور حملہ آور سپاہیوں کو خشکی پر اتارنے والی کشتیاں جزیرہ کے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں اور فاشی جرمنوں نے ناقابل مدافعت حملہ کرکے جزیرہ پر قبضہ تہیہ کررکھا تھا مگر گرینیٹ کی چٹانیں ان کے لئے ناقابل تسخیر ثابت ہورہی تھیں اور اگرچہ وہ بار بار منظم اور مجتمع ہوکر حملے کرتے تھے لیکن انھیں اب تک کامیابی نصیب نہ ہوسکی تھی۔

وقت گذرتا گیا اور وقت کے ساتھ ساتھ گولہ بارود اور رسد کے ذخیرہ میں بھی کمی محسوس ہونے لگی اور یکے بعد دیگرے تہہ خانے خالی ہوتے گئے۔ قلعہ کا کمانڈر اور پولیٹیکل کمیسار دونوں، مذکورہ بالا اشیا کی فہرستوں کو سامنے رکھ کر بیک وقت، گھنٹوں اس لحہ بہ لحہ کم ہوتے ہوئے سامان کو زیادہ سے زیادہ عرصہ تک چلانے اور زیادہ سے زیادہ کارآمد بنانے کی مسئلہ پر غور و فکر میں مصروف رہا کرتے تھے لیکن ان کی تمام کوششوں کے باوجود منحوس اور فیصلہ کن ساعت قریب تر ہی آتی گئی۔ اور آج ــــ اس وقت وہ اس منحوس ساعت سے دوچار تھے۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" کیسارنے اس خاموشی کو توڑتے ہوئے دریافت کیا
"معاملہ ختم ہو چکا!" کمانڈر نے جواب دیا "یہ آخری گولہ تھا!"
"پھر درج کر دو!" کیسار نے استقلال کے ساتھ کہا۔
کمانڈر نے اپنا بحری روز نامچہ کھولا اور دیوار پر آویزاں گھنٹہ کی طرف دیکھ کر اس میں مندرجہ ذیل یادداشت درج کر دی۔

"آج صبح سے تمام توپیں گولہ باری کرتی رہی ہیں۔ شام کے پونے چھ بجے آخری باڑھ بھی داغ دی گئی۔ گولے ختم ہو چکے ہیں اور رسد؟ ——— وہ بھی ایک ہی دن کے لئے کفایت کر سکتی ہے۔"

اس نے روز نامچہ بند کر دیا۔ اسے ڈوری سے باندھ کر سربمہر کیا اور چند لمحوں تک اسے اس طرح ہاتھ میں اٹھائے رہنے کے بعد گویا کہ وہ اس کے وزن کا اندازہ کر رہا ہے اسے الماری میں رکھتے ہوئے کسی قدر افسردگی کے ساتھ کہا۔
"کامریڈ کیسار! اس کام سے بھی فراغت نصیب ہوئی!!"
اسی وقت دروازہ پر دستک کی آواز آئی
"آ جاؤ!" کمانڈر نے بلند آواز سے کہا۔
دروازہ کھلا اور ایک افسر جس کی موم جامہ کی بنی ہوئی برساتی پر پڑے ہوئے بارش کے قطرے چمک اور ڈھلک رہے تھے کمرہ میں داخل ہوا اور المونیم کی بنی ہوئی ایک نلکی میز پر رکھ کر فوجی طریقہ پر سیدھا کھڑا ہو گیا۔
"نلکی؟" کمانڈر نے استفہامیہ لہجہ میں کہا
"ہاں! کامریڈ کمانڈر" افسر نے جواب دیا

"یہ کیس طرح آئی ہے؟" کمانڈر نے سوال کیا۔

"اسے ایک جنگ جو جرمن ہوائی جہاز نے پھینکا ہے!" افسر نے بتایا۔

کمانڈر نے نلکی کا ڈھکنا کھولا اور اس میں اپنی دو انگلیاں ڈال کر لپٹا ہوا ایک چھوٹا سا کاغذ نکالا لیکن اسے پڑھتے ہوئے کمانڈر کی پیشانی پر شکن پڑ گئے کاغذ کے اس ٹکڑے پر چمکدار نیلی سیاسی سے جلی حروف میں لکھا ہوا تھا۔

"روسی قلعہ اور ساحلی توپ خانہ کے کمانڈر! تم چاروں طرف سے محصور ہو، تمہارے پاس گولہ بارود اور رسد موجود نہیں غیر ضروری خونریزی سے بچنے کے لیے میں تمہیں اطاعت اختیار کر لینے کا مشورہ دیتا ہوں۔ شرائط یہ ہیں کہ جزیرہ کے تمام محافظ سپاہی اور افسر جن میں کمانڈر بھی شریک سمجھا جائے گا توپ خانہ کو قابلِ استعمال حالت میں چھوڑ، غیر مسلح گرجا کے قریب واقع میدان میں جمع ہو کر خود کو ہمارے حوالہ کر دیں اس تجویز کو تسلیم کر لینے کی صورت میں وسط یورپ کے اوقات نامہ کے مطابق صبح چھ بجے ہمیں گرجا کے کلس پر ایک سفید پرچم لہراتا ہوا نظر آنا چاہیئے۔ تعمیل کی صورت میں تمہیں قتل نہ کئے جانے کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ اگر تم نے اس تجویز کو منظور نہ کیا تو موتِ یقینی ہے ——— خود کو ہمارے حوالہ کر دو۔"

ہلکے جرمن بیڑہ کمانڈر

ریر ایڈمرل وان ایورشارپ

کمانڈر نے یہ تحریر کمیسار کے حوالہ کر دی اور کمیسار نے اسے پڑھنے کے بعد اس کے لانے والے افسر سے جو ابھی بے حس و حرکت اپنی جگہ کھڑا ہوا تھا

"اچھا تم جاؤ!"

"اچھا۔۔۔۔ یہاں!! انھیں پرچم لہراتا ہوا نظر آئے گا" کمانڈر نے اپنا بڑا فوجی کوٹ پہنتے ہوئے کہا "گرجا کے کلس پر ایک بڑا پرچم! کامریڈ کیسار! تمہارا کیا خیال ہے کیا ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہوگی؟ ہمیں یہ خواہش تو پوری ہی کر دینی چاہیے" اور یہ پرچم بھی زیادہ سے زیادہ بڑا ہونا چاہیے! لیکن اس کام کے لئے وقت مل سکے گا؟"

"وقت ۔۔۔۔ وقت بہت ہے؟" کیسار نے اپنا ہیٹ تلاش کرتے ہوئے جواب دیا "تمام رات پڑی ہے اور ہم صبح ہونے سے پہلے ہی اسے مکمل کر لیں گے انھیں انتظار کی زحمت گوارا نہ کرنی پڑے گی" کام جلد ختم ہو جائے گا میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ ایک یادگار اور بہت بڑا پرچم ہوگا اور ہمارے سر فروش نوجوان اسے بر وقت تیار کر لیں گے!!

دو محب وطن' ایثار پیشہ اور بہادر ساتھی ۔۔۔۔ کیسار اور کمانڈر ۔۔۔۔ ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے اور دونوں نے ایک دوسرے کے لبوں کو بوسہ دیا۔ یہ ان کا مخلصانہ معانقہ تھا مردوں کی طرح مخلصانہ معانقہ! اور ان کے بوسہ میں جو انھوں نے روسی رواج کے مطابق زندگی میں آج پہلی بار لیا تھا اس بے غرضانہ محبت کی حلاوت محسوس ہوتی تھی جو موت اور زندگی کی قیود سے مستثنیٰ ہے۔ وقت کم تھا اور کام زیادہ اور وہ جانتے تھے کہ اس کے بعد انھیں ایک دوسرے کو 'خدا حافظ' کہنے کی مہلت بھی نہ مل سکے گی۔

کیسار' کمانڈر سے رخصت ہونے کے بعد اس بڑے کمرے میں پہنچا جہاں سپاہی کھانا کھایا کرتے تھے اور لینن کے نیم مجسمہ کو اٹھا کر سرخ پلوش کا وہ ٹکڑا نکال لیا جس پر مجسمہ رکھا ہوا تھا۔ پھر اس نے ایک اسٹول پر کھڑے ہو کر دیوار

پھاڑ دیں۔ان وہ تمام سرخ جھنڈیاں بھی اتارلیں جن پر متعدد نعرے اور
مقولے لکھے ہوئے تھے اور یہ تمام چیزیں سرخ بحریہ کے سپاہیوں کو دے دی
پرچم تیار کرنے کے لئے دے دیں جسے کل صبح چھ بجے گرجا کے کلس پر لہراتا ہوا
نظر آنا چاہیے تھا۔

قلعہ کے محافظ سپاہی رات بھر پرچم کو سینے میں مصروف رہے۔ ایک
بہت بڑے کمرے کے فرش سے بھی بڑے پرچم کو! اس پرچم کو ملاحوں کی
بڑی بڑی سوئیوں سے سیا جا رہا تھا اور دھاگے کی ضرورت کو پورا کرنے
کے لئے سینے والے اپنی گرم بنیانوں کی اون اور دوسرے کپڑوں کی
دھجیاں کام میں لا رہے تھے۔ طلوع آفتاب سے کچھ دیر پہلے یہ زبردست
پرچم تیار ہو گیا۔

اب یہ لوگ اٹھے آخری مرتبہ ہاتھ منہ دھو کر نئے بحری چوغے پہنے
اپنی رائفلوں کو گردنوں میں حمائل کیا اور جیبوں کو دستی بموں اور گولیوں سے
بھر کر یکے بعد دیگرے میدان میں آکھڑے ہوئے۔

(۱۴)

سورج نکلتے ہی وان ایورشارپ کے اردلی افسر نے اس کے حجرہ کا
دروازہ کھٹکھٹایا۔ جرمن کمانڈر نہ صرف بیدار ہی تھا بلکہ پوری وردی پہنے اپنے
جہازی بستر پر لیٹا ہوا دستک کا انتظار بھی کر رہا ہے لیکن اردلی کو اندر آجانے
کی اجازت دینے سے پہلے وہ میز کے پاس گیا اور آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ لینے
کے بعد اسے اندر بلایا۔ اردلی افسر جوش سے مغلوب تھا لیکن اس نے انتہائی
کوشش کے بعد اپنے مسرت و استعجاب کے جذبہ پر قابو پا کر سلام کے لئے

ہاتھ اٹھا ا۔

"کیا گرجا کے کلس پر پرچم لہرا رہا ہے؟" ــــ وان ایورشارپ نے اپنے خنجر کے ہاتھی دانت سے بنے ہوئے قبضہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کسی قدر تشکک لہجہ میں دریافت کیا۔

"ہاں جناب! وہ لوگ اطاعت قبول کرنے کے لئے آمادہ ہیں"، اردلی افسر نے جواب دیا۔

"خوب ــــ" وان ایورشارپ نے اپنا لہجہ بدل کر کہا "تم بہت اچھی خبر لائے ہو۔ مبارک خبر! جاؤ اب لوگوں کو عرشہ پر جمع ہونے کا حکم دو۔"

ایک ہی منٹ کے بعد وان ایورشارپ جہاز کے پل پر موجود تھا۔ صبح ہو رہی تھی موسم خزاں کی سرد رات کی صبح، جس کی برودت کو تند ہوا کے جھونکے اور بھی بڑھا دیتے ہیں، اور جرمن کمانڈر کو اس کی دوربین سے گرینیٹ کا یہ جزیرہ جو بھورے رنگ کے کریہہ المنظر سمندر میں واقع تھا افق پر ایک دھبہ کی طرح نظر آرہا تھا تند لہریں وحشیانہ یکسانیت اور تسلسل کے ساتھ ساحل کی دکیلی چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر مدوجزر کا منظر پیش کر رہی تھیں اور اس جگہ سمندر بھی گرینیٹ ہی کی ایک ناقابل پیمائش چٹان کی طرح نظر آتا تھا۔

ماہی گیروں کی بستی کے سامنے گرجا کی مختصر اور تکونی عمارت واقع تھی اور آسمان کے ابر آلود ہونے کے باوجود اس کی سیاہ اور سیدھی صلیب آسانی کے ساتھ شناخت کی جاسکتی تھی کلس کے ساتھ وابستہ ایک بہت بڑا پرچم ہوا میں لہرا رہا تھا اور صبح کی دھندلی روشنی میں بالکل سیاہ نظر آتا تھا۔

"بدنصیب ــــ!" وان ایورشارپ نے آہستہ سے کہا "اتنا بڑا سفید پرچم تیار کرنے کے لئے انھیں اپنی چادریں تک استعمال کرنی پڑی ہوں گی لیکن

اس کے علاوہ چارۂ کار ہی کیا تھا۔ اطاعت قبول کرنے میں کچھ نقصان بھی ہوا کرتے ہیں۔"

اپنی تجویز کی کامیابی پر مطمئن ہوکر وان ایورشارپ نے اپنے چھوٹے سے بیڑے کو جزیرہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ مختلف اقسام کی چھوٹی بڑی کشتیاں تیزی کے ساتھ منزلِ مقصود کی جانب روانہ ہوئیں اور اب نہ صرف جزیرہ ہی نظر کے سامنے تھا بلکہ سرخ پھریرے کے وہ مٹھی بھر سپاہی بھی جو گرجا کے قریب میدان میں مجتمع تھے دوربین سے بغیر صاف طور پر نظر آ رہے تھے اسی وقت آفتاب طلوع ہوا۔ ایک سرخ آتشیں گولہ کی طرح! سمندر اور آسمان کے درمیان معلق آفتاب کا بالائی حصہ بادل کے ایک دبیز ٹکڑے میں چھپا ہوا تھا اور زیریں نصف جزیرہ کے شکستہ اور نوکیلے ساحل سے متصل متلاطم سمندر کی لہروں پر رکھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ جزیرہ پر افسردگی چھائی ہوئی تھی اور کلس پر لہرانے والے پرچم کا رنگ سرخ نظر آ رہا تھا، تپتے ہوئے لوہے کی طرح سرخ! "واہ! واہ! کتنا خوب صورت منظر ہے" وان ایور شارپ نے اپنے قریب کھڑے ہوئے ماتحت افسر سے کہا "نکلتے ہوئے سورج کی شعاعوں نے پرچم کو سرخ بنا دیا ہے لیکن کوئی مضائقہ نہیں یہ پھر بہت جلد سفید نظر آنے لگے گا"

ہوا کے ایک جھونکے نے لہروں کو آگے بڑھا کر چٹانوں سے ٹکرایا گرینٹ کی یہ چٹانیں کانسی کے برتنوں کی طرح جھنجھنا اٹھیں اور صبح کی مرطوب ہوا کے بازوؤں پر ایک نغرئی نغمہ پرواز کرنے لگا۔ ہوا تند تر ہوگئی، دیو قامت لہریں بل کھاتی، ڈوبتی ابھرتی اور باہم ٹکراتی ہوئی آگے بڑھیں اور دور، بہت دور کسی نظر نہ آنے والی نشستہ نما چیز سے ٹکرا کر واپس لوٹنے لگیں

فضا میں توپوں کی گرج جیسا شور بلند ہوا اور لہروں کے ٹکرانے کے باعث اچھلنے والے پانی کے قطرے سورج کی شعاعوں کے رنگ میں رنگ کر فوارہ کا منظر پیش کرنے لگے

جرمن سپاہیوں کو خشکی پر اتارنے والی کشتیاں ساحل کے قریب پہنچ گئیں، سپاہی پانی میں کود پڑے اور اپنی رائفلوں کو سر سے اونچا اٹھائے پھسلتے گرتے اور گر گر کر اٹھتے ہوئے سینہ سینہ تک آنے والے کف بدوش پانی میں قلعہ کی جانب بڑھنے لگے۔ رفتہ رفتہ وہ اس چٹان کے قریب پہنچ گئے جس کے دامن میں ساحلی توپیں نصب تھیں اور اب وہ توپوں کی طرف جا رہے تھے۔

وان الیور ٹشتاپ پل کی آہنی سلاخوں کو تھامے ہوئے ابھی تک اپنی جگہ کھڑا تھا، اس کی نظر ساحل پر لگی ہوئی تھی، جزیرہ کی تسخیر کے تصور نے اسے مسحور بنا دیا تھا اور وفور مسرت سے اس کا چہرہ چمک رہا تھا

آگے بڑھو اور آگے!!" اس نے سپاہیوں کو حکم دیا۔

لیکن دفعتاً رعد آسا اور ہیبت ناک آواز بلند ہوئی اور جزیرہ گرینیٹ کا یہ جزیرہ متزلزل ہو گیا ساتھ ہی چٹان کے قریب فضا میں گرینیٹ کے بڑے بڑے ٹکڑے، انسانی نعشیں اور نعشوں کے بے ترتیب کٹے ہوئے حصے اڑتے ہوئے نظر آنے لگے، چٹانیں باہم ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں اور ان ٹکڑوں نے اپنی جگہ سے گر کر نہ صرف اس غار ہی کو چھپا دیا جہاں اب سے پہلے کار آمد مگر اب بیکار اور ناقابل استعمال ساحلی توپیں نصب تھیں بلکہ انہوں نے بلندی سے سمندر میں گر کر اسے اور بھی متلاطم بنا دیا اور اس تلاطم کے باعث جزیرہ ایک مرتبہ پھر لرزنے لگا۔

"وہ توپوں کو بیکار کر رہے ہیں" — ان ایور شارپ نے بلند آواز سے کہا "انھوں نے اطاعت قبول کرنے کی شرائط کی خلاف ورزی کی ہے!"

اسی وقت آفتاب پر بادل کا ایک ٹکڑا آ گیا جزیرہ نیز سمندر پر چھائی ہوئی سرخی زائل ہو گئی اور گرجا کے کلس پر لہرانے والے پرچم کے علاوہ گرد و پیش کا تمام منظر۔ ہر چیز۔ ایک ہی رنگ میں گرینیٹ کے ڈھنگ میں رنگ گئی وان ایور شارپ کو اپنے پاگل ہو جانے کا شبہ ہونے لگا کیونکہ علم طبیعات کے تمام اصول کے برعکس کلس پر لہرانے والا پرچم نہ صرف بدستور سرخ ہی نظر آ رہا تھا بلکہ گرینیٹ کے بھورے پس منظر نے اس کی سرخی کو اور بھی نمایاں کر دیا تھا۔ اب وان ایور شارپ پر حقیقت منکشف ہو گئی تھی اور یہ منظر کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگا تھا لیکن ...... پرچم تو کبھی بھی سفید نہیں تھا یہ سرخ تھا اور سرخ ہی پرچم نصب کیا گیا تھا مگر وان ایور شارپ اس بات کو بھول گیا تھا کہ وہ کن لوگوں کے ساتھ برسر جنگ ہے یہ اس کی نظر کا قصور نہیں تھا اور نہ آفتاب کی قرمزی شعاعوں ہی نے اسے دھوکا دیا تھا بلکہ اپنی کم فہمی کی بدولت وہ خود ہی بے وقوف بنا ہوا تھا۔ اس نے فوراً دوسرا حکم جاری کیا۔

بم بار حملہ آور اور جنگ آزما طیارے ہوا میں پرواز کرنے لگے تباہ کن تارپیڈو مارنے اور حملہ آور سپاہیوں کو خشکی پر اتارنے والی کشتیاں چاروں طرف سے جزیرہ کی طرف بڑھیں تازہ دم فاشسٹ جرمن سپاہیوں کے چھوٹے چھوٹے گروہ بھیگی ہوئی چٹانوں پر چڑھنے لگے ماہی گیروں کی بستی کی چھتوں پر چھتری بردار سپاہی اتارے گئے اور آن کی آن میں فضا دھماکوں کی گونج سے لبریز ہو گئی۔

(۴)

ان قیامت خیز لمحات میں سرخ بحریہ کے تیس سپاہی گرجا کے نیچے بنی ہوئی خندقوں اپنی رائفلوں کو چھپائے اور مشین گنوں کو ان کی جگہ پر قائم کئے ہوئے دشمن سے آخری مقابلہ کے لئے ایک مربع کی شکل میں کھڑے تھے لیکن ان ہیبت ناک اور مایوس کن لمحات میں انھیں بھولے سے بھی زندگی اور اس کی رنگینیوں کا خیال نہ آتا تھا۔ یہ سوال —— زندگی کا سوال —— تو پہلے ہی طے ہو چکا تھا وہ جانتے تھے کہ موت ان کا انتظار کر رہی ہے لیکن وہ مرتے مرتے بھی دشمن کو نقصان پہنچانے —— زیادہ سے زیادہ نقصان —— پہنچانے کے خواہش مند تھے۔ لڑائی کا مقصد بھی یہی تھا اور وہ اس مقصد کو تکمیل کی آخری حد تک پہنچا دینا چاہیئے تھے۔ لیکن مقابلہ کرنے والی طاقتیں غیر مساوی تھیں۔

گولیوں سے اکھڑ اکھڑ کر گرنے والی گرجا کی اینٹوں اور پلاسٹر کی تہوں کے درمیان کھڑے ہوئے سرخ بحریہ کے یہ مٹھی بھر سپاہی جن کے چہروں سے پسینہ اور جسموں سے خون ٹپک رہا تھا۔ یکے بعد دیگرے اپنے وطن پر قربان ہو گئے ...... ان کی نعشوں پر گرجا کے کلس سے بندھا ہوا ایک بہت بڑا سرخ پرچم لہرا رہا تھا ...... وہ سرخ پرچم جسے روسی ملاحوں نے اپنی بڑی بڑی سوئیوں اور موٹے موٹے دھاگوں سے سیا تھا اور جس کی تیاری میں ان ملاحوں سے محبت کرنے والی خواتین کے دیئے ہوئے سرخ ریشمی رومال سرخ اونی گلوبند، تمباکو رکھنے کی گلابی تھیلیاں ہلکے سرخ کمبل، بنیان، کتاب 'خانہ جنگی' کے پہلے حصہ کی جلد سے اتارا ہوا

گہرا سرخ سوتی کپڑا اور سرخ ریشم سے کشیدہ بینس اور اسٹالن کی وہ دو تصویریں جو کئی ثقافتی ٹیموں کی نوجوان خواتین نے قلعہ کے لیے بطور تحفہ پیش کی تھیں غرضکہ ہر وہ چیز جو وہاں میسر ہو سکتی تھی۔ استعمال کی گئی تھی۔

کچھ دیر تک ملاحوں کا بنایا ہوا یہ سرخ پرچم کلس کی بلندی پر منڈلاتے ہوئے بادلوں کے درمیان، لہراتا رہا اور پھر اپنے بنانے والوں کی طرح اسی جگہ جل کر راکھ ہو گیا۔ لیکن اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی نظر نہ آنے والا قوی ہیکل پرچم بردار، جنگ کے دھواں دھار میدان میں اس پرچم کو فتح و نصرت کی منزل کی طرف لے جا رہا ہے۔
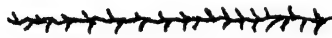
قوی بازو!

ہم روانہ ہوئے تو میرے اونٹ کی گردن دائیں اور بائیں جانب اس طرح جنبش کرنے لگی گویا کہ وہ نہایت بے تکلفی اور فیاضی کے ساتھ سلام کرتا ہوا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ میں بھی اس کی پشت پر بیٹھا ہوا بلا ارادہ گرد و پیش کے زرخیز کھیتوں، گرم اور درخشاں آفتاب، پرشور آبشاروں اور بلند پہاڑوں کو سلام کرنے میں مصروف تھا۔ ہماری دائیں جانب کوہستان تین شان کا بلند اور طویل سلسلہ پھیلا ہوا تھا جس کی نیلی نیلی برف پوش چوٹیاں سورج کی شعاعوں سے منعکس ہو کر شیشہ کی طرح جگمگا رہی تھیں ہر طرف سکوت طاری تھا لیکن افسردگی کی جھلک سے پاک سکوت! ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ بلند پہاڑ بزرگانہ سکون و متانت کے ساتھ کسی مسئلہ پر غور و فکر میں منہمک ہیں اور یہ منظر آئندہ و روند پر وجدانی کیفیت طاری کر دیتا تھا۔

دامنِ کوہ میں حدِ نظر تک گہرے سبز رنگ کی گھاس پھیلی ہوئی تھی، جگہ جگہ خودرو سیب کے درخت اپنے نظر نواز اور فرحت بخش پھلوں کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ سفید سرو کے اونچے اونچے پیڑوں کو قد کی درازی کی وجہ سے سیب کے درختوں پر فوقیت حاصل تھی لیکن کوہستان تین شان کی گہرے بھورے رنگ کی وہ چوٹیاں جو سرسبزی اور شادابی سے محروم ہیں بلندی میں سرو کے ان درختوں کو بھی شرما رہی تھیں۔

میرے ساتھی سلے جو اسی علاقہ کا باشندہ اور اس سفر میں میرا رہنما تھا۔ اپنے اونٹ کو میرے قریب لاتے ہوئے کہا۔

"یہاں شکار بہت ہے ـــــ بہت زیادہ!! جنگلی بکروں، ریچھوں اور چیتیوں سے یہ جگہ پٹی پڑی ہے اور پرند؟ یہاں ان کی بھی کمی نہیں! تیتر، بیٹر، جنگلی بطخیں، قاز، مرغابیاں، مور، چکور، غرضکہ یہاں ہر قسم کے پرند موجود ہیں لیکن ایک چور بھی ان کی تاک میں لگا ہوا ہے۔ میں نے ابھی ابھی اسے ...... ؟"

"چور!" میں نے بات کاٹ کر.... تعجب سے کہا "یہاں پہاڑوں میں چور کا کیا کام؟"

ابھی میرے ساتھی نے میری بات کا جواب بھی نہیں دیا تھا کہ ایک بڑا سا جانور گہرے سبز رنگ کی گھاس کو پامال کرتا ہوا دبے پاؤں اس طرح ایک خشک نالے کی طرف بڑھا گویا کہ وہ جھپٹ کر کسی چیز کو دبوچ لینا چاہتا ہے۔ یہ بھیڑیا تھا۔ ایک خونخوار، طاقتور اور ہیبتناک بھیڑیا! دفعتًہ نالے سے دس بارہ جنگلی بکرے برآمد ہوئے اور ایک لمحہ کے لئے بے حس و حرکت کھڑے رہنے کے بعد اپنی سفید اور گھنی دموں کو ہلاتے ہوئے سامنے نظر آنے والی پہاڑیوں کی طرف بھاگ گئے۔ اسی وقت بھیڑیا بھی نالے سے نکلا اور ایک لمحہ تک ہماری طرف اس انداز سے دیکھ کر گویا کہ اسے ہماری موجودگی سے نقصان پہنچا ہے بکروں کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔

"ہاہاہا!" میرے ساتھی نے.... فرطِ مسرت سے چلاتے ہوئے کہا اس مرتبہ تو بھیڑیا کسی بکرے کو نہیں پکڑ سکا" پھر میری طرف مخاطب ہو کر جوش کے ساتھ کہنے لگا "میں بھیڑیوں کو پسند نہیں کرتا۔ ہر جاندار کو ایمانداری کے ساتھ زندہ رہنے کا حق حاصل ہے خواہ وہ بکرا ہو یا تیتر بھیڑیئے چور ہوتے ہیں، چیتیوں کا بھی یہی حال ہے اور انسان....؟

ہائے انسان ....! آدم اور حوّا کے ان جانشینوں میں بھی ایماندار اور بے ایمان دونوں قسم کے لوگ موجود ہیں۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟
"مجھے معلوم نہیں!"...... میں نے اس کی بات کے مفہوم کو نہ سمجھتے ہوئے جواب دیا۔

مشرقی باشندوں کی طرح میرے ساتھی نے بھی مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا لیکن میری کم فہمی پر اس کی نظر سے تعجب کا اظہار ہو رہا تھا۔
"دنیا کو چوروں کے   سے پاک کر دینا چاہیئے" اس نے کہا بتاؤ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟ تم کہتے ہو کہ ان گم کردہ راہ لوگوں کو صحیح راستے پر چلانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ خوب! کیا تم بھیڑیوں کو خون آشامی سے باز رکھ سکتے ہو؟ پھر بہت سے آدمی بھی تو بھیڑئے ہی ہوتے ہیں بھیڑیوں سے بھی زیادہ خون آشام!"

"میں نے اپنے ساتھی... کی ان فلسفیانہ باتوں کا مطلب سمجھنے کے لئے غور کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔ اس کی عمر ستر سال کے قریب تھی لیکن وہ جوانوں کی طرح جم کر اپنے اونٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔

"تمھاری باتوں کا مطلب ــــــ کیا ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

"مطلب کیا ہے؟" اس نے میرے نصف جملہ کو دہراتے ہوئے کہا۔

"کیا کوئی ایماندار شخص جنگ اور خونریزی کا خواہش مند ہو سکتا ہے؟ بتاؤ ایماندار انسان کو غارتگری اور تباہ کاری سے کیا واسطہ؟ ذرا اپنے چاروں طرف نظر ڈال کر دیکھو ہمارا علاقہ کس قدر زرخیز اور قدرتی دولت سے بھرپور ہے۔ یہاں جنگلی سیب کے کتنے درخت ہیں؟ اوہ! پہاڑیاں

ان سے پٹی پڑی ہیں! پھہالدس بیری، خوبانی اور ناشپاتی کے بھی بے شمار درخت موجود ہیں اوہ، اوہ، اوہ! ذرا وادی کی طرف تو دیکھو! کیا تم ہمارے کھیتوں کی وسعت کا اندازہ کر سکتے ہو؟ ہمارے انھیں کھیتوں میں ہر چیز پیدا ہوتی ہے۔ سیب پیدا ہوتے ہیں، انگور پیدا ہوتے ہیں، ہر قسم کا غلہ پیدا ہوتا ہے انھیں کھیتوں کی بدولت ہم گایوں اور بھیڑوں کے گلوں کے مالک بنتے ہیں اور یہی کھیت ہماری ہر ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔ پھر ہمیں جنگ سے کیا تعلق اور ہم یہ مصیبت کیوں برپا کریں؟ ہمارے کرنے کے لئے کام موجود ہے بہت زیادہ کام، جسے کرنے کے بعد میں، میرا ہمسایہ اور دوسرے لوگ خوش حال اور مطمئن ہو سکتے ہیں۔ ہمیں صرف کام کرنے کی ضرورت ہے لیکن ...... چور مجھے میری تمام چیزوں سے محروم کر دینا چاہتا ہے وہ کام کرنا نہیں چاہتا ہاں! وہ کام کرنے کے لئے تیار نہیں۔ پھر کیا اس چور اور بھیڑئے میں کوئی فرق ہے اور کیا اسے بھی بھیڑئے کی طرح ہلاک نہیں کر دینا چاہیئے؟"

یہ کہتے ہوئے جوش اور غصہ کے باعث اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنکھیں انگاروں کی طرح چمکنے لگیں۔ اس نے بار بار زمین پر تھوکنا اور اپنی مادری زبان میں نہ معلوم کیا کیا کہنا شروع کیا البتہ میں اس قدر ضرور سمجھ سکا کہ وہ کبھی کبھی کتے! کتے! کہہ رہا ہے۔ مجھے اس کی اس حرکت پر ہنسی آگئی اور میں نے کہا "میں تو ابتک تمہاری کسی بات کا مطلب نہیں سمجھ سکا!"

اب میرے ساتھی کا جوش کسی قدر کم ہو گیا تھا۔ اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا "لعنت! وحشی فاشیوں پر ——— فاشی؟ ——— وہ تو بھیڑیوں سے بھی بدتر ہیں! کیا میری بات صحیح نہیں؟"

"تم ٹھیک کہتے ہو!" میں نے جواب دیا اور اشتراکی تہذیب کی اس سحر آفرینی

پر غور کرنے لگا جس نے وسط ایشیا کے ان باشندوں کے ذہن کو یکسر تبدیل کر دیا ہے

(۲)

ہم خاموشی کے ساتھ چلے جا رہے تھے کہ بہت سے تیتر، فاختی رنگ کے تیتر جن کی آنکھوں کے چاروں طرف چمکیلے سرخ پر ان کی خوبصورتی کو دوبالا کر رہے تھے ہمارے راستہ میں نمودار ہوئے اور دوسری طرف جا کر جھاڑیوں میں غائب ہو جانے سے پہلے انھوں نے مڑ کر ہماری طرف دیکھا۔ میں نے اپنی بندوق سنبھالی لیکن میرے ساتھی نے میرے بازو کو چھو کر آہستہ سے کہا۔

"ان پر گولی نہ چلاؤ۔ یہ تو کھیل رہے ہیں۔"

"کیوں؟" میں نے دریافت کیا "کیا تمھیں ان پر رحم آتا ہے؟"

"تیتر چور نہیں ہوتے" میرے ساتھی نے سنجیدگی کے ساتھ کہا "ہمیں گولی تو چوروں پر چلانی چاہیئے!" میرے پاس اس کی اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ ہم آگے بڑھ گئے۔

بھیڑوں کا ایک گلہ، فربہ اور تندرست بھیڑوں کا گلہ، نرم نرم نوخیز گھاس چرتا ہوا ایک ٹیلہ سے اترتا ہوا نظر آیا۔ بھیڑیں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کے لئے آپس میں ٹکرا ٹکرا کر سمندر کی کف بدوش لہروں کا منظر پیش کر رہی تھیں میں نے اپنے ساتھی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"یہ بھیڑیں تو جنگلی نہیں کیا میں ان کے گلہ بان سے مل سکتا ہوں؟"

"گلہ بان سے؟" میرے ساتھی نے دریافت کیا "تم گلہ بان سے ملوگے؟ لیکن یہاں کوئی مرد گلہ بان موجود نہیں ہاں! شاید یہ کام کوئی خاتون انجام دے رہی ہو۔"

"کیا یہاں عورتیں گلہ بانی کرتی ہیں؟" میں نے کسی قدر تعجب کے ساتھ سوال کیا۔
"نہیں!" میرے ساتھی نے جواب دیا "یہ کام مردوں کا ہے لیکن یہاں مرد ہیں کہاں؟ وہ تو محاذ جنگ پر فاشی بھیڑیوں کا مقابلہ کر رہے ہیں اور جس عورت کا شوہر میدان جنگ میں چلا جاتا ہے وہ اس کی جگہ خود لے لیتی ہے"

میں نے اپنے اونٹ کا رخ گلہ کی طرف پھیر دیا۔ بھیڑ کی کھال سے بنی ہوئی واسکٹ پہنے دو عورتیں گلہ کے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔ ایک عورت نے اپنے چہرہ کو ہاتھوں سے چھپا کر انگلیوں کی درازوں میں سے میری طرف دیکھا۔

"آپ کا مزاج اچھا ہے؟" میں نے اپنی ٹوپی اتارتے ہوئے روسی زبان میں کہا۔

"آپ کا مزاج اچھا ہے؟ شکریہ! بہت اچھا!" ان دونوں عورتوں نے فوراً جواب دیا اور قہقہہ مار کر ہنسنے لگیں۔ میں نے ان کے اس جواب اور بے ساختہ ہنسنے کا مطلب سمجھنے سے قاصر رہ کر اپنے ساتھی کی طرف دیکھا لیکن وہ بھی اسی طرح ہنس رہا تھا۔

"آپ کا مزاج اچھا ہے؟ شکریہ! بہت اچھا..." اس نے انھیں جملوں کو دہراتے ہوئے کہا "انھیں روسی زبان کے یہی چند الفاظ آتے ہیں"

دونوں عورتیں برابر ہنستی رہیں۔ پھر انھوں نے میری طرف اشارہ کر کے اپنی زبان میں میرے ساتھی سے گفتگو شروع کی اور میں دیکھتا رہا کہ گفتگو کرتے ہوئے ان کی بڑی بڑی بادامی آنکھیں فرطِ مسرت سے بار بار چمک اٹھتی ہیں

"یہ کیا کہہ رہی ہیں؟" میں نے اپنے ساتھی سے دریافت کیا۔

یہ آج شام کو تمہیں اپنے .... یہاں آنے کی دعوت دے رہی ہیں" اس نے
جواب دیا" یہ تمہیں اپنا معزز مہمان سمجھ کر چائے پلائیں گی۔ بہت اچھی چائے!
تمہارے لباس کو دیکھ کر یہ سمجھ گئی ہیں کہ تم سرخ فوج کے سپاہی ہو اس لئے تم
ان کے رشتہ کے بھائی ہوئے ممکن ہے کہ جنگ کے کسی میدان میں تمہاری
ملاقات ان میں سے کسی کے شوہر کے ساتھ بھی ہو جائے اس وقت تم اسے
یقین دلا سکتے ہو کہ یہاں اُس کے وطن میں، اس کی رفیقۂ حیات بھیڑوں کی
دیکھ بھال اور بھیڑیوں سے ان کی حفاظت میں مصروف ہے۔ پھر تمہیں ان
خواتین کی طرف سے یہ پیغام بھی پہنچانا ہو گا کہ گھر کی طرف سے مطمئن ہو کر انھیں
بھی پوری قوت کے ساتھ فاشیوں....... ان خون آشام بھیڑیوں کا مقابلہ
کرنا چاہیئے جو ہمیں ہمارے اطمینان، آرام اور ہماری محنت کے صلہ سے
محروم کر دینا چاہتے ہیں۔ اوہ! تم نے سن لیا کہ ہماری خواتین کیا کہتی اور کیا
چاہتی ہیں؟"

میں اونٹ کو بٹھا کر نیچے اترا اور ان عورتوں کی جانب بڑھا۔ دفعتہً انکی
ہنسی متانت میں تبدیل ہو گئی اور میں نے خیال کیا کہ میری اس حرکت نے
انھیں شرما دیا ہے مگر میرا قیاس غلط تھا وہ میری طرف نہیں بلکہ دوسری جانب
دیکھ رہی تھیں۔ اچانک ان میں سے ایک نے بلند آواز سے کہا" چیرمین!"
میں نے منہ پھیر کر دیکھا.... تو میری پشت کی طرف پہاڑیوں کے دامن میں
ایک سوار نہایت تیزی سے گھوڑا اڑاتے ہوئے ہماری جانب چلا آرہا تھا اور اسکی
نشست کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا کسی چوبی یا سنگی مجسمہ کو مرکب کے
ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے۔ گھوڑا بدستور سرپٹ دوڑ رہا تھا کہ یکایک سوار ایک
جانب جھکا۔ آن کی آن میں گھوڑا ٹھیر گیا اور وہ کود کر جلد جلد قدم اٹھاتا ہوا ہماری

طرف بڑھا لیکن یہ دیکھ کر مجھے سخت تعجب ہوا کہ وہ ایک خاتون تھی، پینتالیس اور پچاس سال کے درمیان عمر کی خاتون! جس کے چہرے کو آفتاب کی تمازت نے کسی قدر گندمی بنا دیا تھا۔ یہ خاتون میرے قریب آئی اور مجھ پر سر سے پیر تک ایک نظر ڈالنے کے بعد غصہ کے ساتھ کہا

"یہاں تمہیں شرارت کا موقعہ نہیں مل سکتا۔ کیا تم نہیں سمجھتے کہ ہمارے یہاں کی عورتیں نیک اور ایمان دار ہیں تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

میں اس غیر متوقع گفتگو سے کسی قدر پریشان ہو گیا لیکن اس خاتون نے اپنی بات کو جاری رکھا

"ان عورتوں کے شوہر میدان جنگ میں ہیں اور یہ خود . . . . . ." اچانک وہ خاموش ہو گئی اور میری طرف بغور دیکھنے کے بعد کسی قدر نرم لہجے میں دریافت کیا "کیا تم سرخ فوج کے سپاہی ہو؟"

اسی وقت میرے ساتھی نے ـــــ میرے قریب آ کر آہستہ سے کہا "یہ میریم ہے ہم جنگ ای سے ملنے کے لئے بچارہے تھے۔"

"مریم!" میں نے ان خاتون کو ـــــ مخاطب کرتے ہوئے کہا "میں تمہیں سلام کرتا ہوں۔ تمہارا خیال درست ہے اور میں تمہیں یوراز کا سلام پہنچانے کے لئے آیا ہوں۔ تمہارے لخت جگر یوراز کا سلام!"

مریم کے چہرہ کی درشتی حلم اور محبت میں بدل گئی، اس کی خوبصورت بادامی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے ٹپکنے لگے اور اس نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یوراز! میرا بیٹا!! ـــــ تم یوراز کا سلام پہنچانے کے لئے آئے ہو!!! میں اپنی بدگمانی پر شرمندہ اور معذرت خواہ ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔"

سکہتے ہوئے اس نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور اپنے گھوڑے کے قریب
لاکر مجھے اس پر سوار ہونے کے لئے مجبور کرنے لگی۔ مریم کے اصرار سے مجبور
ہوکر میں نے اس کی بات مان لی اور وہ خود میرے اونٹ پر سوار ہوکر گاؤں
کی جانب ہماری رہنمائی کرنے لگی۔

(۳)

پہاڑی کو عبور کر کے جب ہم گاؤں میں پہنچے تو مریم ہمیں اپنے مکان پر
لے گئی۔ گارے سے بنا ہوا نرسلوں کی چھت کا یہ چھوٹا سا مکان بظاہر کچھ زیادہ
آرام دہ نہ معلوم ہوتا تھا اور مکان کے باہر بھیڑیوں کا شکار کرنے والے بڑے
بڑے خوفناک کتوں کے ایک جھنڈ کو لوہے کی مضبوط زنجیروں سے بندھا ہوا
دیکھ کر مجھے مکان کی صفائی کے متعلق بھی شبہ پیدا ہو گیا تھا لیکن جب ہم مکان
میں داخل ہوئے تو وہاں کی صفائی اور حسنِ انتظام پر مجھے تعجب ہوا۔ مریم ہمیں
جس کمرہ میں لے گئی وہاں دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ وسط میں چھوٹے چھوٹے
پایوں کی ایک میز رکھی ہوئی تھی اور ایک گوشہ میں بچھے ہوئے پلنگ پر چند کمبل
اور تکئے نہایت سلیقہ کے ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ ہم قالین پر بیٹھنے لگے
تو مریم نے ہمیں دو چھوٹی چھوٹی نہایت خوب صورت اور نرم گدیاں دیں اور
میرے ساتھی نے اپنی گدی پر بیٹھتے ہوئے مجھے بتایا کہ اس علاقہ کے رواج کے
مطابق معزز مہمانوں کو گدیوں ہی پر بٹھایا جاتا ہے چنانچہ اس کی ہدایت کے
مطابق میں بھی گدی پر بیٹھ گیا۔

مریم کمرہ سے باہر چلی گئی تھی لیکن صحن سے اس کی آواز برابر آرہی تھی
غالباً اس کی ہدایت کے مطابق کھڑکی کے سامنے ہی آگ روشن کر دی گئی تھی اور

دو لڑکیاں کھانا تیار کرنے میں مصروف تھیں۔ کچھ دیر کے بعد ایک ضعیف العمر مرد اور تقریباً اسی کی ہم عمر گریستہ قد اور کسی قدر فربہ اندام عورت یکے بعد دیگرے کمرہ میں داخل ہوئے اور ہمیں سلام کرنے کے بعد میز کے قریب بیٹھ گئے لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد بوڑھے شخص نے کہنا شروع کیا۔

" یوراز ابھی پورے چھ سال کا بھی نہ ہوا تھا کہ اس کے باپ ایلدار نے اسے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پہ بٹھا کر گھوڑے کو ایک ایسا چابک رسید کیا کہ وہ پہاڑی کی ڈھلوان سطح پہ سرپٹ دوڑنے لگا ہمارے یہاں کا رواج ہی یہ ہے کہ بچہ کو چھ سال کا ہونے سے پہلے ہی شہ سوار بنا دیا جائے۔ گھوڑا سرپٹ دوڑتا اور اپنے ناتجربہ کار سوار کو گرانے کی کوشش کرتا ہوا اکف بدھوز درختوں کے اس کنج تک پہنچا جہاں میں کھڑا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ یوراز گھوڑے کی ایال پکڑے جونک کی طرح اسے چمٹا ہوا ہے میں نے اسے گھوڑے سے اتارا اور فخر کے ساتھ کہا۔

'بیٹا! تم ایک مضبوط انسان ہو گے ایک حقیقی مرد!'

جس کے جواب میں یوراز نے کہا " میں جانتا ہوں! "

" وہ بچہ اب تمہارے پاس ہے ۔ کیا اپنے متعلق اس کی رائے غلط تھی؟"

بوڑھا یہ بات کہہ کر بے ساختہ ہنسنے لگا۔ میرے ساتھی نے مجھ سے کہا کہ یہ لوگ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ محاذ جنگ پہ یوراز کا کیا حال ہے اور ایک سپاہی کی حیثیت سے وہ کیسا ثابت ہوا ہے؟

" وہ ایک مضبوط انسان ہے! ایک حقیقی مرد!! " میں نے بوڑھے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جواب دیا۔

" خوب! " بوڑھے نے اعتماد کے لہجہ میں کہا " میں جانتا تھا کہ وہ ایک

١٦٠٦٥

حقیقی مرد ثابت ہوگا"

پھر اس نے اپنے قریب ..... بیٹھی ہوئی عورت کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا "تم نے سنا؟ ہمارا یوراز ایک بہادر سپاہی ثابت ہوا ہے۔ تمہارے بیٹے اور اپنے باپ ابیلدا کی طرح بہادر سپاہی! ـــــــ ابیلدا بھی یوراز ہی کی طرح خونخوار فاشیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان جنگ میں چلا گیا ہے"

یہ کہتے کہتے بوڑھے نے قریب بیٹھی ہوئی بوڑھی عورت کی کمر میں ہاتھ ڈال کر گانا شروع کر دیا۔

"خدا نے ثابت اور اس کی نوجوان رفیقۂ حیات ایشی کو جو اب ثابت ہی کی طرح بوڑھی ہو گئی ہے ایک فرزند عطا فرمایا' ابیلدا پہاڑوں اور ڈھلوان پہاڑی میدانوں میں پرورش پانے والا فرزند!! ۔ ابیلدا جوان ہوا تو ثابت اور ایشی دونوں بوڑھے ہو گئے' اور ہماری طاقت ہمارے بیٹے ابیلدا کے جسم میں منتقل ہو گئی۔ اس تغیر سے ہم ناراض نہیں تھے بلکہ ہمیں مسرت تھی بے حد مسرت! ہم مسرور تھے کہ ہمارا بیٹا ایک قوی ہیکل جوان اور ہماری قوت و طاقت کا حامل ہے۔ پھر خدا نے ابیلدا کو بھی ایک بیٹا عنایت فرمایا۔ یوراز.... اور اے میری بوڑھی رفیقۂ حیات! ہم دونوں پھر اس بات پہ خوش ہوئے کہ اب یوراز ہماری قوت و طاقت کا حامل اور امین ہوگا اور آج' یوراز اور ابیلدا دونوں' ہمارے اور اپنے وطن کی حفاظت کا مقدس فرض انجام دے رہے ہیں اور اے میری بوڑھی رفیقۂ حیات! ہم دونوں فخر و مسرت کے ساتھ اپنا سر بلند کر سکتے ہیں"

یہ تھا ہمارے بوڑھے میزبان کے گیت کا ایک حصہ جسے ختم کر کے وہ ایک لمحہ کے لئے خاموش ہوا اور پھر ہمیں مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

"تم لوگ ہمارے مہمان ہو اور اس بڑے اور بارونق شہر سے آئے ہو جہاں دنیا کا دانشمند ترین آدمی رہتا ہے۔ یہاں سے جانے کے بعد جب تمہیں پہلی مرتبہ اس سے ملاقات کا موقعہ ملے تو تم اس سے کہنا کہ اس شہر سے بہت دور، کوہستان ٹین شان کے سایہ میں تاذقستان کی سرزمین پر ثابت بزاکا روف اور اس کی بیوی ایشی دو بوڑھے انسان رہتے ہیں۔ ان دونوں کی مجموعی عمر ایک سو نوّے سال کی ہے اور ان دونوں نے دنیا کے اس عقلمند ترین انسان کو سلام بھیجا ہے۔" —— پھر وہ دونوں کھڑے ہو گئے مجھے اپنے سینہ سے لگایا اور ایک گیت گانے لگے۔ ایک ایسا گیت جو پہاڑ کے ڈھلوان میدانوں کی طرح لا انتہا ہی معلوم ہوتا تھا۔

لڑکیاں دو بڑے بڑے پیالے لئے ہوئے کمرہ میں داخل ہوئیں اور ثابت کے گیت کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ لڑکیوں نے دونوں پیالے میز پر رکھ دئے ایک پیالہ میں بھیڑ کا ابلا ہوا گوشت تھا اور دوسرے میں روٹیاں۔ فوراً ہی مریم بھی کمرہ میں آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چوبی طشت اور اس میں بکری کا ایک سر تھا۔ اس نے طشت اور شراب سے بھری ہوئی ایک صراحی بوڑھے کے سامنے رکھ دی۔ سب لوگوں نے ہاتھ دھوئے بوڑھے نے گوشت کو ہڈیوں سے جدا کر کے اسے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹا پھر اس نے اسی طرح روٹی کے ٹکڑے کئے اور ان دونوں چیزوں کو بڑے پیالے میں ڈال کر ان میں تھوڑا سا سرکہ شامل کیا اس کے بعد اس نے بکری کا سر اٹھایا اور نہایت سنجیدگی کے ساتھ دونوں کان کاٹ کر ایک مجھے اور دوسرا میرے ساتھی کو دیا۔ میرے ساتھی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کھانا شروع کیجئے۔ بکری کے کان معزز مہمانوں کا حصہ ہوتے ہیں۔"

خود مریم ہمارے پیالوں میں شراب انڈیل رہی تھی۔ لڑکیوں نے ہمیں چمچے دیئے اور میں نے شراب کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"یہ مریم کی والدہ کا جام صحت ہے!"

سب لوگ خاموش رہے۔ لڑکیوں نے پیالے میں ڈالنے کے لئے اپنے چمچے اٹھائے لیکن بوڑھے نے میری طرف دیکھتے ہوئے اپنی زبان میں نہ معلوم کیا بات کہی اور دونوں لڑکیوں نے چمچے میز پر رکھ دیئے میرے ساتھی نے مجھے بتایا کہ اس پیالہ میں رکھے ہوئے کھانے کا نام بش بار ماک یعنی پنج انگشت ہے۔ اسے عموماً چمچوں سے کھایا جاتا ہے لیکن ایک آج تہوار ہے اور یہاں کے باشندے اس تہوار کے موقعہ پر اسے ہاتھ سے ......"

میرے ساتھی نے اپنا جملہ پورا بھی نہ کیا تھا کہ میں اس کا مطلب سمجھ گیا اور اپنا ہاتھ پیالہ کی طرف بڑھایا۔ میرے ساتھ دوسرے لوگوں نے بھی اپنے ہاتھ بڑھائے اور ہم نے ایک ساتھ کھانا شروع کیا۔ مریم میرے قریب ہی بیٹھ گئی اور آہستہ سے میرے کان میں کہا۔

"کھاؤ — تم یوراز کے دوست ہو۔ جب تم اس سے ملو تو کہدینا کہ اس کا باپ بھی محاذ جنگ پر چلا گیا ہے اور میں اس کی ماں مشترکہ زراعت کے سلسلہ میں کام کر رہی ہوں اور دیکھو!" اس نے اپنے ہاتھ دکھاتے ہوئے کہا "اگرچہ میرے یہ ہاتھ بندوق نہیں چلا سکتے لیکن مشترکہ زراعت کے سلسلہ میں کام ضرور کر سکتے ہیں ...... تم کھاتے کیوں نہیں؟ اچھی طرح کھاؤ!"

(۴)

ہم تمام دن سفر کرتے رہنے کے بعد تھک گئے تھے۔ پیٹ بھر کر کھانا

کھانے۔ نیز انگوری شراب اور بہت اچھی چائے پینے کے بعد مجھے نیند آگئی
میں کتنی دیر تک سوتا رہا؟ مجھے معلوم نہیں لیکن دفعتہً میں نے محسوس کیا کہ
کوئی شخص میرے پیروں کو جھنجھوڑ رہا ہے میری آنکھ کھل گئی اور میں نے دیکھا
کہ مریم تم میرے پاؤں کے پاس کھڑی ہے۔ مجھے بیدار پاکر اس نے کہا۔
"میرے عزیز مہمان! میرے بیٹے یوراز ہی کی طرح عزیز! تمہارے لئے
صحن میں بہت سے آدمی جمع ہیں"۔
میں فوراً اٹھ گیا اور منہ ہاتھ دھو کر صحن میں پہنچا۔
دور بہت دور!! بڑے بڑے پہاڑوں کے دھندلے سلسلے نظر
آرہے تھے۔ غروب ہونے والے آفتاب کی شعاعیں ان کی برف پوش
چوٹیوں پر لرز رہی تھیں اور شام کی بڑھتی ہوئی سیاہی میں ایسا معلوم ہوتا
تھا کہ تمام ٹیلے اور پہاڑیاں ایک بڑے پہاڑ کے ساتھ پیوستہ ہوئی جا رہی
ہیں۔ صحن میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ محنت کش، آفتاب کی تمازت کے
شکار مگر غیرت مند اور مستقل مزاج محنت کش! کچھ دیر تک وہ لوگ خاموش
کھڑے ہوئے مجھے دیکھتے رہے۔ میں خود بھی خاموش تھا۔ اچانک ایک
عورت نے بلند آواز سے کہا۔
"ہمیں یوراز کا حال بتاؤ!"۔۔۔۔۔۔ میں نے جواب دیا
"ایک روز یوراز کو حکم دیا گیا کہ وہ جرمن صفوں کے عقب میں جاکر
دشمن کے کسی آدمی کو گرفتار کرکے لائے۔ شام کو یوراز منزلِ مقصود کی طرف
روانہ ہوگیا۔ صبح کے وقت جب وہ واپس آیا تو اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ اس نے
اطلاع دی کہ گذشتہ شب کو میں دشمن کی صفیں عبور کرنے کے بعد پہرہ دار
کے قریب پہنچ گیا اور اپنی بندوق کے کندے سے اس کے سر پر ایک ضرب

لگاکر اسے اٹھالایا لیکن کچھ دور چلنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میرا قیدی مردہ ہے میری لگائی ہوئی ضرب اس قدر سخت تھی کہ اس کا آہنی خود اس کے سر میں گھس گیا تھا "۔

"تم نے اس قدر سخت ضرب کیوں لگائی تھی؟" کمانڈر نے کہا "تمہیں احتیاط سے کام لینا چاہیئے تھا!"

"میں خود اس قدر سخت ضرب نہیں لگانا چاہتا تھا" یوراز نے جواب دیا "یہ قصور میرے بازوؤں کا ہے"

"ایسی صورت میں اس کام کے لئے مجھے کسی اور شخص کو بھیجنا پڑے گا" کمانڈر نے کہا۔

"نہیں! نہیں!!" یوراز نے اظہار معذرت کرتے ہوئے جواب دیا "میں آج پھر جاؤں گا اور اپنی بندوق کے کندے پر کوئی ایسی چیز لپیٹ لوں گا جس کی وجہ سے چوٹ نہ لگے"

شام کے وقت یوراز پھر دشمن کی صفوں کی جانب روانہ ہوا اور صبح کو جب وہ واپس آیا تو ایک جرمن سپاہی کو اپنے شانہ پر اٹھائے ہوئے تھا ہمارے قریب پہنچ کر اس نے جرمن سپاہی کو زمین پر لٹا دیا لیکن وہ .... وہ مر چکا تھا۔

"یوراز! جرمن سپاہی تو مردہ ہے!!" ہم نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا یوراز حیرت زدہ ہمارے قریب کھڑا تھا۔ کچھ دیر تک اسی طرح کھڑے رہنے کے بعد اس نے کہا "لیکن .... ایسا کس طرح ہو سکتا! میں نے تو اس پر کوئی کاری ضرب نہیں لگائی اور جب میں اسے لے کر چلا تو یہ زندہ تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری گرفت کی سختی نے راستہ

میں اس کا کام تمام کر دیا ہے۔ کامریڈ کمانڈر! میرے بازو بہت قوی ہو گئے ہیں"
یوراز کے متعلق مذکورہ بالا واقعہ بیان کرنے کے بعد میں نے کہا یوراز کی طرح سرخ فوج کے ہر سپاہی کے بازو دشمن کے مقابلہ میں اسی قدر قوی ثابت ہو رہے ہیں۔ میں عنقریب محاذ جنگ پر واپس چلا جاؤں گا۔ تم لوگوں کی طرف سے میں یوراز کو کیا پیغام دوں؟

یکایک سب لوگوں نے مکے تان لئے۔ صدہا ہاتھ آسمان کی طرف بلند ہوئے اور ایک لمحہ کے توقف کے بغیر سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا

"یوراز سے کہہ دینا کہ دشمن کے مقابلہ کے لئے ہمارے بازو بھی قوی ہیں"

گریلا

ڈان دریا کے پاس، کوسک قوم کی ایک چھوٹی سی بستی میں بہت سے گریلا سپاہی، انتون ژیو تنز کو گھیرے ہوئے کھڑے تھے۔ ژیو تنز کی عمر چالیس سال سے کچھ زیادہ تھی، اس کے سر کے بال الجھے ہوئے تھے اور رخساروں پر چھوٹے چھوٹے سیاہ اور سخت بالوں کی موجودگی سے ظاہر ہوتا تھا کہ اسے کئی روز سے حجامت بنانے کا موقعہ بھی نہ مل سکا ہے۔ اس نے کھال کا ایک پرانا لبادہ پہن رکھا تھا اور اسے جسم کے ساتھ وابستہ رکھنے کے لئے کمر میں ایک رسی لپیٹ رکھی تھی لیکن وضع کی اس سادگی اور بے تکلفی کے باوجود اس کے چہرہ پر مستقل اطمینان اور سکون کے آثار نظر آرہے تھے۔ ژیو تنز اپنی ٹوپی ہاتھ میں لیئے اور زمین پر نظر جمائے لوگوں کے پے در پے سوالات کو خاموشی کے ساتھ سن رہا تھا لیکن اس کے چہرے کے تغیرات سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں کے یہ سوالات اسے سخت تکلیف پہنچا رہے ہیں۔

کچھ دیر تک اسی طرح کھڑے رہنے کے بعد ژیو تنز نے سر اٹھا کر غمناک نظر سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ غلط ہے بھائیو! — میں تمہیں یقین دلاتا ہوں یہ بات بالکل غلط ہے!!"
اس کی پرنم آنکھوں سے معلوم ہوتا تھا کہ اسے اپنے ساتھیوں کی باتوں سے صدمہ پہنچا ہے۔

"بس! بس! —" ایک طاقتور اور دراز قد کوسک نے اپنی رائفل کے

سہارے اٹھتے ہوئے تلخ لہجہ میں کہا" بس! بس!! میں کہتا ہوں کہ ہمیں تمہاری باتوں سے اطمینان نہیں ہو سکتا۔ ہم تمہیں اپنی جماعت میں شریک نہیں کر سکتے۔ تمہارے اندر استقلال موجود نہیں، تم جیسا شخص گریلا سپاہی نہیں بن سکتا۔ جاؤ اپنا راستہ لو!"

"لیکن ائیوان پٹرووچ .... یوتز نے جواب دیا" میرا راستہ تو یہی ہے۔ مجھ پر مہربانی کرو، پچھلی باتوں کو بھول جاؤ، تم مجھے مستقل مزاج شخص نہیں سمجھتے لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ میری وجہ سے تمہیں شرمندہ نہ ہونا پڑے گا!"

"تمہاری وجہ سے ہمیں شرمندہ نہ ہونا پڑے گا؟" گریلا سپاہیوں کے کمانڈر نے ایک بڑے درخت کے خمدار تنے پر سے اٹھ کر سب لوگوں پر ایک نظر ڈالنے کے بعد کہا" اچھا! ان لوگوں کو بتاؤ کہ آتش زدگی کی خدمت کے لئے بنے ہوئے مینار پر کیا واقعہ پیش آیا تھا!"

کمانڈر کی یہ بات سن کر سب لوگ ہنسنے لگے اور انتوں زیوتز کا چہرہ شرم اور ندامت سے سرخ ہو گیا۔

(۲)

بہت دنوں کی بات ہے کہ انتوں زیوتز سے ایک غلطی سرزد ہو گئی تھی اور اسی غلطی کی وجہ سے اس کے ساتھی آج اس پر اعتبار کرتے ہوئے گھبراتے تھے۔ اب سے دس سال پہلے وہ اسی گاؤں کی پنچائتی حکومت کا ایک عہدہ دار تھا اور اسے گاؤں میں بنے ہوئے اونچے مینار پر کھڑے ہو کر یہ دیکھتے رہنے کی خدمت سپرد تھی کہ اس علاقہ میں کسی جگہ آگ تو نہیں لگ گئی ہے مینار بہت اونچا تھا اور اس کی بالائی منزل میں لکڑی کا ایک جنگلہ لگا کر اس پر

سبز رنگ پھیر دیا گیا تھا۔ اس علاقہ کے لوگ اس بلند مینار کو دیکھ کر فخر محسوس کیا
کرتے تھے اور نیچے کھڑے ہو کر دیکھنے والوں کو اس مینار پر کھڑے ہوئے
شخص کی صرف ٹوپی ہی نظر آ سکتی تھی۔

جولائی کے مہینے میں ایک دن دوپہر کے وقت ٹریونز مینار پر کھڑا ہوا گاؤں
کی طرف آنے والی بیل گاڑیوں کی وجہ سے بلند ہونے والے غبار میں چھپے
ہوئے گاؤں کے مکانات اور سکون و وقار کے ساتھ بہنے والے دریا ڈان
کی طرف دیکھ رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر لیمونڈ کی بوتلوں سے بھری ہوئی ایک
گاڑی پر پڑی۔ یہ گاڑی اسی گاؤں کے ایک دوکاندار کے یہاں آ رہی تھی
بوتلوں کو دیکھ کر اسے پیاس محسوس ہونے لگی اور اگرچہ دوسرے آدمی کے
آجانے سے پہلے ٹریونز کو مینار سے اترنے کی اجازت نہیں تھی لیکن پیاس کی
شدت سے مجبور ہو کر اس نے ایک بوتل پینے کا فیصلہ کر لیا۔

ٹریونز جانتا تھا کہ نیچے کھڑے ہوئے کسی شخص کو بھی مینار پر اس کے
موجود ہونے یا نہ ہونے کا پتہ نہیں چل سکتا اور اگر وہ آنے جانے والوں
کی نظروں سے بچ کر ایک بار دوکان تک جانے اور واپس آنے میں کامیاب
ہو گیا تو کسی شخص کو بھی اس کی اس مختصر سی غیر حاضری کا علم نہ ہو سکے گا یہ سوچ
کر اس نے اپنے کوٹ کو جنگلہ کے ایک کھمبہ پر لٹکا دیا اور اس کے پاس ہی
اپنی چھتری کھڑی کر کے اس پر اپنی ٹوپی کو اس طرح رکھ دیا کہ وہ مینار کے
نیچے سڑک پر آنے جانے والے لوگوں کو آسانی کے ساتھ نظر آ سکے۔ پھر
اس نے اپنا پائپ بجھایا اور اسے کوٹ کی جیب میں ڈال کر اطمینان کے
ساتھ نیچے اتر آیا۔

خوش قسمتی سے ٹریونز کو کسی شخص نے بھی مینار سے اترتے اور دوکان

کی طرف جاتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن جب وہ پانی کی بوتل لے کر بھاگا ہوا مینار کی طرف آرہا تھا تو وہ یہ دیکھ کر بے حد خوفزدہ اور پریشان ہوا کہ مینار کی بالائی منزل سے دھواں نکل رہا ہے زیوتز پوری قوت کے ساتھ مینار کی طرف بھاگا لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے ہی دھوئیں کے ساتھ شعلے بھی بلند ہونے لگے اور گاؤں کے سب لوگ گھروں سے نکل نکل کر مینار کے پاس جمع ہوگئے زیوتز جلتے ہوئے مینار کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ علاقہ کی پنچایتی حکومت کا صدر اور دوسرے عہدیدار اس کا نام لے لے کر اسے نیچے اتر آنے کے لئے پکار رہے ہیں۔ اس نے صدر کو یہ بات بھی کہتے ہوئے سنا کہ زیوتز بہت ذمہ دار شخص ہے وہ میرے حکم کے بغیر اپنی جگہ سے نہیں ہٹے گا۔ اس کی جان بچانے کے لئے مجھے خود اوپر جانا چاہیئے۔ یہ کہہ کر صدر مینار پر چڑھنے کے لئے بڑھا ہی تھا کہ زیوتز نے بھیڑ کے پیچھے سے خوفزدہ آواز میں چلا کر کہا

"میں تو یہاں ہوں۔ آپ لوگ میری ٹوپی کو دیکھ کر یہ سمجھ رہے ہیں کہ زیوتز وہیں کھڑا ہے" اس نے ذرا رک کر کہا "میں پانی کی ایک بوتل لینے کے لئے اتر آیا تھا اور میرا خیال ہے کہ آگ میرے ہی ادھ بجھے پائپ کی وجہ سے لگی ہے۔"

سب لوگ اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اس کا فریب کھل گیا تھا اور چند ہی لمحے پہلے جو لوگ اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کر رہے تھے اب اس کی غیر ذمہ داری پر اسے مطعون کرنے میں مصروف تھے اس کی اس حرکت کے باعث اسے اس کے عہدہ سے برطرف کر دیا گیا۔ ایک ذمہ داری کی جگہ پر زیوتز ایسے غیر ذمہ دار شخص کو مقرر کرنے کے سلسلہ میں علاقہ کی پنچایتی حکومت کے صدر کو تنبیہہ کی گئی اور دوسرے لوگوں کی واقفیت اور سبق آموزی کے لئے اس واقعہ کو تمام اخبارات میں شائع کرا دیا گیا۔

اس واقعہ کے بعد کئی روز تک انتون ژیوتنز کے ساتھی اس سے ناراض رہے لیکن آہستہ آہستہ یہ ناراضگی طعن و تشنیع میں بدل گئی۔ اب ہر شخص اسے چھیڑتا تھا اور کوئی فرد بھی اس کا اعتبار نہ کرتا تھا۔ کمانڈر کی باتیں سن کر ژیوتنز خاموش ہو گیا اسے یہ واقعہ یاد تھا اور بلاشبہ اس وقت وہ اپنا فرض ادا کرنے سے قاصر رہا تھا۔ ژیوتنز کو خاموش دیکھ کر کمانڈر نے کہا۔

"یہ بات ہے! کہو ژیوتنز..... ہم لوگ تم پر کس طرح اعتبار کر سکتے ہیں؟"

"یہ بہت پرانی بات ہے" ژیوتنز نے ایسے انداز میں جواب دیا جس سے شرمندگی اور التجا ظاہر ہوتی تھی۔

"ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں....." اس مرتبہ پنچایتی حکومت کے صدر نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا" لیکن" اس نے کمانڈر کی جانب دیکھتے ہوئے اپنی بات کو جاری رکھا" اگر آپ اس شخص کی ذمہ داری لینے کے لئے تیار ہوں تو مجھے اس کی شمولیت کی اجازت دینے میں کوئی اعتراض نہ ہوگا"

گوریلا سپاہیوں کا کمانڈر صدر کی یہ بات سن کر خاموش ہو گیا اور کچھ دیر تک غور کرتے رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"اچھا! میں ژیوتنز کا ذمہ دار بنتا ہوں، ہمیں اسے شریک کر لینا چاہئے اس علاقہ میں کوئی شخص بھی اس سے زیادہ راستوں سے واقف نہیں ہمیں آج جو مہم درپیش ہے اس کے سلسلہ میں دیکھ بھال کے لئے یہ میرے ساتھ چلے گا"

(۳)

کچھ دیر تک گاؤں میں ٹھہرے رہنے کے بعد گوریلا سپاہیوں کی یہ جماعت جنگل کے قریب واقع ایک تباہ شدہ مکان کی جانب روانہ ہو گئی جہاں پہنچکر

دشمن کے پٹرول کے ایک ذخیرہ کو برباد کرنے کے معاملہ پر غور کرنے کے بعد یہ قرار پایا کہ پہلے دو آدمیوں کو جا کر اس بات کا اطمینان کر لینا چاہیئے کہ جو راستہ ایک بنگلے کے قریب سے گذر کر پٹرول کے ذخیرہ تک جاتا ہے وہ محفوظ بھی ہے یا نہیں؟ اگر وہ راستہ محفوظ ہوگا تو دیکھ بھال کرنے والے یہ دونوں آدمی واپس نہیں آئیں گے اور مقررہ وقت تک انتظار کرنے کے بعد سب لوگ پٹرول کے ذخیرہ کی طرف روانہ ہو جائیں گے لیکن اگر وہاں کسی قسم کا اندیشہ ہوگا تو یہ دونوں آدمی واپس چلے آئیں گے۔ اس قرارداد کے بعد پنچایتی حکومت کے صدر نے کمانڈر اور ژیوتنز کو جنھیں دیکھ بھال کا کام سپرد کیا گیا تھا رخصت... کرتے ہوئے کہا۔

"راستے میں آپ لوگوں کو مرتھوستنا ملے گی وہ بھی ہماری جماعت کی رکن ہے اور بنگلہ کے قریب ہی رہتی ہے... آپ لوگوں کو بہت سی مفید باتیں معلوم ہو سکیں گی"

گوریلا سپاہیوں کا کمانڈر ژنیوتنز کو ساتھ لے کر بنگلہ کی طرف روانہ ہوا اور یہ دونوں جھلسے ہوئے کھیتوں تباہ شدہ مکانوں اور زرعی مشینوں کے ٹوٹے ہوئے ڈھانچوں کے پاس سے گزر کر کچھ دیر کے بعد بنگلہ کے دروازہ پر پہنچ گئے لیکن راستہ میں انھیں مرتھوستا نظر نہ آئی۔ بنگلہ کے صدر دروازہ پر پہنچکر انھوں نے نہایت احتیاط کے ساتھ چاروں طرف نظر ڈالی اور کسی شخص کی موجودگی کی کوئی علامت نہ پاکر آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹایا اور کوئی جواب نہ پاکر اندر داخل ہو گئے مگر...... کمرہ میں ایک نعش پڑی ہوئی تھی۔ مرتھوستا کی نعش! اور یہ دونوں تین جرمن سپاہیوں کے درمیان گھرے ہوئے تھے۔ کمانڈر نے کمرہ سے نکل بھاگنے کی کوشش کی لیکن ایک جرمن

سپاہی نے اپنی رائفل کے کندے سے پیچھے دھکیل دیا۔ کیا گوریلا سپاہیوں کو پھانسنے کے لیے یہ جال نہیں بچھایا گیا تھا؟ دفعتہً گوریلا کمانڈر کے دل میں خیال آیا لیکن انہوں نے ژیونتز کے چہرہ پر خوف یا تعجب کی کوئی علامت موجود نہیں تھی۔۔ جرمن افسر نے بہت صاف روسی زبان میں کہا۔

"کیوں؟ کیا ہم نے تمہیں گرفتار نہیں کر لیا ہے؟"

کمانڈر خاموش تھا اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس کے ساتھ غداری کی گئی ہے اب اس کے ذہن میں صرف ایک ہی خیال تھا۔ اپنے ساتھیوں کو اس جال میں پھنسنے سے بچانے کا خیال! وہ سوچ رہا تھا کہ اپنے ساتھیوں کو یہاں آنے سے باز رکھنے کے لیے کیا صورت اختیار کی جائے؟

"بولو!" جرمن افسر نے مرتھوشا کے سر کو ٹھوکر مار کر ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا "کیا ہم تمہیں پھانس لینے میں کامیاب نہیں ہو گئے؟"

"نہیں حضور!" ژیونتز نے استقلال کے ساتھ جواب دیا "آپ نے ہمیں گرفتار نہیں کیا ہے بلکہ ہم لوگ اپنی مرضی سے یہاں آئے ہیں اور ہمارے آنے کا مقصد یہ ہے کہ حضور ہماری اطاعت قبول کرنے کی درخواست کو منظور فرمالیں" یہ کہتے کہتے ژیونتز جرمن افسر کے قدموں پر اتنا جھک گیا کہ اس کی پیشانی زمین سے جا لگی۔

کمانڈر کو اس کی باتیں سن کر اور اسے اس ذلت کے ساتھ جرمن افسر کے قدموں پر جھکا ہوا دیکھ کر سخت غصہ آیا اور اسے یقین ہو گیا کہ ژیونتز نے اس کے ساتھ غداری کی ہے لیکن ژیونتز نے جرمن افسر کے قدموں پر اسی طرح جھکے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"سرکار! ہمیں اس علاقہ کے گوریلا سپاہیوں نے حضور کی خدمت میں بھیجا ہے

ہمارا پورا دستہ اطاعت قبول کرنے کے لئے تیار ہے ۔ ہم لوگ یہاں حضور سے شرائط معلوم کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ ہم دونوں میں سے ایک شخص حضور کی خدمت میں رہے گا اور دوسرا گریلا سپاہیوں کے دستہ کو یہاں لانے کے لئے واپس چلا جائے گا ۔

"لیکن کمیسار کے متعلق کیا ہو گا ؟" .... جرمن افسر نے اپنا شک رفع کرنے کے لئے دریافت کیا

"ہم اسے بھی پکڑ لائیں گے!" ٹریوتنز نے فوراً جواب دیا ۔

ٹریوتنز کی درخواست کو سن کر جرمن افسر حیران رہ گیا ۔ اسے معلوم تھا کہ کوئی گریلا سپاہی سخت سے سخت حالات میں بھی اطاعت قبول نہیں کرتا اور اطاعت قبول کرنے کے مقابلہ میں جان دیدینا گریلا سپاہیوں کے لئے معمولی سی بات ہے ۔ لیکن یہاں ان کا پورا دستہ اطاعت قبول کرنے کے لئے تیار ہے اور یہ لوگ کمیسار کو بھی پکڑ لانے کا وعدہ کر رہے ہیں یہ سب کچھ فریب تو نہیں ؟ اس نے اپنے دل میں غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر یہ بات سچ ثابت ہوئی تو میرے لئے ترقی اور شہرت کا باعث ہوگی لیکن اگر اس میں کوئی حقیقت نہیں تو مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا اور کوئی شخص بھی ان حالات سے واقف نہ ہو سکے گا یہ باتیں سوچ کر اس نے کہا

"تم جھوٹ تو نہیں بول رہے ہو ؟ یاد رکھو اگر تمہاری باتیں غلط ثابت ہوئیں تو تمہارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے ۔ اچھا تم دونوں میں سے یہاں کون رہے گا ؟"

جرمن افسر کی یہ بات سن کر گریلا سپاہیوں کے کمانڈر نے آگے بڑھتے اور ٹریوتنز کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے جواب دیا۔

"میں یہاں رہوں گا اور ...." اس نے ژیو تز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "........ یہ ان لوگوں کو یہاں لائے گا۔"

"نہیں، ! جرمن افسر نے تز کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر کہا" تم یہاں ٹھہرو" پھر اس نے کمانڈر کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی بات کو جاری رکھا۔ "تم جاؤ۔ میں تمہیں آدھی رات تک واپسی کی مہلت دیتا ہوں۔ اگر اس وقت تک گوریلا سپاہیوں کا دستہ یہاں نہ پہنچا تو تم ذمہ دار ہو گے اور میں اس شخص کو جو سزا دوں گا اس کی ذمہ داری بھی تم پر ہی عائد ہو گی۔" یہ کہکر افسر کمرہ سے نکل گیا۔

جرمن افسر کے چلے جانے کے بعد گوریلا سپاہیوں کے کمانڈر نے ژیو تز کی طرف دیکھا۔ اس کی نظر سے شکر گزاری اور عقیدت ٹپک رہی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زندگی میں آج پہلی مرتبہ اسے انتوں ژیو تز کی حقیقی صحیح شخصیت اور اس کے صحیح خیالات سے واقف ہونے کا موقعہ ملا ہے۔ تھوڑی دیر تک اسی طرح کھڑا رہنے کے بعد اس نے ژیو تز کو مخاطب کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ پرخلوص اور پراثر الفاظ میں آہستہ سے کہا۔

"انتون ! ہم پھر ملیں گے !!"

"خدا حافظ !" ژیو تز نے بہت ہی آہستہ سے جواب دیا اور کمانڈر کو وہیں کھڑا چھوڑ کر جرمن سپاہیوں کے ساتھ دوسرے کمرہ میں چلا گیا۔ کمانڈر کو دروازہ بند کر دیئے جانے کی آواز آئی اور اب اس کا سرفروش ساتھی انتون ژیو تز ایک تاریک کمرہ میں تنہا رہ گیا تھا۔ کمانڈر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچنے کے لئے روانہ ہو گیا۔

(۴)

غروب ہوتے ہوئے سورج کے ساتھ ساتھ سردی بھی بڑھتی جا رہی تھی حتیٰ کہ ہر طرف تاریکی چھا گئی اور سردی کی وجہ سے ٹریونز کا سارا جسم کانپنے لگا لیکن اس کے عزم واستقلال میں فرق نہ آیا۔ بنگلہ کے چاروں طرف خاموشی طاری تھی ٹریونز اپنے جسم کو حرکت دے کر سردی کی شدت کو کم کرنے کی نیت سے کمرہ کے اندر ٹہلنے لگا وہ سوچ رہا تھا —— کیا میرے ساتھیوں کو اپنی تجویز پر عمل کرنے کا موقعہ مل جائے گا؟ بے مقصد موت بجائے خود ایک مصیبت ہوتی ہے لیکن ...
...... دفعتہً اس نے بہت دور آنے والی زبردست دھماکہ کی ایک آواز سنی وہ چونک پڑا اور دروازہ کے ایک شگاف میں سے باہر دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر باہر پھیلی ہوئی تاریکی میں اسے کچھ نظر نہ آسکا۔ وہ سوچنے لگا —— ہاں میرا مقصد پورا ہو چکا ہے اور انھوں نے اپنا کام ختم کر دیا ہے۔ اب میں اپنے معاملہ پر غور کر سکتا ہوں —— یہ سوچتے ہوئے ٹریونز بلا ارادہ گنگنانے لگا۔

ابھی ٹریونز اس چھوٹے سے کمرہ میں ٹہل رہا تھا کہ اسے کسی چیز سے ٹھوکر لگی اور اس چیز کو چھو کر دیکھنے پر اسے معلوم ہوا کہ یہ کدال سے مشابہ لوہے کا کوئی اوزار ہے۔ اس نے اس اوزار سے دیوار میں سوراخ بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن ابھی ٹریونز نے دیوار کھودنی شروع ہی کی تھی کہ ایک جرمن سپاہی کمرہ میں داخل ہوا اور اپنی رائفل کی نال کو اس کے سینہ کے قریب لا کر اسے باہر چلنے کے لئے کہا۔ دوسرے کمرہ میں جرمن افسر موجود تھا۔ یہاں ٹریونز کو ایک بینچ سے باندھ دیا گیا۔ اور افسر نے اس سے دریافت کیا کہ ابھی تک گوریلا سپاہیوں کا دستہ کیوں نہیں آیا؟ لیکن ٹریونز خاموش رہا اور جب جرمن افسر کے کئی بار دریافت

کرنے کے باوجود اسے کوئی جواب نہ مل سکا تو اس نے ایک سپاہی کو اشارہ کیا اور سپاہی نے ژیو تنز کے بازو کو اپنے گھٹنوں کے درمیان دبا کر اس کی ایک انگلی کو ایک تیز چاقو سے اس طرح کاٹنا شروع کیا جس طرح آرہ کش لکڑی کو چیرتا ہے ژیو تنز کا سارا بدن پسینہ میں شرابور ہو گیا۔ شدت کرب سے اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں لیکن وہ بدستور خاموش رہا۔

"تم کون ہو؟ کمیونسٹ!...... بالشویک! کیسار؟" جرمن افسر نے غصہ سے مغلوب ہو کر کہا

"میں؟" ژیو تنز نے انتہائی...... تکلیف کے باوجود استقلال کے ساتھ جواب دیا" میں ایک روسی ہوں اور اس سے زیادہ کچھ کہنے کے لئے تیار نہیں"

"مجھے صحیح حالات بتا دو...... تمہیں معقول انعام دیا جائے گا!" جرمن افسر نے کسی قدر نرم لہجہ میں کہا

"تمہیں مجھ پر کوئی اختیار حاصل نہیں اور میں تمہیں انسان نہیں سمجھتا" ژیو تنز نے اپنی تکلیف پر غالب آنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا اور ساتھ ہی اس نے اپنے قریب کھڑے ہوئے جرمن سپاہی کے منہ پر تھوک دیا۔

ژیوز کی گفتگو اور اس حرکت سے جرمن افسر آگ بگولا ہو گیا اور ریوالور نکال کر ژیو تنز کو اس کی گولی کا نشانہ بنانا ہی چاہتا تھا کہ دروازہ کا ایک شیشہ ٹوٹ کر گرا اور کمرہ کی سرد اور پرسکون فضا میں سنسناتی ہوئی آکر ایک گولی افسر کے سر میں لگی اور وہ دیوار سے ٹکرانے کے بعد اسی جگہ گر پڑا۔ پاس کھڑا ہوا جرمن سپاہی ابھی معاملہ کو سمجھ بھی نہ سکا تھا کہ دوسری گولی نے اس کا بھی خاتمہ کر دیا۔

اسی وقت باہر سے کسی شخص نے پکار کر دریافت کیا۔

"انتون! ژیو تنز! کیا تم زندہ ہو؟"

"ہاں!" ژیوتنز نے درد کی شدت سے بے ہوش ہو کر گرتے ہوئے جواب دیا

(۵)

انتون ژیوتنز کے استقلال، دانشمندی اور ایثار کی بدولت گریلا سپاہیوں کا یہ دستہ بغیر نقصان اٹھائے اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا اور یہاں کے تمام جرمن سپاہیوں کو ہلاک یا قید کرنے کے بعد اس نے اس تمام علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ ژیوتنز کو فوراً ایک آرام دہ جگہ پر پہنچا کر اس کی مرہم پٹی کی گئی اور جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ اس علاقہ کی پنچایتی حکومت کا صدر اس کے قریب کھڑا ہے ژیوتنز کو ہوش میں پا کر صدر نے اپنی ٹوپی اتار لی اور اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"دوست! مجھے معاف کر دو۔۔۔۔ میں بہت عرصے تمہارے متعلق اچھی رائے نہ رکھتا تھا!"

انتون ژیوتنز نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا لیکن اس کی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ پچھلی تمام باتوں کو بھول چکا ہے۔

شمال کی حسینہ

کوہستان الاتاؤ کی وادیوں میں، بجلی کی چمک اور بادلوں کی گرج نے
رات بھر ایک طوفان برپا رکھا تھا اور اب دن نکل آنے کے بعد بھی، آسمان
پر گہرے سیاہ بادل منڈلا رہے تھے —— ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ آہستہ
آہستہ پہاڑ کی چوٹی پر جمع ہو رہے ہیں۔ ان سپاہیوں کی طرح جو اپنے پیارے
وطن کی حفاظت کی نیت سے، دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے کسی مورچہ پر جمع
ہوا کرتے ہیں۔

کھڑکی کے قریب اُگے ہوئے جنگلی پودوں کے عکس سے شیشے رنگین نظر
آرہے تھے اور قریب کی گھاٹی میں تیزی سے بہنے والے پانی کی آواز دلوں پر
ہیبت طاری کر رہی تھی۔ دفعتہً بادل کڑکا اور سبز رنگ کا ایک ٹڈا —— شاید
بادل کی کڑک سے خوف زدہ ہو کر حفاظت کی غرض سے —— دروازہ
پر پڑے ہوئے لیس کے پردہ پر جا بیٹھا۔

زخمی کپتان ردنیف نے اپنا پٹیاں بندھا ہوا سر اٹھایا اور شفاخانہ
کے بستر پر ایک کہنی کے سہارے تھوڑا سا اٹھ کر لیس کے بنے ہوئے پردہ
اور ٹڈے کو مغموم نظر سے دیکھنے لگا۔

"ہاں! یہ ایشیا ہے!" ... کچھ دیر تک ان چیزوں کو دیکھتے رہنے کے
بعد اس نے آہستہ سے کہا "لیکن اس پردہ نے میرے ذہن میں اس لیس کی
یاد تازہ کر دی ہے جو شمال میں رہنے والی خواتین اپنے گھروں میں بنا کرتی

ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ پردہ بھی ناستیا جیسی کسی حسین لڑکی کی نازک انگلیوں ہی نے تیار کیا ہوگا۔"

کپتان مسکرانے لگا.... لیکن اس کی مسکراہٹ میں افسردگی کا رنگ جھلک رہا تھا۔ میں نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"یہ واقعہ لینن گراڈ کے قریب ہی توپ خانہ کے اسی دستہ میں پیش آیا تھا جو میرے ماتحت ہے........"

کپتان نے مجھے تمام واقعہ بتا دیا اور میں ان تمام لوگوں کے مطالعہ کے لئے جنھیں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں میل لمبے چوڑے سمندروں اور خشکی کے ٹکڑوں نے حائل ہو کر روس کی سرزمین سے بہت دور کر دیا ہے اسے قلمبند کرتا ہوں۔

(۲)

۱۹۱۱ء کے موسم بہار میں 'لینن گراڈ کا باشندہ' مصور بالاشوف 'شکار کھیلنے اور قدرتی مناظر کی تصویریں بنانے کی نیت سے پہلی بار روس کے شمالی علاقہ میں گیا تھا۔ وہ چھوٹا سا پرانا جہاز جس میں بالاشوف سفر کر رہا تھا چند روز کے بعد ایک چھوٹے سے خوش منظر گاؤں کے قریب پہنچا اور بالاشوف نے وہیں اتر جانے کا فیصلہ کر لیا اور گاؤں میں پہنچنے کے بعد مقامی مدرسہ کے ایک مدرس کے مکان میں ایک کمرہ کرایہ پر لے کر رہنے لگا۔ اس علاقہ کے جنگلات کا محافظ بھی اسی گاؤں میں رہا کرتا تھا اور اس کی لڑکی ناستیا اپنی خوبصورتی اور بہتر بن لیس بنانے کی وجہ سے علاقہ بھر میں مشہور تھی اور بلاشبہ اسے شمالی روس کی باشندہ خواتین کا صحیح مرقع کہا جا سکتا تھا۔

اس چھوٹے سے گاؤں کے باشندے بہت جلد بالاشوف سے واقف

ہو گئے اور اس کا بیشتر وقت ناسینا کے باپ کے ساتھ سیر و شکار میں بسر ہونے لگا۔ ایک روز یہ دونوں شکار کے لئے جا رہے تھے کہ کسی غلطی کے باعث جنگلات کے محافظ کی بندوق چل گئی۔ اور بالاشوف زخمی ہو گیا۔ اس حادثہ نے ناستیا کے باپ کو پریشان کر دیا، وہ بالاشوف کو اس کی قیام گاہ پر لے آیا اور اس کی تیمار داری ناستیا کے سپرد کی گئی۔ ناستیا نے اس سلسلہ میں جس قدر توجہ، خلوص اور انہماک کا اظہار کیا۔ اس کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ چند ہی روز کے بعد بالاشوف کا زخم مندمل ہو گیا لیکن جیسا کہ نسوانی فطرت کا تقاضا ہے۔ مجروح بالاشوف کے ساتھ اس کی ہمدردی محبت میں تبدیل ہو گئی۔ ...... حقیقی اولین محبت میں!۔ لیکن چونکہ وہ حد درجہ محتاط اور شرمیلی واقع ہوئی تھی اس لئے بالاشوف کو اس کے جذبات و احساسات کا علم نہ ہو سکا۔ بالاشوف شادی شدہ تھا اور اس کی رفیقۂ حیات لینن گراڈ میں مقیم تھی لیکن یہاں، گاؤں میں اسے کبھی اپنی ازدواجی زندگی کا حال بیان کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی حتیٰ کہ اس نے ناستیا سے بھی اس کا ذکر نہیں کیا تھا اور گاؤں کے سب لوگ اسے غیر شادی شدہ نوجوان یقین کرتے تھے

صحت یاب ہونے کے بعد بالاشوف لینن گراڈ واپس آ گیا لیکن روانگی سے پہلے وہ ناسینا کی ہمدردی اور تیمارداری کے لئے اس کا شکریہ ادا کرنے کی نیت سے بغیر اطلاع اس کے چھوٹے سے چوبی کمرہ میں گیا اور اعتراف احسان کے طور پر اسے چند تحفے بھی دئے اور ناسینا کے انفیس قبول کیا۔

بالاشوف پہلی مرتبہ اس علاقہ میں آیا تھا اور وہاں کے رسم و رواج سے بالکل ناواقف تھا۔ وہاں جب کوئی شخص بغیر اطلاع کسی لڑکی سے ملنے کے لئے جاتا ہے اور اسے تحفے دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ سمجھا

جاتا ہے کہ وہ لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کا خواہش مند ہے اور اگر لڑکی ان تحائف کو قبول کر لیتی ہے تو یہ امر اس کی منظوری پر دلالت کرتا ہے .... یہ ہے شمالی روس کی زبان محبت !

بالاشوف کے اس غیر ارادی اظہار محبت کو دیکھ کر ناستیا کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو جھلکنے لگے اس کی محبت کے رنگین خواب حقیقت میں بدلتے ہوئے نظر آرہے تھے اور وہ اپنے جسم میں سرور و بے خودی کی ایک ایسی کیفیت محسوس کر رہی تھی جو شباب محبت اور کامیابی کے امتزاج باہمی ہی سے پیدا ہوتی ہے ' اس عالم میں اس نے بالاشوف سے دریافت کیا کہ وہ لینن گراڈ سے کب واپس آئے گا اور بالاشوف نے بھی ہنستے ہوئے رسمی طور پر اسے جواب دیا کہ وہ بہت جلد واپس آجائے گا۔

(۳)

بالاشوف کی روانگی کے بعد ناستیا کے لئے ہجر و انتظار کا زمانہ شروع ہوا۔ گرمی کا زمانہ گذر گیا اور موسم خزاں کے طویل اور افسردہ کن دن آگئے لیکن بالاشوف واپس نہ آیا۔ رفتہ رفتہ ناستیا کے پرمسرت اضطراب اور رنگین توقعات کی جگہ فکر و تشویش ' افسردگی و مایوسی اور احساس شرمندگی و نامرادی نے لے لی۔ اس کے سامنے تو نہیں لیکن اس کی عدم موجودگی میں گاؤں کے سب لوگ کہا کرتے تھے کہ اس شہری نوجوان نے ناستیا کو دھوکا دیا ہے اور ناستیا لوگوں کی اس رائے سے بے خبر نہیں تھی لیکن اسے اس بات پر یقین نہ آتا تھا اور وہ سمجھتی تھی کہ بالاشوف کے واپس نہ آنے کی وجہ کچھ اور ہی ہے .... شاید اسے پھر کوئی حادثہ پیش آگیا ہے

بہار کا موسم ناستیا کے لئے عذاب جان بن گیا۔ غیر معمولی طور پر اس سال موسم بہار طویل تھا، برف پگھل رہی تھی، دریا چڑھے ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی تیز رفتاری اور وسعت میں کبھی اعتدال پیدا نہ ہوگا حتیٰ کہ جون کا مہینہ شروع ہوگیا اور اس وقت پہلا جہاز گاؤں کے قریب ہو کر گذرا

ناستیا بدستور بالاشوف کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی لیکن اب اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے باپ کو اطلاع کئے بغیر لینن گراڈ جا کر بالاشوف سے ملے گی۔ اس فیصلہ کے بعد ایک رات کو وہ خاموشی کے ساتھ اپنے گھر سے نکلی اور دو روز تک پیدل سفر کرنے کے بعد قریب کے ریلوے اسٹیشن پہ پہنچی۔ جہاں اسے اس بات کا علم ہوا کہ جرمنی نے اس کے ملک روس پر حملہ کر دیا ہے اور یہ معصوم و دل شکستہ دیہاتی لڑکی جس نے کبھی ریل گاڑی بھی نہ دیکھی تھی زندگی میں پہلی بار ایک ایسے علاقے سے گذری جس کے باشندے حملہ آور دشمن کے مقابلہ کے لئے اپنی تمام قوتوں کو مجتمع اور منظم کرنے میں مصروف تھے حتیٰ کہ وہ لینن گراڈ پہنچ گئی۔ اور... کسی نہ کسی طرح اسے بالاشوف کا مکان بھی معلوم ہوگیا۔

لینن گراڈ تک سفر کرنے سے ناستیا کا مقصد بالاشوف سے ملنا تھا۔ اس لئے وہ بلا تکلف اس کے مکان پہ پہنچی۔ مکان کا دروازہ اندر سے بند تھا ناستیا کے دستک دینے پر ایک عورت نے جو بالاشوف کی رفیقۂ حیات تھی دروازہ کھولا اب ناستیا کے سامنے پاجامہ پہنے، ہونٹوں میں سگرٹ دبائے سرخ بالوں والی ایک خوش پوشاک خاتون کھڑی تھی۔ اس خاتون نے ناستیا کو سر دمہرانہ نظر سے دیکھا اور اس کے دریافت کرنے پر اسے بتلایا کہ بالاشوف مکان پر موجود نہیں اسے فوجی خدمات انجام دینے کے لئے طلب کیا گیا ہے

اور آج کل وہ نہیں گراڈ کے قریب ہی کسی محاذ پر اپنے فرائض انجام دے رہا ہے۔ اس خاتون کی گفتگو سے تلخی اور کشیدگی ٹپک رہی تھی اور ناستیا کو دیکھ کر اسے یہ خیال ہونے لگا تھا کہیں یہ وہی حسین دیہاتی دوشیزہ تو نہیں ہے جو چند روز سے بالاشوف اور اس کے مابین کشیدگی کا موجب بنی ہوئی ہے۔

دوسری طرف اس وقت پہلی مرتبہ ناستیا پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ بالاشوف ایک شادی شدہ نوجوان ہے اس نے خیال کیا کہ اس کے محبوب بالاشوف نے نہ صرف اسے دھوکا ہی دیا ہے بلکہ اس کی محبت کا مذاق بھی اڑایا ہے، ناستیا کا دل ٹوٹ گیا اور وہ اس خاتون سے مزید گفتگو کئے بغیر ہی وہاں سے روانہ ہوگئی۔ مخلصانہ محبت کی ناکامی کے بعد انسان دل شکستگی، مایوسی اور خود فراموشی کی جن تاریکیوں میں گم ہو جاتا ہے اس وقت ناستیا بھی انہی میں گم تھی وہ لینن گراڈ ایسے عظیم الشان شہر سے گذر رہی تھی لیکن ایک نابینا انسان کی طرح شہر کو دشمن کے حملوں سے بچانے کے لئے ہر شخص جدوجہد میں مصروف تھا۔ تفریحی میدانوں میں طیارہ شکن توپیں نصب کی جا رہی تھیں اور جا بجا نصب مجسموں کی حفاظت کے لیے ریت کی بوریوں کے انبار لگے ہوئے تھے لیکن ناستیا ان تمام باتوں سے بے خبر تھی حتیٰ کہ وہ دریائے نیوا کے کنارہ پر پہنچ گئی، اس دریائے نیوا کے کنارہ پر جس کا سیاہی مائل تیز رفتار پانی گرینیٹ کی چٹانوں کے درمیان گذرتا ہوا سمندر کی طرف جا رہا تھا۔

نیوا کے کنارہ پر پہنچ کر ناستیا نے کچھ دیر تک اپنے حالات پر غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچی کہ دریا کا یہ گہرا سرد اور تیز رفتار پانی ہی اس کے زخم کو مندمل اور اس کی مصیبتوں کو ختم کر سکتا ہے۔ اس نے اپنا شال جو کبھی اس کی ماں نے اسے بطور تحفہ دیا تھا اتار کر احتیاط کے ساتھ کنارہ پر رکھ دیا، پیشانی پر بکھرے

ہوئے بالوں کو درست کیا اور دریا میں کودنے کے لئے آہنی جنگلہ پر چڑھنے لگی۔ لیکن .... کسی شخص نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

(۴)

ٹرافیموف، جو مکانات کے فرش صاف کیا کرتا تھا، ادھر سے گذر رہا تھا کہ اس نے ناستیا کو جنگلے پر چڑھتے ہوئے دیکھا اور ایک ہی لمحہ میں اسکے ارادہ کو سمجھ کر اسے اس سے باز رکھنے کے لئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"بے وقوف لڑکی ......" ٹرافیموف نے مشفقانہ انداز میں کہا "یہ تم کیا کرتی ہو؟"

ناستیا کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا وہ خاموش رہی، ٹرافیموف نے شال اس کے شانوں پر ڈال دیا اور اسے اپنے ساتھ اپنے مکان پر لے آیا۔ ٹرافیموف کی رفیقہ حیات ایک مستقل مزاج اور نیک دل خاتون تھی اس نے واماندہ اور دل تنگ ناستیا کو ہر ممکن طریقہ پر آرام پہنچایا، طویل اور خطرناک علالت کے دوران میں جو ناقابل برداشت ذہنی اذیت اور جسمانی مشقت کا لازمی نتیجہ تھی ہمدردی اور پابندی کے ساتھ اس کی تیمارداری کی اور اس طرح اس کی وحشت اور مایوسی کو جو گذشتہ حالات نے پیدا کر دی تھی بڑی حد تک دور کر دیا۔

آہستہ آہستہ خاتون ٹرافیموف نے ناستیا کو یہ بات بھی سمجھا دی کہ بالاشوف بالکل بے قصور ہے لینن گراڈ کے رہنے والوں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ شمالی خطہ کے دیہاتی رسم و رواج سے واقف ہوں گے اور یہ کہ بالاشوف سے اس قسم کی توقع کرنا اور پہلی ہی ملاقات کے بعد اسکی

محبت میں مبتلا ہو جانا ناستیا جیسی سادہ لوح دیہاتی لڑکی ہی کے لئے ممکن ہے اس طرح اس قابل اور مخلص خاتون کی بدولت نہ صرف ناستیا کو تسکین قلب ہی حاصل ہو گئی بلکہ اسے اس بات سے مسرت بھی ہوئی کہ اس کے محبوب بالاشوف نے اسے دھوکا نہیں دیا۔ اور بشرط زندگی کبھی نہ کبھی ان کی ملاقات بھی ہو سکے گی۔ چند روز کے بعد ٹرافیموف کو بھی فوجی خدمات انجام دینے کیلئے طلب کر لیا گیا۔ اور وہ ناستیا کو خاتون ٹرافیموف کی نگرانی میں چھوڑ گیا۔

صحت یاب ہو جانے کے بعد ناستیا نے محسوس کیا کہ وطن عزیز کے اس مصیبت ناک دور میں اسے بھی کچھ نہ کچھ کرنا چاہیئے چنانچہ وہ اپنی میزبان اور محسن خاتون ٹرافیموف کے مشورہ اور امداد سے ریڈ کراس کے ماتحت ایک ایسے مدرسہ میں داخل ہو گئی جہاں خواتین کو زخمیوں کی تیمار داری کی تعلیم و تربیت دی جاتی تھی۔ ناستیا پوری محنت اور توجہ سے اپنے فرائض انجام دینے لگی اور چند ہی روز کے بعد اس تربیت گاہ کے تمام استاد، مطالعہ میں اس کے انہماک اور دلچسپی نیز زخم بندی میں اس کی مہارت اور چابک دستی کو دیکھ کر اس کی تعریف کرنے پر مجبور ہو گئے ایسے تمام مواقع پر ناستیا نہایت سادگی سے صرف یہ کہہ کر خاموش ہو جایا کرتی تھی کہ میں اپنی انگلیوں سے کام لینے کی عادی ہوں۔ میں لیس بنا کرتی تھی۔

(۵)

موسم سرما شروع ہو گیا تھا، انتہائی سرد اور منجمد کر دینے والی ہوائیں چلنے لگی تھیں، زبردست توپوں کی ہولناک گرج روز بروز بڑھتی جا رہی

تھی اور اس کے ساتھ ہی فتح و نصرت کی قوی توقع میں باشندگان شہر کے عزم
و استقلال اور صبر و برداشت کی قوتوں میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ ناستیا
کی تعلیم و تربیت کا زمانہ ختم ہو چکا تھا اسے کامیابی کی سند مل چکی تھی اور اب
وہ محاذ جنگ پر بھیجے جانے کے انتظار میں اپنا وقت گذار رہی تھی۔ لیکن
سردی کی ان ٹھنڈی، طویل اور تاریک راتوں میں بالاشوف کا تصور اسے
ستایا کرتا تھا اور بعض اوقات اس کے آنسو اس کے تکیوں کو تر کر دیا کرتے
تھے۔ پھر اسے اس بات کا رنج بھی تھا کہ اس کی گمشدگی سے اس کے
بوڑھے باپ پر غم و اندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہوگا لیکن اسے مرتے دم
تک اس بات کا علم نہ ہو سکے گا کہ اس کی اکلوتی بیٹی دفعتہً کیوں کس لئے
اور کہاں چلی گئی۔

موسم بہار کے آغاز ہی میں ناستیا کو لینن گراڈ کے قریب محاذ جنگ
کے ایک حصہ میں بھیجدیا گیا۔ یہاں پہنچکر اپنے فرائض انجام دینے کے ساتھ
ساتھ اس نے بالاشوف کی تلاش بھی شروع کر دی۔ اطراف شہر کے
برباد شدہ محلات کے اجڑے ہوئے باغیچوں، خندقوں توپ خانہ کے
دستوں، جنگلوں، وادیوں چراگاہوں اور شہر کے نواحی دیہات غرضیکہ
اسے جس جگہ بھی جانے کا موقع ملتا وہ وہاں ملنے والے فوجی سپاہیوں
سے صرف ایک ہی سوال کرتی اور وہ یہ کہ کیا کوئی شخص بالاشوف سے
واقف ہے؟

ایک موقعہ پر جب کہ لڑائی بند تھی محاذ جنگ کی اولین صف میں
محض اتفاقیہ طور پر اس کی ملاقات ترانیموف سے ہو گئی اور اس نے
فوراً ہی اپنے ساتھیوں کو ناستیا کے حالات اور تلاش محبوبہ میں اسکی

جدوجہد سے آگاہ کر دیا۔

محبت انسانی زندگی کا ایک لازمی جزو ہے' ناستیا کے حالات نے فوجی سپاہیوں کے تخیلات کو متاثر کیا اور چند ہی روز میں فوجی ہدایات لے جانے والوں' فوجی لاریاں چلانے والوں' اشارات کے ذریعہ پیامات پہنچانے والوں اور ریڈ کراس کے کارکنوں کی بدولت یہ افسانۂ محبت ہر جگہ مشہور ہو گیا۔ لوگ اس کے محبوب پر رشک کرنے لگے ناستیا کی شکل وصورت اور خدوخال کے متعلق قیاس آرائیاں کی جانے لگیں اور ہر شخص اسے اپنے ہی وطن کی باشندہ قرار دے کر اسکی ذات پر فخر ومسرت کا اظہار کرنے لگا۔ یوکرین کے باشندے اس بات پر حلف اٹھانے کے لئے تیار تھے کہ ناستیا یوکرین کی رہنے والی ہے سائبیریا اور کوہستان یورال کے باشندوں کا بھی یہی خیال تھا اور بادامی آنکھوں والے قازق اس امر پر مصر تھے کہ قازقستان کے علاوہ اس قسم کی مخلصانہ محبت کرنے والی خاتون کہیں پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔

رفتہ رفتہ ناستیا کی محبت' وفاداری اور استقلال کی شہرت اس ساحلی علاقہ تک بھی پہنچی جہاں ایک توپ خانہ کے ساتھ بالاشوف اپنے فرائض انجام دے رہا تھا اور دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی محبت کے اس بے مثال واقعہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا نہ صرف اسی قدر بلکہ بعض اوقات اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس متلاشی دوشیزہ کے خوش نصیب محبوب اور خود اس کی ذات میں ایک گہری مشابہت ہے لیکن وہ حقیقت سے بے خبر تھا۔ موجودہ حالات کے ماتحت اسے یہ بات معلوم ہی نہیں ہو سکتی تھی کہ آج ہر شخص اور سب کے ساتھ وہ خود بھی جس شخص کی

خوش نصیبی پر رشک کر رہا ہے وہ اس کے علاوہ کوئی نہیں۔
بالاشوف کی زندگی ہمیشہ بے کیف رہی تھی اور شادی کے بعد بھی اسے کوئی مسرت حاصل نہ ہوسکتی تھی۔ وہ اکثر اس قسم کی محبت' والہانہ اور حقیقی محبت کے خواب دیکھا کرتا تھا لیکن اب اس کے تصورات کی یہ رنگین دنیا بھی منتشر ہوتی جا رہی تھی' اس کے بال سفید ہو چلے تھے اور اس تباہ کن اور ہلاکت خیز جنگ کے پیش نظر اسے ہی نہیں بلکہ کسی شخص کو بھی اس بات کا یقین نہیں تھا کہ وہ کب تک زندہ رہ سکے گا۔

(۶)

انجام کار ناستیا کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور اسے توپ خانہ کے اس دستے کا پتہ چل گیا جس کے ساتھ بالاشوف منسلک تھا وہ وہاں پہنچی لیکن —— اسے دیر ہو چکی تھی —— دو روز کی دیر! —— اس کے پہنچنے سے دو روز قبل بالاشوف دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے میدان جنگ میں مارا جا چکا تھا اور ساحل کے قریب ہی صنوبر کے ایک درخت کے سایہ میں اسے دفن بھی کر دیا گیا تھا۔
یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد رنیف خاموش ہو گیا لیکن چند لمحوں کے بعد میں نے دریافت کیا
"پھر کیا ہوا؟"
"پھر رنیف نے ..... میری طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا" بالاشوف کے ساتھی بپھرے ہوئے شیروں کی طرح دشمن کا مقابلہ کرتے رہے انھوں نے جرمنوں کی مدافعتی قلعہ بندیوں کے ٹکڑے اڑا دیئے' غصہ اور جذبۂ نفرت

......نے انھیں دیوانہ بنا دیا تھا اور ان کی تلواریں اس وقت تک نیام میں داخل نہیں ہوئیں جب تک انھوں نے فاشی جرمنوں کو ان کی بروشیانہ بربریت کا پورا بدلہ نہیں دے دیا اور روسی عوام کے مصیبتوں کا انتقام نہیں لے لیا۔"

"لیکن ناستیا کا حشر کیا ہوا؟" میں نے پھر سوال کیا۔

"ناستیا پوری توجہ اور خلوص کے ساتھ مجروحین کی خدمت گذاری میں مصروف ہے اور ہمارے محاذ کے اس حصہ میں اس سے بہتر کوئی نرس موجود نہیں"

رودنیف پھر خاموش ہو گیا' سیاہ بادل پھٹنے لگے تھے اور جا بجا نیلا آسمان چھوٹے چھوٹے دھبوں کی شکل میں ظاہر ہوتا جا رہا تھا موسم کے تغیر نے "ناڑسے" میں بھی زندگی کے آثار پیدا کر دیئے تھے اس نے پردے پر پھدکنا شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دریچہ کے باہر پہنچ کر نظر سے اوجھل ہو گیا۔ رودنیف نے کمرہ میں سوئے ہوئے اپنے زخمی ساتھیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا ہوا یہ لوگ آرام سے سوئے رہے اور مجھے تم سے ایک حسرتناک واقعہ بیان کرنے کا وقت مل گیا اب اس نے پہاڑوں کی طرف دیکھا ان بلند اور برف پوش پہاڑوں کی طرف جن کی بلند چوٹیوں کے عقب سے طلوع ہو کر آفتاب بادلوں کے ان گوشوں کو چمکا رہا تھا جن کے درمیان نکھرے ہوئے نیلے آسمان کے دھبے نظر آ رہے تھے۔

دریچہ کے باہر ہر چیز میں ایک نئی زندگی محسوس ہو رہی تھی اور پرندوں کی نغمہ خوانی نیز چشمہ کی روانی سامعہ نوازی کا سامان بنی ہوئی تھی۔ دفعتاً

ردنیف سے دریافت کیا۔

"کیا ان پہاڑوں کے... عقب میں ہندوستان واقع ہے؟"

"ہاں!" میں نے جواب دیا۔

"وہ خاموش ہوگیا۔ شاید کچھ سوچ رہا تھا....... کوئی اہم بات

کچھ دیر تک اسی طرح خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"کیا فتح حاصل ہونے کے بعد زندگی ایسی ہی دلکش نہ ہوگی جیسی

آج نظر آرہی ہے؟"

اُس کی محبوبہ!

لیوبا کی موجودگی میں ہم سب غیر معمولی طور پر مسرور رہا کرتے تھے خوش مزاجی اور تسکین دتسلی کے ایک زندہ مجسمہ کی طرح لیوبا اپنے نرم سلیپر پہنے ہوئے نہایت خاموشی لیکن تیز رفتاری کے ساتھ ہمارے کمرہ میں اِدھر سے اُدھر گذر جاتی تھی اور اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ انسان نہیں بلکہ طلوع ہونے والے آفتاب کی کوئی کرن ہے۔ صبح کے وقت سردی کی شدت کے باعث اس کے رخسار سرد شعلوں کی طرح سرخ نظر آتے تھے' اس کی بڑی بڑی حسین و دلکش آنکھوں میں مسکراہٹ زندگی اور دلکشی رقص کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں ورہماری قطار میں آخری بستر پر پڑا ہوا' "مانگوں" سے محروم مجرا اسے دیکھ کر کہا کرتا تھا کہ "دوشیزہ کے رخسار گلاب کے پھولوں سے بھی زیادہ حسین اور دلکش ہوتے ہیں کیوں لیو لوتسکا! تمہارا کیا خیال ہے؟" پھر وہ کسی قدر سنجیدگی سے دریافت کیا کرتا تھا۔

"کیا ہم اچھے ہو سکیں گے؟"

"ضرور! ضرور!" لیوبا اپنی صاف اور شیریں آواز میں جواب دیا کرتی تھی "آپ ضرور اچھے ہو جائیں گے"

اور اس کے ساتھ ہی وہ اپنے منہ سے نکلنے والی بھاپ سے اپنی سرد انگلیوں کو گرم کرنے کی کوشش بھی کرتی رہتی تھی۔

اکثر اوقات وہ اپنے ہاتھوں کو کمر پر رکھ کر اور کمر کو کمرہ میں بنی ہوئی بلند اور سیاہ انگیٹھی کے ساتھ لگا کر کھڑی ہو جاتی تھی ایک نازک اور حسین مجسمہ کی طرح! جس کی فرض شناسانہ متانت، بچوں کی معصومیت کی طرح دل خوش کن اور دلکش معلوم ہوتی تھی اور یہاں کھڑی ہو کر اپنے ہاتھوں کو سینکتے ہوئے وہ ایک منٹ میں ایک ہزار الفاظ کی رفتار سے تقریباً ہر معاملہ کے متعلق اپنی رائے ظاہر کیا کرتی تھی ـــــ جنگی خبرناموں، گیلی ہوئی لکڑیوں، باورچیخانہ میں پکنے والے دوپہر کے کھانوں اور ان فلموں کے متعلق جو وہ دیکھ چکی تھی ـــــ اور اس کے دلنوازانداز گفتگو کے اثر سے زخمیوں کے کراہنے کی آواز آہستہ آہستہ سکون و سکوت میں بدل جاتی تھی، چہروں سے درد و کرب کی علامات زائل ہو جاتی تھیں شفاخانہ کی بے کیف اور افسردہ کن فضا میں زندگی کی... رعنائیاں متحرک محسوس ہونے لگتی تھیں، رنج اور تکلیف کا احساس کم ہو جاتا تھا اور ہم زخمیوں کے تصوّرات و خیالات غنچوں کی طرح مسکراتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

پھر اچانک وہ اپنی لمبی حسین اور نازک انگلیوں کو یہ معلوم کرنے کے لئے کہ وہ گرم ہو گئی ہیں یا نہیں اپنی گردن پر پھیرتی تھی، اس کی پتلی اور خوبصورت ناک ایک خاص اور دلکش انداز میں حرکت کرنے لگتی تھی، اور وہ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اسے کمرہ کے کس گوشہ میں کس مریض کے پاس جانا چاہیئے ایک آزمودہ کار رکن کی طرح انگیٹھی کے قریب کھڑے کھڑے ہی پورے کمرہ پر ایک نظر ڈالنے کے بعد اپنا کام شروع کر دیتی تھی۔

وہ اپنے تمام کام بہت جلد اور احتیاط کے ساتھ انجام دیتی تھی۔ مریضوں کا سر دھوتے ہوئے ان کے بستر اور تکیوں پر پانی کا ایک قطرہ بھی نہ گرنے دیتی

دیتی تھی۔ جو لوگ لکھنے پڑھنے سے معذور تھے ان کے خط لکھتی تھی جب کسی مریض کی حالت خراب ہوتی تو وہ فوراً ڈاکٹر کو اطلاع دے کر اسے بلا لاتی، دم توڑتے ہوئے مجروحین کو صحت یاب دیکھنے کے لئے صبر و استقلال اور جفاکشی کے ساتھ ان کی خدمت کرتی۔ بے چین مریضوں کو پُرسکون بنا سکنے کے لئے انھیں ہر طریقہ پہ آرام پہنچاتی اور اس کی ہمدردی، خدمت گزاری خوش مزاجی تسکین دہی اور ہمت افزائی کی بدولت ایسے مریض بسا اوقات گہری نیند سو جاتے۔

ہم سب اسے پسند ہی نہیں بلکہ شاید اس سے محبت بھی کرتے تھے لیکن ہمارے دل رشک رقابت کے جذبہ سے پاک تھے۔ کبھی کبھی ہمارے قریب سے گذرتے ہوئے جب لیوبا کسی شخص کے پاس بیٹھ کر اولڈ میڈ (تاش کا ایک کھیل) کھیلتی تھی تو ہم لوگ سمجھ جاتے تھے کہ آج اس شخص کی طبیعت زیادہ خراب ہے اور ہمارے مقابلہ میں وہ لیوبا کی توجہ کا زیادہ مستحق ہے۔

(۲)

مذکورہ بالا اصول کے ماتحت آج لیوبا کے ساتھ تاش کھیلنے کا مستحق میں تھا۔ مجھے رات بھر نیند نہ آسکی تھی۔ چند ایسے معاملات نے جن کا اس کہانی سے کوئی تعلق نہیں مجھے پریشان کر رکھا تھا اور صبح کے وقت جب لیوبا نے آکر حسب معمول میری مزاج پرسی کی تو میں مسکرانے کی بجائے مسکراہٹ سے مشابہ مضحکہ خیز شکل بنا کر رہ گیا۔ لیکن کیا یہ امر متعجب خیز نہیں کہ یہ نوجوان خاتون جسے بچپن کی منزل طے کئے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا دوسروں کی قلبی بے چینیوں کو فوراً سمجھ جاتی تھی؟ اس نے ایک لمحہ کے لئے

میری طرف دیکھا اور دوسرے مریضوں کو دیکھنے کے لئے آگے بڑھ گئی لیکن ...... کچھ دیر کے بعد اپنا کام ختم کر کے تاش کی گڈی ہاتھ میں لئے وہ میرے بستر کی طرف آ رہی تھی مگر ......؟

آج ہم نے تاش نہیں کھیلا' لیوبا مغموم تھی' اس کے گلاب جیسے رخساروں کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا اس کی دلکش آنکھوں میں افسردگی جھلک رہی تھی اور اس وقت وہ مجھے نوعمر لیوبا نہیں بلکہ ایک سن رسیدہ خاتون نظر آ رہی تھی تاش میز پر رکھا تھا' سفید میز پوش پر حکم کا دہلا' غم و افسوس کا مظہر حکم کا دہلا علیحدہ پڑا تھا اور ہم خاموش' بالکل خاموش ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آخر کار میں نے ہی گفتگو شروع کی اور لیوبا نے میرے سوال کے جواب میں بیان کیا۔

"میرا شوہر ٹینک کور میں کپتان ہے اور اس کی ہمت وجرات کے صلہ میں اسے ایک تمغہ بھی مل چکا ہے لیکن اب اس کا کوئی پتہ نہیں ملتا۔ میں ایک ماہ سے اسے تلاش کر رہی ہوں لیکن میری جدوجہد اب تک بے سود ثابت ہوئی ......" وہ خاموش ہو گئی۔

"میں اس انکشاف سے حیران رہ گیا .... ایک ماہ سے یہ نوجوان خاتون اپنے شوہر کی تلاش میں مصروف ہے! اس عرصہ میں اپنی دلنواز ادا اور روح پرور مسکراہٹوں سے یہ ہمارے رنج ہماری تکلیفوں اور ہمارے دکھوں کو بہلا دینے کی کوشش کرتی رہی کامیاب کوشش! حالانکہ خود اس کی روح مغموم تھی اور اس کا دل مایوسی اور ناکامی کے نشتروں کا آماجگاہ بنا ہوا تھا: دل پھر وہ مسرت بے فکری اور زندگی کے ایک زندہ مجسمہ کی طرح ہمارے درمیان پھرتی رہتی تھی حالانکہ اس کی راتیں روتے

ہوئے بسر ہوتے تھیں آہستہ آہستہ روتے ہوئے تاکہ اس کے دوستوں کو اس کے مصیبت کا علم نہ ہو سکے .... لیوبا کی آواز نے مجھے چونکا دیا وہ کہہ رہی تھی۔

"کل میں رخصت لے کر اپنے شوہر کے ایک گہرے دوست سے ملی تھی وہ بھی ہانک کوریلیں ایک ممتاز عہدہ پر مامور ہے اپنے شوہر کے متعلق میرے دریافت کرنے پر اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے دباتے ہوئے کہا۔

"بہن لیوبا! میں.. میں تمہیں غلط فہمی میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا۔ پاول کا دستہ دشمن کے مقبوضہ علاقہ میں محصور ہو گیا تھا۔ خوش قسمتی سے اسکے دوسرے ساتھی نرغہ سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے لیکن پاول وہیں رہ گیا" اس نے مجھے خاموش رکھنے کے لئے میرے ہاتھ کو زیادہ زور سے دبایا اور مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا" لیوبا! رونے سے کوئی فائدہ نہیں ہمت اور استقلال سے کام لو۔ اس کی واپسی ناممکن نہیں۔ تمہیں انتظار کرنا چاہئے اس میں شبہ نہیں کہ انتظار بھی ایک کام ہے ایک فن! میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب انتظار کی ضرورت باقی نہ رہے گی تو میں تمہیں بتا دوں گا"

لیوبا اپنی بات ختم کر چکی تھی لیکن میں حیرت سے اس کا منہ تک رہا تھا اور اس امر پہ غور کر رہا تھا کہ اس نوجوان خاتون میں صبر و برداشت کی جو قوت اور اخلاق کی جو بلندی ودیعت کی گئی تھی کیا مجھ میں بھی وہی بلندی موجود ہے۔ اس کے غم انگیز حالات کے سامنے مجھے اپنی مصیبتیں بے حقیقت نظر آنے لگیں اور میں نے محسوس کیا کہ میرے مردانہ مگر خود غرض پسماندہ اور پست خیال قلب میں وہ وسعت موجود نہیں جس کا مظاہرہ

اس خاتون نے کیا ہے اور میرے پاس تسکین و تشفی کے ان الفاظ کا فقدان ہے جو وہ بے اندازہ فراوانی اور بے نیازی کے ساتھ ہم سب کے لئے استعمال کرتی رہی ہے۔

دفعتہً ہماری قطار میں آخری بستر پر پڑا ہوا مجروح ہے لگا اسے یہ اذیت دہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اس کی مقطوع ٹانگوں کے زخمی حصوں میں درد شروع ہو گیا ہے لیو با اپنی جگہ سے اچھل پڑی اور جھپٹ کر اس کے بستر کے قریب جا پہنچی۔ اب اس کی آنکھوں میں وہی چمک اور حیات و انبساط کی وہی جھلک موجود تھی اور دوسروں کی اذیت تکلیف اور مصیبت کے پیش نظر وہ اپنے زخم اپنی روح پر لگے ہوئے زخم کی اذیت اور دل پر ابھرے ہوئے چھالوں کی سوزش کو بھولی ہوئی معلوم ہوتی تھی لیکن اس کی باتوں سے تسکین اور اس کی خدمت گزاری سے آرام پانے والے کسی شخص کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ اس کے نازک و ناتواں شانوں پر رنج و غم کا کتنا بڑا بوجھ رکھا ہوا ہے۔

(۳)

اس واقعہ کے کچھ دن بعد چند روز کے لئے مجھے دوسرے شفاخانہ میں منتقل کر دیا گیا اور ایک ہی ہفتہ کے بعد جب میں پھر اپنی پہلی جگہ واپس آیا تو میرے بہت سے ساتھی وہاں موجود نہیں تھے اور ان کی جگہ نئے مجروحین نے لے لی تھی۔ میں نے دیکھا کہ میرے قریب کے بستر پر پٹیوں میں لپٹا ایک انسانی ڈھانچہ بے حس و حرکت پڑا ہوا ہے۔

یہ انسانی ڈھانچہ جس میں ہنوز زندگی کی حرارت باقی تھی ایک ٹنک

چلانے والے شخص کا تھا لیکن اس کا سینہ اور چہرہ دونوں جل گئے تھے ــــ بال، بھویں، پلکیں اور کھال غرضکہ چہرہ کی ہر وہ چیز جل چکی تھی جو جل سکتی تھی ــــ سفید اور باریک پٹیوں میں سے دھوپ سے محفوظ رکھنے والے سیاہ چشمہ کے شیشے ڈراونے انداز میں جھانکتے ہوئے معلوم ہوتے تھے معجزانہ طریقہ پر اس شخص کی پتلیاں جلنے سے بچ گئی تھیں اور یہ چشمہ انھیں روشنی سے محفوظ رکھنے نیز پتلیوں کے ساتھ مس ہونے سے بچانے کے لیے لگایا گیا تھا۔ چشمہ کے نیچے پٹیوں کے درمیان نہایت ہوشیاری کے ساتھ ایک چھوٹا سا شگاف چھوڑ دیا گیا تھا اور اسی شگاف کی راہ سے اس کی گفتگو، ایک انسان کے خیالات و احساسات کی ترجمان گفتگو سنی جا سکتی تھی۔

یہ شخص دل خراش اور مسلسل کرب کا مقابلہ کر رہا تھا، پٹیاں تبدیل کرنے کے وقت اسے شدید اذیت ہوتی تھی لیکن وہ زندہ رہنا چاہتا تھا، زندہ رہنا اور میدانِ جنگ پر واپس جانا اور اس کے جھلسے ہوئے ہونٹوں سے جو ناقابلِ فہم اور دھیمی آوازیں برآمد ہوتی تھیں ان سے اس کا یہی جذبہ مترشح ہوتا تھا۔ وہ گفتگو کرنے کا بہت زیادہ خواہش مند تھا اور اپنی موجودہ تاریک اور تنہا زندگی میں اس کی سب سے زبردست اور نمایاں خواہش یہ تھی کہ اسے کوئی ایسا ساتھی مل جائے جو اس کے ساتھ محبت کرتا ہو، مخلصانہ اور بے غرضانہ محبت! ــ

پٹیوں میں لپٹے ہوئے اس ڈھانچہ کے منہ سے برآمد ہونے والے الفاظ اگرچہ نہایت عجیب اور شکستہ ہوتے تھے لیکن رفتہ رفتہ میں انھیں سمجھنے کی مشق ہوتی [illegible] الفاظ میں مردانہ

جماعت، دشمن سے نفرت، فتح حاصل کرنے کی تمنا اور توقع، میدانِ جنگ کے ہولناک حالات اور شور و شغب، وطن عزیز کی مدافعت کے لیے موت سے بے پرواہی، جوانی کے رنگین تصورات، امید اور ناامیدی غرضیکہ ایسی ہر بات کا تذکرہ موجود تھا جو ایک بائیس سالہ نوجوان تنہائی کے عذاب سے امون و محفوظ رہنے کے لئے اپنے کسی دوست کے روبرو بیان کرسکتا ہے۔ دوست کے روبرو! — ایک ہی رات میں ہم ایک دوسرے کے گہرے دوست بن گئے تھے۔ ایسے گہرے دوست جن کی صحبت اور دوستی کی بنیاد میدان جنگ یا بستر علالت میں قائم اور استوار ہونے کی بدولت کبھی تنزلزل نہیں ہوتی۔

ابھی اجالا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔ ہر شخص گہری نیند سو رہا تھا لیکن ان قوی ہیکل سپاہیوں کے خراٹوں کے مابین جنھیں جنگ کے خون آشام اور بے رحم ناآشنا شیاطین نے کچل ڈالا تھا کبھی کبھی میرے دوست کے کراہنے کی دھیمی سی آواز بھی آجاتی تھی ایسے مواقع پر لیوبا ایک سفید سایہ کی طرح آہستہ آہستہ مریض کے قریب پہنچ جانے کی عادی تھی اور چونکہ اس وقت میں نے کسی کو اس جانب آتے ہوئے نہیں دیکھا اس لئے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ لیوبا ڈیوٹی پر نہیں ہے اور اس کی جگہ شاید فین یا کام کر رہی ہے۔ فین یا جو سادہ مزاج اور کسی قدر سن رسیدہ خاتون تھی اور بہت جلد تھک کر انگیٹھی کے قریب رکھی ہوئی کرسی پر سو جانے کی عادی تھی۔ میں سگرٹ پینے کے لئے باہر جانے کی نیت سے اٹھ کھڑا ہوا اور میرے چلنے کی آہٹ پا کر میرے دوست نے پینے کے لئے پانی مانگا۔ اس خیال سے کہ کہیں مجھ ایسے ناتجربہ کار شخص کے پانی

پلانے سے اسے کوئی تکلیف نہ ہو میں نے نرس کو بیدار کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس نے مجھے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ نرس کو بیدار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے نہایت احتیاط کے ساتھ پٹیوں کے درمیان بنے ہوئے شگاف میں ایک نلکی کے ذریعہ تھوڑا سا پانی ڈالا لیکن تمام پٹیاں بھیگ گئیں "معاف کیجئے!" میں نے شرمندہ ہو کر معذرت خواہی کے انداز میں کہا میری وجہ سے آپ کو تکلیف پہنچی!"

"نہیں! کوئی بات نہیں!" اس نے آہستہ سے کہا اور ہنسنے لگا یا کم از کم میں نے ایسا محسوس کیا کہ وہ ہنس رہا ہے۔ "پانی پلانا تو صرف وہی جانتی ہے .... تم سمجھ بھی نہیں سکتے کہ تمہیں پانی پلایا جا رہا ہے یا تم خود اپنے ہونٹوں سے پی رہے ہو!"

"وہ کون؟" میں نے دریافت کیا۔

"میری محبوبہ!" اس نے فوراً جواب دیا ...... اور اس کے بعد اس نے جو کچھ بیان کیا میں اسے محبت کی ایک غیر معمولی اور بے مثال کہانی سمجھتا ہوں۔

(۴)

وہ ایک خاتون سے محبت کرنے لگا تھا۔ ایک ایسی خاتون سے جسے اس نے دیکھا نہیں تھا اور اس کے خیال کے مطابق وہ اسے کبھی دیکھ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے اپنی اس نادیدہ محبوبہ کا نام "تینکا" رکھ دیا تھا۔ تینکا جو اظہار محبت کے لئے روسی زبان کا ایک لفظ ہے۔ پہلی ہی ملاقات کے موقعہ پر اس نے اس خاتون کے دل میں ایک خاص قسم

کی گرم جوشی اور خلوص محسوس کیا تھا اور اسے دتشینکا کے نام سے پکارنا شروع کر دیا تھا اور چونکہ اس کے جلے ہوئے ہونٹوں سے اس خاتون کا صحیح نام نہیں نکل سکتا تھا اس لیئے وہ اسے دتشینکا ہی کہہ کر پکارتے رہنا چاہتا تھا۔ میں نے اس کی باتیں سن کر یہ رائے قائم کی کہ دراصل اس کی محبوبہ لیوبا ہے اور چونکہ اس کے زخمی ہونٹ حرف ب کو ادا نہیں کر سکتے اس لیئے جب کبھی وہ اس کا صحیح نام لے گا تو لیوبا کی بجائے لیوشا کہے گا اور ہم لوگ اس کی اس غیر ارادی ترمیم سے کس قدر لطف اندوز ہوں گے!

میرا دوست اپنی محبوبہ کے متعلق جس انداز میں گفتگو کر رہا تھا اس سے خلوص یقین فخر اور جوش ایسے جذبات مترشح تھے۔ اس نے مجھے اپنی محبوبہ کی خیالی تصویر کے خدوخال کی تفصیل سنائی — دلکش چہرہ گلاب جیسے رنگین نرم اور نازک رخسار بڑی بڑی صاف اور حسین آنکھیں جنکے حسن کو لمبی لمبی سیاہ پلکوں نے دوبالا کر دیا تھا۔ زندگی بخش تبسم اور لمبے لمبے سیاہ اور گھنے بال جن کا بکھرنا بھی ایک حسن ہے۔ چشم محبت کی بدولت تیار کی ہوئی حسن کی اس خیالی تصویر کے خدوخال سے آگاہ ہو کر میں حیران رہ گیا۔ یہ خیالی تصویر کس قدر حسین اور دلنواز تھی! — اس نے بہت آہستہ سے کہا۔

"میں اس کے بالوں کی نرمی اور خوبصورتی سے واقف ہوں۔ وہ اس کی ٹوپی سے باہر نکلے رہتے ہیں۔ ایک تھرمامیٹر کا کیس میز کے پیچھے گر گیا تھا اور اسے تلاش کرتے ہوئے مجھے اس کے بالوں کو چھونے کا موقعہ مل گیا تھا۔ اس کے ہاتھ بھی نہایت نازک اور متناسب ہیں۔ میں انھیں اپنے ہاتھوں میں لیئے گھنٹوں اسے اپنے حالات بچپن کے واقعات

ائی کی ہولناک کہانیاں، ٹینک پھٹنے کے حادثہ کی تفصیلات اور ان مشکلوں اور اندیشوں کا ذکر کیا کرتا ہوں جن سے مجھ ایسے مجروح و مفلوج اور بے یار و مددگار انسان کا دو چار ہونا یقینی امر ہے"

اس نے مجھے بتایا کہ وہ کس طرح اسے تسلی دیا کرتی ہے اور ہمدردی اور ہمت افزائی کے وہ الفاظ بھی دہرائے جو ایسے مواقع پر اس کی محبوبہ استعمال کیا کرتی تھی اس نے کہا۔

"اسے کامل ہے ..... کہ میری بینائی واپس آجائے گی، میں زندہ رہونگا اور فاشی جرمنوں کے مقابلہ کے لئے پھر میدان جنگ میں جا سکوں گا"

اس وقت میں لیوبا کا تصور کر رہا تھا اور مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہ الفاظ لیوبا ہی کی زبان سے نکل رہے ہیں ۔ اچانک میرے دوست کی آواز اور بھی دھیمی ہو گئی اور اس نے بہت ہی آہستہ سے کہا۔

کل کا دن میرے لئے فیصلہ کن دن ہے۔ ڈاکٹر نے مجھے بتایا کہ کل میرا چشمہ اتار دیا جائے گا اور شاید میں دیکھ بھی سکوں گا لیکن میں نے یہ بات دنسینکا کو نہیں بتائی کیونکہ اگر میری بینائی واپس نہ آئی تو کیا ہوگا اس کی توقع مایوسی میں بدل جائے گی اور اسے رنج ہوگا اور میں اسے رنج پہنچانا نہیں چاہتا۔ رہا میں! تو میرے لئے بینا ہو جانے یا نابینا رہنے میں کوئی فرق نہیں۔ میں تو نابینا رہنے ہوئے بھی اسے پہنچانتا ہوں حسن و رعنائی کے اس مجسمہ کی ہر نازک تفصیل سے واقف ہوں اور جانتا ہوں وہ حسن مجسم ہے اور اس کی آنکھوں میں محبت کی بے چین آرزو جھلک رہی ہے" وہ خاموش ہو گیا۔ شاید دم لینے کے لئے! میں بھی خاموش تھا۔ میری آنکھوں کے روبرو لیوبا کی تصویر موجود

تھی اور مجھے یقین تھا کہ ان سب تعریفوں بلکہ ان سے بھی کہیں زیادہ ... تعریفوں کی مستحق صرف وہی ہے۔ میرے دوست نے پھر کہنا شروع کیا۔ "ایک بات اور بھی ہے! اس نے مجھے بتایا ہے کہ مجھ پر ایک بہت ہی نازک اور خطرناک عمل جراحی کیا جائے گا جس کی کامیابی کی صورت میں بھویں اور پلکیں نمودار ہونے کے علاوہ میرے چہرہ پہ نئی کھال بھی آجائے گی نئی اور گلابی کھال! میں جانتا ہوں کہ ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے مجھے کرب و اذیت کی شکل میں کیا قیمت ادا کرنی پڑیگی لیکن میں اس کے لئے اس کی رضا جوئی کے لئے کیا کچھ نہیں کر سکتا؟"

میرے دوست کو اپنی محبوبہ کی ذات پر فخر تھا۔ اس کی معلومات اور بیان کے مطابق اس کا شوہر کچھ عرصہ قبل میدان جنگ میں کام آچکا تھا۔ اب وہ اکیلی رہ گئی تھی۔ خود اس کی طرح اکیلی! لیکن وہ اسے اپنے سے بھی زیادہ بدنصیب تصور کرتا تھا۔ کیونکہ اس کا تو صرف چہرہ ہی جلا تھا لیکن اس کی محبوبہ اپنے عزیز شوہر سے محروم ہوگئی تھی۔ رات کے وقت جب سب لوگ سو جاتے تھے وہ دونوں باتیں کرنے میں مصروف رہتے تھے اور انھیں ایک دوسرے کے متعلق وہ تمام باتیں معلوم ہوگئی تھیں۔ جن کا علم دونوں کے لئے ضروری تھا اور اس طرح شفاخانہ کے اس حصہ میں جہاں ہر وقت موت منڈلاتی رہتی تھی اب محبت کا پودا بھی پڑنے لگا تھا۔

اس مجروح نوجوان کے بیان کے مطابق چند روز قبل وہ خودکشی پر آمادہ تھا وہ سوچتا تھا کہ مفلوج اور معذور ہو کر زندہ رہنے سے کیا فائدہ! لیکن اب حالات بدل گئے تھے۔ زندہ رہنے کی وہ خواہش

جو محبت کی بدولت پیدا ہوئی تھی اس سے پہلے ارادہ پر غالب آچکی تھی اب وہ زندہ رہنا چاہتا تھا مستقبل کی خوشگوار توقعات کی بنا پر زندہ رہنا! وہ اپنی صحت و قوت بحال کرنے زندگی کی برکتوں سے بہرہ اندوز ہونے اور دشمن سے اپنی اور اپنی قوم کی مصیبتوں کا انتقام لینے کے لئے زندہ رہنے کا خواہش مند تھا۔

"اس نے مجھ سے کہا ہے۔ کہ تمہارا چہرہ درست ہو یا نہ ہو مجھے اس سے کوئی غرض نہیں، میں تمہارے چہرہ سے نہیں بلکہ تم سے محبت کرتی ہوں۔ تم سے!" یہ کہتے ہوئے شاید وہ رونے لگا تھا۔ کیونکہ میں نے دیکھا کہ اس کا سینہ جو محبت سے لبریز تھا اکھڑ اکھڑ کر بیٹھ رہا ہے اور اس کی سانس ہلکی ہلکی سسکیوں میں تبدیل ہو گیا ہے۔

میں اس کے پاس سے چلا آیا اور اپنے بستر پر لیٹ کر لیویا کے حالات پر غور کرنے لگا۔ میں اپنے دوست کی گفتگو کی روشنی مجھے لیویا کے انجام پر تعجب ہو رہا تھا میں سوچ رہا تھا کہ کیا لیویا حقیقتاً اس مفلوج نوجوان سے محبت کرنے لگی ہے۔ ایک شریف اور بلند خیال خاتون کی قلب کی گہرائیوں میں پیدا ہونے والی ناقابل تشریح محبت! یا یہ سب کچھ اس کی مخلصانہ ہمدردی کا پرتو ہے اس ہمدردی کا پرتو جو بادی النظر میں محبت سے مشابہ معلوم ہوتی ہے۔ یا پھر ان دونوں کی یہ وابستگی دو ایسے غمزدہ دلوں کی وابستگی تھی جو رنج و الم کو مل جل کر برداشت کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ میں بے چینی کے ساتھ صبح ہونے اور نرسوں کے بدلنے کا انتظار کر رہا تھا تا کہ میں لیویا پر ایک نظر ڈال کر اپنے سوال کا جواب حاصل کر سکوں۔ مجھے یقین تھا کہ لیویا کی آنکھوں

میں اس کے ہر جذبہ اور خیال کو آسانی کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے انھیں خیالات میں میری آنکھ لگ گئی۔

صبح کو جب میں بیدار ہوا تو آفتاب طلوع ہو چکا تھا اور کمرہ کے عام حالات سے معلوم ہوتا تھا کہ نرسیں بھی تبدیل ہو چکی ہیں لیکن لیوہا وہاں موجود نہیں تھی۔ میں اپنے بستر سے اٹھ کر اپنے دوست کے قریب گیا اور اس کی مزاج پرسی کی۔

"میں اچھا ہوں!" اس نے جواب دیا" وہ میری پٹیاں تبدیل کرنے کے سلسلے میں ضروری انتظام کرنے گئی ہے ...... لیکن سنو! تم اسے اس گفتگو کے متعلق کچھ نہ بتانا جو میرے اور ڈاکٹر کے درمیان ہوئی تھی .... کیا آج میری بینائی واپس آجائے گی؟"

اس کی آواز سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ مسکرا رہا ہے اس نے پھر کہا۔

"وہ مجسم حسن ہے، مجسم حسن! کیا تم اس سے واقف نہیں؟"

"کیوں نہیں! تم ٹھیک کہتے ہو وہ خوبصورت ہے!" میں نے جواب دیا

"آج جب میں اسے دیکھوں گا تو اس وقت ہم دونوں کا کیا حال ہوگا؟ .... یکایک وہ خاموش ہو گیا اور کسی آنے والے کے پیروں کی آہٹ کو سننے لگا۔ کوئی شخص ہلکے اور نازک سلیپر پہنے ہماری طرف آرہا تھا لیکن مجھے تعجب تو اس بات کا ہوا کہ میرے دوست نے اس آہٹ کو شناخت کس طرح کر لیا حالانکہ اس کے کانوں پر بھی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں ...... مگر کیا یہ محبت ہی کی کرشمہ

سازیاں نہیں تھیں ؟ ۔

"یہ اسی کی صدائے پا ہے !" اس نے آہستہ سے کہا" میری ڈنیکا کے آنے کی آہٹ"

میں نے مڑ کر دیکھا تو آنے والی خاتون لیوبا نہیں بلکہ فین یا تھی ۔

(۵)

رات بھر کام کرتے رہنے کے بعد اگرچہ صبح کے وقت فین یا کو چلا جانا چاہیئے تھا لیکن اسکی موجودگی سے یہ بات ظاہر تھی کہ اسے کسی خاص مقصد کے پیش نظر روک لیا گیا ہے اسے دیکھ کر میں نے ارادہ کیا کہ اپنے دوست کو اس کی غلطی یا غلط فہمی سے آگاہ کر دوں ۔

" صبح بخیر !" میں نے فین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "لیوبا آنے ہی والی ہے ؟"

" صبح بخیر !" اس نے میرے سلام کا جواب دے کر مجھ سے دریافت کیا "کیا لیوبا واپس آ رہی ہے ؟ وہ تو چلی گئی تھی اس کے شوہر کا پتہ چل گیا تھا اور یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ زخمی ہے "

یہ کہتے ہوئے وہ میرے دوست کے قریب بیٹھ گئی

"کولسیا ! پیارے !" اس نے انتہائی محبت کے ساتھ کہا" استقلال سے کام لو . . . . . . اب تمہاری پٹیاں بدلی جائیں گی . . . . "

اور میں نے دیکھا کہ اس جنگ جو بہادر نے اپنا ہاتھ جو موت کے ساتھ پنجہ کشی کر چکا تھا آہستہ آہستہ بلند کیا ۔ اس وقت وہ کانپ رہا تھا ۔ پٹیوں کی تبدیلی کا تصور ہی ایک مصیبت تھی ۔ لیکن فین یا کے

ہاتھ میں پہنچکر میرے دوست کا ہاتھ سکون پذیر ہو گیا۔

میرے دوست کا ہاتھ فینی یا کے ہاتھ میں تھا اور دونوں کے لبوں پر خاموشی کی مہر لگی ہوئی تھی۔ فینی یا کی نگاہ چشمہ کے سیاہ شیشوں پر جمی ہوئی تھی لیکن مجھے اس کی آنکھوں میں محبت کی وہ چمک نظر آرہی تھی جسے چھپانا ناممکن ہے۔ میں نے اس کے چہرہ کی طرف دیکھا اس چہرہ کی طرف جس میں کوئی غیر معمولی بات موجود نہیں تھی اور جسے ہم روز دیکھتے تھے لیکن بے توجہی کے ساتھ۔ مگر حیرت کی بات ہے کہ آج مجھے وہ پہلے سے بالکل مختلف نظر آرہا تھا۔ بلا شبہ وہ آج بھی سن رسیدہ اور درماندہ منظر آتی تھی لیکن محبت کی سحر کاریوں نے آج اسے حسین بنا دیا تھا۔ ایک ایسی نیک دل اور سادہ مزاج بوڑھی خاتون اور ماں کی طرح حسین جس کا دل ہمدردی اور ایثار کے جذبات سے لبریز ہو۔ اس کی آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے اور اس خیال سے کہ یہ آنسو کہیں اس مفلوج نوجوان کے ہاتھوں پر نہ ٹپک پڑیں اس نے آہستہ سے اپنے سر کو دوسری طرف پھیر لیا لیکن فینی کی جنبش بھی میرے دوست کو محسوس ہو گئی اور اس نے گھبرا کر دریافت کیا "پیاری دلنشین کا! کیا بات ہے؟"

فینی یا کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے اور اس کی آنکھیں انکی روانی میں اضافہ کرتی جارہی تھی لیکن خود فینی یا ......؟ وہ اس مفلوج نوجوان سے باتیں کرنے میں مصروف تھی۔ ہنسی مذاق اور ہمت افزائی کی باتیں! اچانک اس نے دروازہ کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں میں میں یاس و حسرت کی جھلک نمودار ہو گئی۔ دروازہ کے قریب ایک پہیوں دار چارپائی موجود تھی۔ میں فینی یا کے ملال اور تاخیر کی اصل وجہ سمجھ گیا اسے

اس تکلیف اور اذیت کے تصور نے پریشان کر رکھا تھا جو بہت جلد اس نوجوان کو پیش آنے والی تھی۔

میرے مجروح دوست کو اس چارپائی پر لٹا دیا گیا، فینن یا اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے اس کے ساتھ ساتھ چلی۔ میں بھی ہمراہ تھا۔ پٹیاں بدلنے کے کمرہ میں دروازہ پر فینن یانے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اب اس کی قوتِ برداشت جواب دے چکی تھی، وہ دروازہ سے لگ کر کھڑی ہو گئی اور اسکی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہنے لگے۔ میں نے اپنا ہاتھ اس کے شانہ پر رکھ دیا۔

"ڈاکٹر نے مجھ سے کہا ہے ..... ؟ ڈاکٹر نے مجھے بتایا ہے .... ؟" اس نے روتے ہوئے کہا لیکن وہ اپنی بات کو پورا نہ کر سکی۔

"مجھے معلوم ہے" میں نے جواب دیا" لیکن تم خود کو قبل از وقت کیوں پریشان کر رہی ہو؟ .... بہت ممکن ہے کہ اس کی بینائی واپس ہی آ جائے!"

اس نے اپنے سر کو اس طرح جنبش دی گویا کہ وہ سخت اذیت میں مبتلا ہے۔

"اور اس کے بعد ...... ؟ وہ مجھے دیکھے گا! اس کی بنائی ہوئی حسن کی خیالی تصویر سے میں کس قدر مختلف ہوں! ۔ اس نے میری متعلق کیسے کیسے رنگین اور دلکش تصورات قائم کئے ہیں لیکن اس نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟ خوب صورت' حسین' نزاکت اور رعنائی کا مجسمہ! آہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو!"

وہ ملبتہ آواز سے رونے لگی لیکن اس کے کان دروازہ پر لگے ہوئے تھے۔ اسی دوران میں میں نے ڈاکٹر کو پر مسرت لہجہ میں کہتے ہوئے سنا۔

"یہ کافی ہے ۔۔۔ آج اسی قدر کافی ہے۔ بس تمہیں ایک ہفتہ اور تاریکی میں بسر کرنا پڑے گا!"

فین یا کے چہرہ پر زردی چھاگئی اور وہ جلد جلد قدم اٹھاتی ہوئی برآمدہ سے چلی گئی۔

(۶)

ایک ہفتہ ختم ہونے سے پہلے ہی میں صحت یاب ہو کر شفا خانہ سے چلا آیا لیکن اس روز کے بعد فین یا بھی شفا خانہ میں نہیں آئی۔ کچھ عرصہ کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ اپنے گھر واپس چلی گئی ہے کیوں ..... ؟

فین یا ایک شریف خاتون تھی، بلند خیال، وسیع القلب اور شریف خاتون۔ اس نے ایک مایوس اور مفلوج نوجوان کو امید اور صحت کی نعمتیں عطا کی تھیں، اس نے اس نوجوان کو یقین دلایا تھا کہ وہ اس کی ذات سے محبت کرتی ہے اس کے چہرہ سے نہیں اور اس نوجوان نے اپنی محبت کی آنکھوں سے اسے حسن مجسم اور رعنائی مکمل کی شکل میں دیکھا تھا۔ لیکن حقیقت اس سے مختلف تھی۔ ان حالات میں اس بلند نظر خاتون نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ وہ اظہار حقیقت کے بعد اس کے خوابوں کی رنگین دنیا کو درہم و برہم کر دے۔ اس نے شفا خانہ کو چھوڑ دیا تھا اور وہ جانتی تھی کہ اس طرح دوبارہ ملاقات کی آرزو کی بنیاد پر وہ اس نوجوان کے دل میں زندہ رہنے، دشمن کا مقابلہ کرنے اور فتحمند ہونے کی تمنا کو قائم رکھ سکیگی۔

بہادر لڑکا!

وہ کپتان کے سامنے کھڑا تھا ـــــــ چپٹی ناک اور ابھرے ہوئے رخسار والا کم سن لڑکا جس کا کوٹ اس کے قد و قامت کے اعتبار سے چھوٹا تھا اور کوٹ کے گلے پر نقلی سنجاب لگا ہوا تھا ـــــ ٹھنڈی خشک اور تیز ہوا نے جو دامنِ کوہ میں چل رہی تھی اس کی ناک کو سرخ بنا دیا تھا سردی کی شدت سے اس کے دانت بج رہے تھے لیکن اس کی سیاہ آنکھیں تحقیق طلب انداز میں کپتان کے چہرہ پر جمی ہوئی تھیں۔ موسم کے اعتبار سے اس کا جوتا بھی غیر موزوں تھا بھورے رنگ کے کنویس کا جوتا جو پنجوں پر سے پھٹا ہوا تھا

کپتان اس تحریر کو پڑھ رہا تھا جو ایک اردلی کی معرفت اسٹاف ہیڈ کوارٹرز سے اسے ابھی موصول ہوئی تھی ـــــ آج صبح یہ اگلے مورچہ میں پایا گیا اس کا بیان ہے کہ وہ گذشتہ دو ہفتہ سے . . . کے علاقہ میں فاشی فوج کے حالات معلوم کرتا رہا ہے۔ اسے تمہارے پاس بھیجا جا رہا ہے شاید اس کی بہم پہنچائی ہوئی اطلاعات توپ خانہ کے لئے مفید ثابت ہو سکیں ـــــ یہ تھا اس تحریر کا مفہوم۔ کپتان نے کاغذ طے کرکے اسے اپنے سموری چغہ کی جیب میں رکھ لیا اور لڑکے پر ایک نظر ڈال کر دریافت کیا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"نکولائی دخاردف! کامریڈ کپتان!" لڑکے نے فوجی طریقہ پر اپنے جوتوں کو زمین پر مارنے کی کوشش کرتے ہوئے بلند اور صاف آواز میں

جواب دیا لیکن سردی کی وجہ سے وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ کپتان نے اس کے جوتوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کام بڑا دشوار ہے۔ موسم کے اعتبار سے تمہارے یہ جوتے موزوں نہیں ان میں تو تمہارے پیر ٹھٹھر گئے ہوں گے؟"

"لڑکا زمین پر نظر جمائے کھڑا تھا اور ان آنسوؤں کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا جو اس کی آنکھوں میں امنڈ آئے تھے۔

کپتان خاموش ہو گیا اسے تعجب ہو رہا تھا کہ اس قدر سردی اور کہرہ کی موجودگی میں یہ لڑکا کس طرح رات بھر دامن کوہ کے ڈھلوان میدان میں سفر کرتا رہا۔ اس منجمد کر دینے والی سردی کے تصور ہی سے کپتان کے حواس باختہ ہو جاتے تھے۔ اس نے اپنا ہاتھ لڑکے کے شانہ پر رکھ کر کہا۔

"آؤ! میری قیام گاہ میں چلو۔ وہ جگہ یہاں کے مقابلہ میں زیادہ گرم ہے ہم وہاں باتیں بھی کریں گے!"

تہ خانہ میں انگیٹھی روشن تھی لڑکے نے دروازہ پر ٹھہر کر کمرہ کے اندر نظر دوڑائی۔

"اندر چلے آؤ!" کپتان نے کہا "ساحلی علاقوں کی طرح یہاں بھی گرمی ہے تم کپڑے اتار کر اپنے جسم کو گرم کر لو"

لڑکے نے اپنا بوسیدہ کوٹ اتارا۔ اسے احتیاط کے اس طرح الٹا کہ اس کی اندرونی سطح اوپر ہو گئی اور پنجوں کے بل کھڑے ہو کر اسے کپتان کے چوغہ پر لٹکا دیا۔ اب کپتان نے دیکھا کہ لڑکا بہت ہی دبلا اور کمزور ہے اس نے اپنے دل میں خیال کیا اسے ضرور شدید مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

"بیٹھ جاؤ!" کپتان نے لڑکے سے کہا "پہلے ہم کچھ ناشتہ کریں گے

اور اس کے بعد کام کی باتیں ہوں گی۔ کیا تم زیادہ تیز چائے پیو گے؟" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے ہی پیالے میں چائے بنا کر اسے دیتے ہوئے کہا یہ لو اور شکر خود اپنی ضرورت کے مطابق شامل کر لو" کپتان نے ایک گول کا خول اس کی طرف بڑھا کر کہا جس میں برف کی طرح سفید شکر کے موٹے موٹے دانے بھرے ہوئے تھے۔

لڑکا کپتان کا منہ تاک رہا تھا۔ اس کے مرجھائے ہوئے چہرے پر افسردگی کی مزید علامات نظر آنے لگی تھیں۔ اور اس کی آنکھوں میں آجانے والے آنسوؤں کے بڑے بڑے قطرے میز پر گر رہے تھے۔ کپتان نے ایک سرد آہ بھری اور اس کے قریب تر آ کر اپنا ہاتھ اس کی گردن میں ڈال کر ہمدرد انداز میں کہا۔"

"اب...... اب........ اب تمہیں کسی قسم کا اندیشہ نہیں کرنا چاہیئے ماضی کو بھول جاؤ۔ یہاں تمہیں کوئی شخص تکلیف نہیں پہنچا سکتا"

"کامریڈ کپتان!" لڑکے نے کسی قدر شرمندگی کے انداز میں جواب دیا" یہ بات نہیں! اس وقت مجھے اپنی ماں کا خیال آگیا تھا"

"سمجھ گیا" کپتان نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا" تمہاری ماں! اطمینان رکھو۔ اسے بھی یہاں بلا لیا جائے گا۔

" اوہ اوہ!"......لڑکے نے معصومانہ انداز میں کپتان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا" ہمارے علاقہ میں قحط پڑا ہوا ہے میری ماں رات کے وقت جرمن فوجی باورچیخانہ کے آس پاس پڑے ہوئے آلو کے چھلکے چنا کرتی تھی ایک رات جرمن پہرہ دار نے اسے دیکھ لیا اور اس کے بازو پر اپنی بندوق کے کندہ سے ایک ایسی ضرب لگائی کہ وہ ابھی تک اسے ہلا نہیں سکتی" یہ کہتے

ہوئے جوشس اور غصہ کے باعث اس کے دانت کٹکٹانے لگے اور اس کے چہرہ کی معصومیت درشتی اور سختی میں تبدیل گئی

"لیٹ جاؤ!" کپتان نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"ابھی نہیں!" لڑکے نے جواب دیا "میں ابھی سونا نہیں چاہتا بلکہ پہلے آپ کو ان کے متعلق ضروری باتیں بتانا چاہتا ہوں" اس وقت وہ ملتجیانہ نظر سے کپتان کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن اس کے انداز گفتگو سے استقلال ٹپک رہا تھا کپتان اس کی خواہش کو مسترد نہ کر سکا

"اچھا کہو!" کپتان ایک نوٹ بک کھولتے ہوئے کہا" اس جگہ کتنے جرمن سپاہی ہیں؟"

"پیادہ فوج کی ایک بٹالین!" لڑکے نے فوراً بلا تکلف جواب دیا" ایک سو پچھترویں رجمنٹ جو بویریا کے باشندوں پر مشتمل ہے!"

کپتان کو اس کے اس مفصل جواب نے حیرت میں ڈالدیا اور وہ اسے تحقیق طلب نظر سے دیکھنے لگا۔

"تمھیں یہ باتیں کس طرح معلوم ہوئیں؟" کپتان نے سوال کیا۔

ان کے لشاتوں پر لگے ہوئے فیتوں سے میں یہ تمام باتیں معلوم کی ہیں۔ ہاں! وہاں موٹر سائیکل سواروں کی ایک کمپنی اور میڈیم ٹنکوں کا ایک دستہ بھی ہے اور تہ خانوں میں بڑی میدانی توپیں نیز ٹنک شکن توپیں بھی چھپی ہوئی ہیں۔ کامریڈ کپتان! انھوں نے اس جگہ کو بہت زیادہ مستحکم بنا رکھا ہے اور میں اپنے مکان کے دریچہ سے دیکھتا رہا ہوں کہ بار بردار لاریوں کے ذریعہ وہاں برابر سمینٹ آرہا ہے۔

کیا تم بتا سکتے ہو کہ وہ تہ خانے کہاں واقع ہیں؟" کپتان نے سنبھل کر

بیٹھتے ہوئے دریافت کیا
لڑکے کی گفتگو سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کسی معمولی ناسمجھ لڑکے سے نہیں بلکہ ایک تیز نظر، ذہین اور قابل جاسوس سے گفتگو کر رہا ہے۔
ان کا سب سے بڑا اسلحہ خانہ تربوزوں کے کھیت کے قریب ہے غلہ صاف کرنے کے پرانے میدان کے عقب میں اور دوسرا .....!"
"ٹھیرو!" کپتان نے اس کی بات کاٹ کر کہا "ایک لمحہ صبر کرو۔ یہ تو درست ہے کہ تمہیں تمام باتیں تفصیل کے ساتھ یاد ہیں لیکن تمہیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ ہم تمہارے علاقہ کے رہنے والے نہیں اور ہمیں یہ معلوم نہیں کہ تربوزوں کا کھیت اور غلہ صاف کرنے کا پرانا میدان کہاں واقع ہے۔ صاحبزادہ! بحری توپ خانہ کی دس انچ دہانہ کی توپ کوئی کھلونا نہیں اور اگر ہم گولہ باری شروع کر دیں تو بہت ممکن ہے کہ دشمن کو نقصان پہنچانے سے قبل خود ہمارا ابھی بہت سا نقصان ہو جائے۔ وہاں ہمارے اپنے لوگ بھی ہیں اور .... اور تمہاری ماں بھی تو وہیں ہے۔"
لڑکے نے کپتان کی طرف دیکھا اور تعجب کے ساتھ دریافت کیا۔
"لیکن کامریڈ کپتان! کیا آپ کے پاس کوئی نقشہ نہیں ہے؟"
"ہاں! کیوں نہیں؟" کپتان نے جواب دیا "میرے پاس نقشہ موجود ہے لیکن کیا تم نقشوں کے متعلق کچھ جانتے ہو؟"
"بہت اچھی طرح!" لڑکے نے فخریہ انداز میں جواب دیا "میرا باپ علم پیمائشِ ارض کا ماہر ہے۔ لیکن اس وقت وہ سرخ فوج میں کمانڈر کے عہدہ پر ممتاز ہے۔ میں خود بھی نقشے بنا سکتا ہوں"

"لڑکے! کپتان" دفورِ مسرت سے اچھل کر کہا "بخدا! تم تو سونے میں تولنے کے قابل ہو" اور اس نے ایک بہت بڑا نقشہ کھول کر میز پر پھیلا دیا۔ لڑکا کرسی پر دو زانو ہو کر نقشہ پر جھک گیا۔ اس کی انگلیاں تیزی کے ساتھ حرکت کر رہی تھیں اور اس کے چہرہ پر جوش اور مسرت کے آثار ہویدا تھے۔ یکایک اس نے ایک جگہ انگلی رکھ کر کہا۔

"یہ ہے وہ جگہ! آپ کا نقشہ کس قدر مفصل اور اچھا ہے! ایک گوشوارہ کی طرح واضح اور مفصل! یہ دیکھئے! یہاں مشرق کی جانب یہ ہے غلہ صاف کرنے کا پرانا میدان!"

ایک ماہر جغرافیہ داں کی طرح اسے نقشہ پر ضروری مقامات معلوم کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی اور کچھ دیر کے بعد اس نقشہ پر کپتان کی رنگین پنسل کے ایسے بہت سے نشانات نظر آنے لگے جن سے دشمن کی قیام گاہ، ذخیروں اور قلعہ بندیوں کا پتہ چل جاتا تھا۔ اب کپتان بالکل مطمئن تھا۔

"بہت خوب! کولیا!" کپتان نے مشفقانہ انداز میں اس کی کمر تھپکتے ہوئے کہا۔

ایک لمحہ کے لئے لڑکا ہوشیار جاسوس کی بجائے ایک معصوم بچہ نظر آنے لگا۔ کپتان کے مشفقانہ طرزِ عمل نے اسے پھر بچہ بنا دیا تھا۔ اس نے طفلانہ انداز میں اپنا سر کپتان کے سینہ پر رکھ دیا اور کپتان نے نقشہ کو تہہ کر کے ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"کامریڈ دخاروف! ضابطہ کا تقاضا یہ ہے کہ اب تم فوراً سو جاؤ!"

(۲)

نہ خانہ کی گرم فضا اور مناسب غذا کی بدولت لڑکے کو نیند آنے لگی تھی، اس کی آنکھیں بند ہونے لگی تھیں اور جمائیوں پر جمائیاں آ رہی تھیں کپتان کا اشارہ پانے کے بعد وہ اسی کے بستر پر دراز ہو گیا۔ کپتان نے اسے اپنی ہی کمبل میں اچھی طرح لپیٹ دیا اور خود گولہ باری کے سلسلہ میں فاصلہ کا اندازہ کرنے کے لئے پھر میز کے قریب آ بیٹھا۔ وہ اپنے کام اس درجہ منہمک تھا کہ اسے وقت کا اندازہ بھی نہ ہو سکا اور ——— نہ معلوم کتنی دیر کے بعد جب اسے کسی شخص نے آہستہ سے پکارا اور اس نے نظر اٹھا کر پکارنے والے کی طرف دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ سورج مغرب کی جانب جھک چکا ہے۔

"کامریڈ کپتان! اب کیا وقت ہے؟" لڑکا جس کے چہرہ پر کسلمندی کے آثار موجود تھے بستر میں بیٹھا ہوا دریافت کر رہا تھا۔

"سو جاؤ!" کپتان نے نرم لہجہ میں کہا "تم وقت کس لئے دریافت کرتے ہو؟ جب ہمارے چلنے کا وقت ہوگا تو میں تمہیں جگا دوں گا"

لڑکے کے چہرہ پر متانت پیدا ہو گئی اور اس نے کامل استقلال اور کسی قدر سختی کے ساتھ کہا۔

"نہیں! نہیں!! مجھے واپس جانا ہے۔ میں اپنی ماں سے واپس پہنچنے کا وعدہ کر آیا تھا اگر میں نہ پہنچا تو اسے یہ سمجھ کر کہ میں مارا گیا ہوں سخت رنج ہوگا۔ آفتاب غروب ہونے کے بعد ہی میں روانہ ہو جاؤں گا"

کپتان بے حس و حرکت بیٹھا ہوا اس کی باتیں سن رہا تھا یہ بات اس کے تصور میں بھی نہ آ سکی تھی کہ یہ لڑکا ایک مرتبہ پھر وہی اندیشہ ناک اور پر از مضا سفر اختیار کرنے پر آمادہ ہے جو گذشتہ شب کو طے کر چکا تھا وہ ہولناک سفر

جسے طے کر لینا اس لڑکے کے لئے ایک معجزہ، خوش نصیبی اور حسن اتفاق سے کم نہیں تھا۔

"پاگل ہو!" کپتان نے کسی قدر غصہ سے کہا "تمہیں کون جانے دے گا؟ فرض کرو اگر تم کسی طرح جرمن صفوں کو عبور کر لینے میں بھی کامیاب ہو گئے تو اپنے علاقہ میں تم خود ہماری توپوں کا نشانہ بن جاؤ گے"

لڑکے کا چہرہ سرخ ہو گیا بالکل سرخ! لیکن اس نے استقلال کے ساتھ جواب دیا۔

"مجھے جرمنوں کا اندیشہ نہیں۔ آج اس قدر سردی ہے کہ وہ باہر نہیں نکل سکیں گے۔ میں تمام راستوں اور پگڈنڈیوں سے اچھی طرح واقف ہوں صرف آپ مجھے اجازت دیدیجئے!"

لڑکا واپسی کی اجازت حاصل کرنے پر اس قدر مصر تھا کہ ایک لمحہ کے لئے کپتان اس کی طرف سے بدگمان ہو گیا اور اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ اس لڑکے کی تمام باتیں کہیں فریب ہی تو نہیں؟ لیکن جب اس نے لڑکے کی صاف اور معصومیت پوش آنکھوں کی طرف دیکھا تو اس کی بدگمانی جاتی رہی۔

"آپ جانتے ہیں؟ کامریڈ کپتان!" لڑکے نے اپنی درخواست کو مدلل بنانے کے لئے کہا "جرمن کسی شخص کو اس جگہ سے باہر جانے کی اجازت نہیں دیتے اگر انھیں میری عدم موجودگی کا علم ہو گیا تو میری ماں کو سخت سزا دی جائے گی......"

"بہت اچھا!" کپتان نے اپنی گھڑی پر نظر ڈال کر کہا "اس وقت ساڑھے چار بجے ہیں۔ پہلے ہمیں ابزروشن پوسٹ (وہ جگہ جہاں فوجی

دوربین لگی ہوئی ہیں) میں جل کر ہر چیز سے متعلق اطمینان کر لینا چاہیئے پھر جب اندھیرا ہو جائے گا تو ہم تمہیں اپنی صفوں کے پار پہنچا کر چھوڑ دیا گے تمہیں حد درجہ محتاط رہنا چاہیئے اور دشمن کی نظر سے بچنے کے لئے پوری کوشش کرنی چاہیئے۔

آبزرویشن پوسٹ میں پہنچ کر کپتان فاصلہ معلوم کرنے کی ایک مشین کے قریب بیٹھ گیا ہر طرف پھیلے ہوئے کہرہ کے باوجود غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی روشنی میں برف پوش ڈھلوان میدان کے پار مشین کے شیشہ کی بدولت چند سیاہ دھبے نظر آرہے تھے۔ گاؤں کے مکانات ——— کپتان نے لڑکے کو اپنے قریب بلایا۔

"دیکھو!" کپتان نے کہا "ممکن ہے کہ تمہیں تمہاری ماں بھی نظر آجائے!"

لڑکا مسکرایا اور کپتان کی ہدایت کے مطابق شیشہ میں دیکھنے لگا۔ کپتان نے مشین کے چھوٹے سے پہیئے کو آہستہ آہستہ گھمانا شروع کیا اور رفتہ رفتہ لڑکے کو وہ تمام مقامات نظر آنے لگے جن سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ دفعتاً لڑکا اچھل پڑا اور اس نے کپتان کی آستین کھینچتے ہوئے کہا، "دیکھئے! کیا آپ کو وہ پنجرا نظر آرہا ہے؟ کامریڈ کپتان وہ میرا ہے میں سچ کہتا ہوں وہ میرا ہے میرا!"

کپتان شیشہ پر جھک گیا اور اس نے دیکھا کہ طویل بے برگ درختوں میں مکانوں کی چھتوں کے درمیان ایک ستون کے ساتھ ایک پنجرا لٹکا ہوا ہے وہ بالکل واضح طور پر نظر آرہا تھا۔ دفعتہً کپتان کے دل میں کوئی خیال آیا۔ وہ لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایک طرف لے گیا اور یہ دیکھ کر بجری

تو پچیوں کو سخت تعجب ہوا کہ وہ لڑکے کے ساتھ آہستہ آہستہ اور راز دارانہ انداز میں گفتگو کر رہا ہے۔

"کیا تم سمجھ گئے؟" کپتان نے دریافت کیا اور لڑکے نے جس کی آنکھوں سے شرارت ٹپک رہی تھی اپنے سر کی جنبش سے اس کے سوال کا جواب اثبات میں دیا۔

آفتاب غروب ہونے کے بعد ہر طرف تاریکی چھا گئی تھی۔ کپتان لڑکے اور اپنے دو ساتھیوں کو لے کر اپنے علاقہ کی سرحد تک گیا اور اسے اپنے ساتھیوں کی معیت میں رخصت کرنے کے بعد یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کہیں دشمنوں نے ان لوگوں کو دیکھ کر گولی تو نہیں چلائی بہت دیر تک وہیں ٹھہرا رہا۔

(۳)

طلوع آفتاب سے کچھ دیر قبل کپتان پھر اپنی نگہداشت کی چوکی میں آیا اور جوں ہی کہ صبح کی دھندلی روشنی میں دوربین کے ذریعہ اسے ستون میں لٹکا ہوا پنجرہ نظر آنے لگا اس نے گولہ باری کا حکم دیدیا پہلی باڑھ چلی — صحیح نشانہ معین کرنے کے لئے — اور صبح کی پرسکون فضا توپوں کی گرج سے معمور ہو گئی پہاڑیوں میں صدائے بازگشت بلند ہوئی اور پھر — فضا پھر پرسکون ہو گئی۔

کپتان کی آنکھیں پنجرہ پر لگی ہوئی تھیں اس نے دیکھا کہ سیاہ داغ سے مشابہ پنجرہ کو دو مرتبہ حرکت ہوئی اور ایک لمحہ کے بعد پھر وہی صورت پیش آئی۔ اس اشارہ سے کپتان اس نتیجہ پر پہنچا کہ نشانہ خالی گیا ہے۔

اس نے دوسری باڑھ مارنے کا حکم دیا۔ اس مرتبہ پنجرہ اپنی جگہ قائم رہا اور کپتان نے توپ خانہ کے دونوں دستوں سے تین مرتبہ گولہ باری کرانے کے بعد دیکھا تو اسے دھوئیں کے بادلوں کے درمیان لکڑی کے بڑے بڑے لٹھے اور سیمنٹ کی سلیں ہوا میں اڑتی ہوئی نظر آئیں۔ کپتان نے ہانستے ہوئے نیا نشانہ منتخب کیا ایک بار پھر پنجرہ نے متحرک ہوکر راز دارانہ انداز میں اس کی رہنمائی کی اور اس مرتبہ گولوں کا نشانہ وہ جگہ تھی جہاں نقشہ میں گولہ بارود اور تیل کے ذخیروں کی موجودگی ظاہر کی گئی تھی یہ باڑھ ضائع نہیں ہوئی۔ گہرے زرد رنگ کا ایک بادل اٹھ کر آسمان پہ چھا گیا ہلاکت خیز شعلے بلند ہوئے اور ہر شے ـــــ درخت مکانات وہ ستون جس کے ساتھ پنجرا لٹکا ہوا تھا غرضیکہ ہر شے دھوئیں کے اس سیاہ بادل میں مستور ہو گئی دھماکوں سے زمین ہلنے لگی اور کپتان کو اس بات کا اندیشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں لڑکا تو ہلاک نہیں ہو گیا ہے۔

اسی وقت ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ کپتان نے رسیور اٹھا کر پیغام سنا بیرونی صف کا کمانڈر کہہ رہا تھا "گولہ باری بند کر دیجیے۔ پیادہ فوج نے حملہ شروع کر دیا ہے۔"

کپتان پاس ہی رکھی ..... ہوئی موٹر سائیکل پر سوار ہو کر اس دیہاتی علاقہ کے دوسری طرف بیرونی صف کی جانب روانہ ہو گیا۔ میدان کے پار پہاڑی کے دامن میں واقع گاؤں میں دستی بموں اور مشین گنوں کے چلنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ اس غیر متوقع حملہ کی بدولت مدافعت کے تمام ذرائع سے محروم ہو کر فاشسٹ جرمن رسمی مقابلہ کر رہے تھے اور گاؤں کے باہر گہرے سرخ رنگ کے پرچموں کے لہرانے سے معلوم ہوتا تھا

کہ دشمن پسپا ہو رہا ہے۔ گاؤں پر زرد دھوئیں کے بادل منڈلا رہے تھے لیکن کپتان برابر آگے بڑھتا گیا۔ اب وہ گاؤں میں پہنچ گیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ چند بے برگ و بار شکستہ اور جلے ہوئے درختوں کے درمیان واقع ایک ٹوٹے ہوئے مکان کے دروازہ پر شال میں لپٹی ہوئی ایک خاتون کھڑی ہے اور اس کے قریب ہی ایک بچہ ——
وہی بچہ — اس کی انگلی پکڑے کپتان کو غور سے دیکھ رہا ہے خاتون کپتان سے ملنے کے لیۓ آگے بڑھی اور کپتان نے بچہ کو اٹھا کر اپنے سینہ سے لگا لیا لیکن یہ بچہ شاید اس وقت خود کو بچہ تصور کرانے کے لیۓ تیار نہیں تھا۔ وہ کپتان کی گرفت سے نکل آیا اور سپاہیانہ شان سے کھڑے ہو کر اپنی ٹوپی کو چھوتے ہوئے کہا۔
"کامریڈ کپتان! جاسوس نکولائی دخاروف نے آپ کے حکم کی تعمیل کر دی ہے"
اور اس خاتون نے جس کی آنکھوں میں اب تک خوف و ہراس جھلک رہا تھا کپتان کی طرف مصافحہ کے لیۓ ہاتھ بڑھا کر کہا۔
"آپ اچھے تو ہیں۔۔۔ ! یہ بے چینی کے ساتھ آپ کا انتظار کر رہا تھا۔۔۔۔۔ لیکن منتظر تو ہم سب ہی تھے آپ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ ہم آپ کے کس درجہ ممنون ہیں" وہ کچھ دیر تک روسی تہذیب کے مطابق اس کا شکریہ ادا کرتی رہی اور لڑکا۔۔۔۔ وہ کپتان کے قریب کھڑا ہوا گاؤں پر چھائے ہوئے دھوئیں کے بادلوں کو دیکھتا رہا۔
"شاباش! میرے عزیز" کپتان نے لڑکے کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر کہا "تم نے بہت بڑا کام کیا ہے لیکن جب ہم نے گولہ باری شروع کی

تھی تو تم ڈرے تو نہیں تھے ؟"
"کامریڈ کپتان !" لڑکے نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سادگی سے جواب دیا" کیوں نہیں! میں ڈر گیا تھا۔ جب پہلی بار ہ کے گولے پھٹے تو ہمارا مکان پتّہ کی طرح ہلنے لگا اور میں نے سمجھا کہ چند ہی لمحوں کے بعد میں چھت پر نہیں بلکہ کسی اندھیرے غار میں پڑا ہوں گا لیکن فوراً ہی میں نے ندامت محسوس کی اور میں نے ذرا بلند آواز سے کہنا شروع کیا، بیٹھے رہو، استقلال کے ساتھ بیٹھے رہو، حتیٰ کہ گولہ بارود کے ذخیرہ میں آتش زدگی تک میں وہیں بیٹھا رہا اور اس کے بعد .... مجھے یاد نہیں کہ میں کس طرح نیچے اتر سکا" اس نے معصومانہ طریقہ پہ اپنے منہ کو کپتان کے چوغہ کے دامن میں چھپا لیا۔
یہ تھا ایک تیرہ سالہ بہادر لڑکے کا کارنامہ۔ اس کمسن روسی لڑکے کا بہادرانہ کارنامہ جس کے سینہ میں شیر کا دل تھا، اس کی قوم کے نوجوان اور عمر رسیدہ افراد کی طرح شیر کا دل! جن کی ہمت، استقلال، فاشسٹ دشمنی اور حبِ وطن نے آج فاشیت کو مفلوج بنا دیا ہے۔

تصویر!

وکٹر انڈر یوچ لحونش قومی محافظ فوج سے تبدیل ہو کر ہماری ریجمنٹ میں آیا تھا اور اسے ہمارے ہی دستہ میں بھیجدیا گیا تھا۔ جس روز وہ ہمارے یہاں آیا تو ہم سب اسے دیکھ کر متعجب ہی نہیں بلکہ کسی قدر برافروختہ بھی ہوئے ہمارے دستہ میں کچھ تو باقاعدہ فوج کے سپاہی تھے اور کچھ وہ لوگ جنھیں محفوظ فوج سے طلب کیا گیا تھا لیکن تھے سب نوجوان اور کسی شخص کی عمر بھی پچیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ ہم سب ایک دوسرے کے ساتھ بے تکلف ہو گئے تھے۔ بہت زیادہ بے تکلف! ہم ہر وقت ہنستے اور باہم مذاق کرتے رہتے تھے لڑائی کے میدان میں بھی ہمارا یہی حال رہتا تھا اور دشمن کے ساتھ جھڑپ کے بعد یا اس کے دوران میں ذرا سا موقعہ ملنے پر بھی ہم ایک دوسرے کو چھیڑنے یا مذاق کرنے سے نہیں چوکتے تھے۔ خوش قسمتی سے ہمارے کئی ساتھی بے حد پُرمذاق اور حاضر جواب واقع ہوئے تھے بعض نوجوان ساز بجانے میں بہت زیادہ مشاق تھے۔ مثلاً اڈیسا کا باشندہ مونیا گرشیمن جب چھتارا بجاتا تھا تو گھوڑوں کے کان بھی کھڑے ہو جاتے تھے۔ کچھ لوگ گانے میں کمال رکھتے تھے اور باقی ساتھیوں میں اس دلچسپ فضا سے لطف اندوز ہونے کی حقیقی اہلیت موجود تھی۔

نوجوان اور خوش مزاج سپاہیوں کے اس دستہ میں دفعتاً ایک چھوٹی اور سیاہ و سفید ڈاڑھی والے، پستہ قامت اور پچاس سالہ شخص کا چلا آنا

جس کی بندوق بھی اس کے لیے بڑی معلوم ہوتی تھی ہمیں پسند نہیں آیا۔ ہم نے
اظہار ناپسندیدگی کے انداز میں اپنے شانوں کو جنبش دی اس وقت ہم سب کے
ذہن میں ایک ہی خیال تھا ــــ یہ کیا بے ہودگی ہے ؟ اس کی حالت کو دیکھ
کر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے ہاتھوں پر اٹھا کر محاذ جنگ تک لے جانیکی
تکلیف بھی ہمیں ہی برداشت کرنی پڑے گی ــــ اور ہماری آنکھیں، ہم
سب کی آنکھیں بیک وقت اس خیال کی ترجمانی کر رہی تھیں۔

نو وارد نے اپنی رائفل زمین پر رکھ دی اور پرانے دقیانوسی طریقہ پر
کسی قدر جھک کر نہایت شستہ الفاظ..... اور صاف لہجہ میں کہا۔

" ساتھیو! مجھے آپ کے دستہ میں بھیجا گیا ہے۔ مجھے آپ حضرات سے
مل کر مسرت ہوئی اور مجھے یقین ہے ہمیں ایک دوسرے سے کوئی شکایت
پیدا نہ ہوگی "

ہم سب خاموش کھڑے رہے لیکن واسکا بالانن اس نو وارد پر پھبتی
کسنے سے باز نہ رہ سکا واسکا بے حد لفاظ واقع ہوا تھا اور ایک بار گفتگو شروع
کر دینے کے بعد خاموش ہونے کا نام ہی نہ لیتا تھا

" بڑے میاں! " واسکا نے ڈکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا تم اپنے ساتھ بیچ لائے ہو؟
ڈکٹر اندریوچ واسکا کے مذاق کو نہیں سمجھ سکا اور حقیقت بھی یہ ہے
کہ محاذ جنگ پر بیچوں کا دستیاب ہونا کچھ آسان کام نہیں پھر کسی شخص کو انکی
ضرورت پیش آجانی بھی کوئی ایسی بات نہیں جس پہ شبہ کیا جاسکے بہرحال
ڈکٹر نے واسکا کے سوال پر کسی قسم کا شک نہ کرتے ہوئے نہایت سادگی
کے ساتھ جواب دیا۔

" مجھے افسوس ہے کہ میں بیچ نہیں لایا۔ میرے پاس سوئی اور دھاگا

تو موجود ہے لیکن پیچ یا کیلیں نہیں"
واسکا خاموش ہو جانیوالا شخص نہیں تھا اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے فوراً جواب دیا۔
" بڑے میاں! افسوس ہے! مجھے بہت ہی افسوس ہے کہ آپ پیچ نہیں لائے۔ اگر جناب کے پرخچے اڑ گئے تو ہمیں سخت دشواری لاحق ہوگی اور ہم انھیں جوڑنے کے لئے پیچ کہاں سے لائیں گے"
واسکا کے اس برجستہ جواب پر ہنستے ہنستے ہمارے پیٹ میں بل پڑ گئے لیکن وکٹر نے کامل سنجیدگی اور کسی قدر افسردگی کے ساتھ واسکا کی طرف دیکھتے ہوئے نہایت نرم لہجہ میں کہا۔
" میرے نوجوان دوست! تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر شخص میں کوئی نہ کوئی خامی اور کمزوری ضرور موجود ہوتی ہے۔ بلاشبہ میں اپنے ساتھ پیچ نہیں لا سکا لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری زبان کی لگام بھی کہیں کھوئی گئی ہے۔ ہمیں ایک دوسرے پر پھبتیاں نہیں کسنی چاہیئیں۔"
اس نے یہ باتیں کچھ اس انداز میں کہیں تھیں کہ ہم سب احساس ندامت کے باعث عرق عرق ہو گئے شرمندگی کی وجہ سے واسکا کا چہرہ چقندر کی طرح سرخ نظر آنے لگا اور اس نے معذرت خواہی کے انداز میں کہا
" کامریڈ!" مجھے اپنے طرز عمل پر سخت ندامت ہے لیکن میں یقین دلاتا ہوں کہ اس بات سے میرا مقصد آپکو رنج پہنچانا نہیں تھا۔ میں صرف مذاق کر رہا تھا لیکن میں اقرار کرتا ہوں کہ ہر موقعہ پر مذاق کرنا میری کمزوری ہے۔"
" میرا مقصد بھی آپ کو رنج پہنچانا یا شرمندہ کرنا نہیں" وکٹر پندریوچ نے جواب دیا" کامریڈ! ایسی حالت میں جب کہ ہمیں ایک ساتھ رہنا اور دوش بدوش کھڑے ہو کر دشمن سے مقابلہ کرنا ہے ہمیں ایک دوسرے کو رنج پہنچانے

کا تصور بھی نہیں کرنا چاہیئے"

اس واقعہ کے بعد ہم نے محسوس کیا کہ ڈکسٹر بے حد فیاض اور شریف انسان ہے اور ہر شخص سے ساتھ اس درجہ اخلاق و مروّت سے پیش آتا کہ لوگ اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ جہاں تک اس کی صحت کا تعلق تھا وہ دبلا پتلا اور کمزور تو ضرور نظر آتا تھا لیکن تھا بہت باہمت اور کبھی کام میں بھی ہم سے پیچھے نہ رہتا تھا۔ اس کا سب سے بڑا وصف اس کی مصوّرانہ قابلیت تھا اور اسی وصف نے ہم سب کو اس کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ تصویر کشی سے متعلق اس کے ساتھ دو کتابیں اور بہت سی رنگین پنسلیں تھیں اور جب کبھی اسے ذرا سی مہلت بھی مل جاتی تھی تو وہ کوئی نہ کوئی تصویر بنانے کے لئے بیٹھ جاتا تھا اس نے ہم سب کی تصویریں بنا ڈالی تھیں اور ہم سب اسکی مہارت اور چابک دستی پر حیران تھے۔ تصویر کشی میں اسے اتنا کمال حاصل تھا کہ اسکی بنائی ہوئی تصویریں منہ سے بولتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں اس نے گردوپیش کے قدرتی مناظر کو بھی تصاویر میں بند کر لیا تھا اور یہ تصویریں بھی اس کے کمال فن کا مرقع تھیں۔

ایک روز اس نے ایک مقتول جرمن سپاہی کی تصویر بنائی یہ سپاہی راستہ کے قریب ایک کھائی میں پڑا تھا، غلیظ اور گندی نعش پر جوئیں رینگ رہی تھیں اس کے بازو پھیلے ہوئے تھے، انگلیوں کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جانکنی کے عالم میں اس نے زمین کو پکڑنے کی کوشش کی تھی۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور موت کے بعد بھی ان میں ایک ایسی جھلک موجود تھی جو خون آشام بھیڑیوں کی آنکھوں میں ہوا کرتی ہے ہم اس تصویر کو دیکھ کر سہم گئے۔ ہمیں کا غذ پر اس فاشسٹ جرمن کی تاریک

روح کا سایہ محسوس ہوا جو ہمارے وطن میں غارت گری، اذیت دہی اور قتل و خونریزی کے کمینہ اور انسانیت سوز مقاصد لے کر آیا تھا۔ یہ تصویر واضح طور پر اس قدر بھیانک تھی کہ اسے دیکھ کر ہم پر لرزہ طاری ہو گیا۔

لڑائی کے میدان میں بھی وکٹر انڈریوچ ایک بہادر اور قابل فخر سپاہی ثابت ہوا وہ لڑائی کے دوران میں بھی استقلال اور سکون کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑتا تھا، ہماری نسبت وہ اپنی حفاظت بہتر طریقہ پر کر سکتا تھا اور بہت اچھا نشانہ باز تھا۔ پھر اس میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ بہت آسانی کے ساتھ خود کو نئے حالات کے مطابق بنا لیتا تھا۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ ہمارے ساتھ اس قدر بے تکلف ہو گیا کہ ہم لوگ اپنی عمروں کا تفاوت بھی بھول گئے۔ وہ حقیقی ظرافت اور برجستگی سے نہ صرف محظوظ ہی ہوتا تھا بلکہ خود بھی بہت بامذاق اور ظریف الطبع واقع ہوا تھا لیکن وہ بے ہودہ گوئی اور بد زبانی کو برداشت نہیں کر سکتا تھا اور جب کبھی کوئی شخص اس قسم کی گفتگو کرتا تھا تو وکٹر کے چہرہ پر ملال اور افسردگی کی جھلک نمودار ہو جاتی تھی، اور وہ اس شخص کی طرف کچھ ایسے انداز میں دیکھتا تھا کہ اپنی ناروا باتوں کو جاری رکھنے کی بجائے وہ خود کو اپنے ہی دل میں ذلیل اور حقیر سمجھنے لگتا تھا۔

(۲)

ایک شام کا واقعہ ہے۔ اس شام کا جس کے دو ہفتہ بعد ہمیں ایک خونریز اور ہلاکت خیز لڑائی لڑنی پڑی تھی۔ ہم محاذ جنگ کے عقب میں کچھ دن آرام کرنے کے لیے مقیم تھے اور شام کے وقت چائے پینے کے لیے ایک خندق

میں جمع ہوئے تھے ۔ خزاں کا موسم تھا ۔ اور بارش کی شدّت اور تسلسل کو دیکھ کر یہ شبہ ہونے لگا تھا کہ یہ کبھی ختم ہی نہ ہوگی ۔ خندق بارش سے محفوظ اور گرم تھی اور اس پُرسکون فضا میں گرم گرم چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے ہمارے بعض ساتھیوں نے اپنے گھروں، اپنے دوستوں اور رشتہ داروں شیزان خواتین کا ذکر شروع کر دیا تھا جن سے انہیں محبت تھی ۔ رفتہ رفتہ محبت ہی ہماری گفتگو کا موضوع بن گئی یہ نوجوانوں کا مجمع تھا اور سب لوگ نہایت آزادی اور بے تکلفی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے وکٹر انڈریوچ آتشداں کے قریب بیٹھا ہوا آگ دھکا رہا تھا دفعتاً اس نے ہم لوگوں پر ایک سخت اور غضبناک نظر ڈالتے ہوئے کہا ۔

" عزیزان من! تمہیں محبت کے متعلق اس قسم کی باتیں نہیں کرنی چاہیئیں ۔ انسان کی زندگی میں کوئی شے بھی محبت سے بہتر اور ارفع نہیں اور ہمیں محبت کی ایسی ہی عزت کرنی چاہیئے جیسی کہ اپنی ماں یا اپنے وطن کی ۔ کیونکہ ہر اس شے میں جسے تم عزیز تصور کرتے ہو ۔ خواہ وہ تمہارا وطن ہو یا تمہارے کھیت، تمہارا گھر ہو یا تمہارے اہل و عیال حتیٰ کہ تمہاری زندگی میں بھی محبت ہی جلوہ گر ہے اور تمہیں محبت کے لئے مرنے پر بھی ویسا ہی فخر محسوس کرنا چاہیئے جیسا کہ وطن کے لئے قربان ہونے پر ۔

مشین گن چلانے والے سرپوژان کوسکی نے جو اس وقت محبت کے متعلق غیر محتاط طور پر اظہار خیال کرنے میں پیش پیش تھا وکٹر کو مخاطب کرتے ہوئے جواب دیا ۔

" وکٹر انڈریوچ آپ ناراض نہ ہوں ۔ میرے مذاق کرنے کا انداز ہی یہ ہے اور شاید اس کی وجہ میری رگوں میں حرکت کرنے والا گرم خون ہے "

دراصل میں کسی کو اپنے سینہ سے لپٹا لینے کا آرزو مند ہوں اور اسی لئے کبھی کبھی اس بے تکلفی اور بے احتیاطی کے ساتھ گفتگو کر لیا کرتا ہوں میں جانتا ہوں کہ آپ کے لئے ان باتوں کا سمجھنا دشوار ہے لیکن جوانی کے ایام میں آپ کے خون میں بھی حرکت پیدا ہوتی ہی ہوگی۔

"ڈکٹر انڈریوچ کھڑا ہو گیا" اپنے ہاتھوں پر پڑی ہوئی راکھ صاف کی اور سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔

"سر یوژا ابھی تم نوجوان ہو اور تمہیں بہت سی باتیں سیکھنی ہیں۔ محبت وقت کی قید سے آزاد ہے بشرطیکہ محبت حقیقی ہو"

ڈکٹر انڈریوچ!" اب میں نے کہا " اگر میرا خیال غلط نہیں تو محبت کے متعلق تم جن خیالات کا اظہار کر رہے ہو ان سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں محبت میں کامیابی اور مسرت حاصل ہوئی ہے"

اس نے میری بات کا جواب دینے کی بجائے اپنے چوغہ کے بٹن کھول کر اندر کی جیب سے چمڑے کی ایک تھیلی نکالی اور اس میں سے ایک چھوٹی تختی سے مشابہ کوئی شئے نکال کر اسے میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"مشا! ذرا اسے تو دیکھو!"

میں اس تختی کو روشنی کے قریب لے گیا دھات کے اس چھوٹے سے ٹکڑے پر میناکاری کے ذریعہ ایک شبیہہ بنائی گئی تھی کسی حسین خاتون کی شبیہہ! جس کے حسن، نزاکت اور دلفریبی کا اظہار کم از کم میرے لئے بہت ہی دشوار ہے۔ میں نے محسوس کیا میرے قلب کی حرکت اور خون کی روانی تیز ہو گئی ہے۔ میں اس تصویر کی دلکشی کو مدت العمر فراموش نہیں کر سکتا یہ ایک چھریرے بدن اور موزوں قامت حسینہ کی تصویر

تھی۔ اس کے گھونگر یالے بالوں نیز پتلی اور لمبی گردن نے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیئے تھے اور اس کی بڑی بڑی اور دلکش آنکھوں میں طفلانہ معصومیت کی ایک ایسی چمک موجود تھی جو میں نے کبھی کسی شخص کی آنکھوں میں نہیں دیکھی۔ میں تصویر کو ہاتھ میں لئے ایک مسحور انسان کی طرح کھڑا اپنے ان ساتھیوں کے سانس کی آوازیں سن رہا تھا جو میرے گرد جمع ہو گئے تھے بلاشبہ وہ سب لوگ بھی میری ہی طرح مسحور تھے وہ تصویر ہی ایسی تھی!

"یہ فرشتہ کی شبیہ ہے!" مونیا گرشمین نے لرزتی ہوئی مگر آہستہ آواز میں کہا "ڈکٹر اندریوچ! یہ تو فرشتہ کی تصویر ہے۔ پہلے زمانہ میں فرشتوں کی ایسی ہی تصویریں بنائی جاتی تھیں"

ڈکٹر اندریوچ نے تصویر واپس لے لی اور اسے احتیاط کے ساتھ تھیلی میں رکھ کر تھیلی کو جیب میں ڈال لیا اور میں نے محسوس کیا کہ اس نورانی چہرہ کے مستور ہوتے ہی ہماری خندق میں افسردگی سی چھاگئی۔

"نہیں مونسیا!" ڈکٹر اندریوچ نے اپنے تاثرات کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "اس کے مقابلہ میں فرشتہ کی کوئی حیثیت نہیں یہ ایک شریف خاتون کی تصویر ہے۔ میری بیوی کی تصویر!"

ایک لمحہ کے لئے خندق پر خاموشی طاری ہو گئی۔ پھر کسی شخص نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔

"ہاں! وہ بھی ایسی ہی ہے" ــــــــ اسبمونیا نے دریافت کیا "ڈکٹر اندریوچ! میرا خیال ہے کہ تمہارے بغیر اس کا دل نہ لگتا ہوگا!"

"نہیں مونسیا!" ڈکٹر اندریوچ نے قدرے توقف کے بعد ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا "یہ بات نہیں۔ اسے دوسری دنیا کو سدھارے

ہوئے تیئیس ۲۳ سال گذر چکے ہیں۔ ۱۹۱۸ء میں کریمن چنگ کے مقام پر اسے ایک جرمن نے مار ڈالا تھا . . . . "

ہم نے یہ بات سُنی اور محسوس کیا کہ وکٹر کے الفاظ نے ہمارے دلوں پر بجلی گرادی ہے ہمیں اس کی بات پر یقین نہ آتا تھا . . . . . . جرمن . . . . . فاشی بھیڑیے . . . . . . لیکن کیا انھیں اس فرشتہ صورت خاتون پر بھی ترس نہ آسکا!

" نہیں! نہیں! " مونیا نے ہمارے خیال کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا " ایسا مت کہو۔ یہ ناممکن ہے! "

" نہیں! " وکٹر نے افسردگی کے ساتھ اپنی بات پر اصرار کرتے ہوئے جواب دیا " میں درست کہتا ہوں " جرمنوں نے اسے ہلاک کر دیا ہے! "

وکٹر اندریوچ کے بیان پر شک کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ ہم سب خاموش ہو گئے۔ ایسے خاموش گویا کہ یہ حادثہ ابھی پیش آیا ہے۔ کچھ دیر کے بعد ہمارے شدید اصرار پر وکٹر اندریوچ نے ہمیں بتایا۔

(۳)

" یہ حادثہ کریمن چنگ میں پیش آیا تھا اور وہیں لیزا کے ساتھ میری ملاقات بھی ہوئی تھی میں نوجوان تھا اور مصوری کی ایک درسگاہ سے سند حاصل کرنے کے بعد لڑکیوں کے ایک مدرسہ میں مصوری کا استاد مقرر ہو گیا تھا۔ وہ بھی اسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کیا کرتی تھی اور وہیں ہم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے تھے "

وکٹر ایڈریان نے اپنی محبت کا ذکر جس انداز میں کیا تھا میں اسے بیان نہیں کر سکتا۔ وہ منظر دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا تھا۔ گفتگو کے دوران میں اس کا چہرہ بار بار چمک اٹھتا تھا اور اس کی خود فراموشی سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ خود نہیں بلکہ اس کی روح ہم لوگوں کے ساتھ ہمکلام ہو رہی ہے۔ وہ کہتا رہا۔

"لیزا کے تعلیم سے فارغ ہو جانے کے بعد ہماری شادی ہو گئی، وقت گذرتا گیا جنگ شروع ہو گئی اور جرمنوں نے یوکرین پر قبضہ کر لیا۔

ایک روز ہماری چھوٹی سی بچی کی طبیعت خراب ہو گئی۔ شام کا وقت تھا۔ میں دوا لانے کے لیے جانا چاہتا تھا لیکن لیزا نے مجھے باہر جانے کی اجازت نہیں دی اس نے کہا۔

"تم مرد ہو تم باہر مت جاؤ اگر وہ تمہیں دیکھ پائیں گے تو پریشان کریں گے میں خود جاؤں گی اور عورت سمجھ وہ مجھے کوئی نقصان نہ پہنچائینگے"

میں خود اسے مکان سے ..... باہر بھیجنے پر رضامند نہیں تھا لیکن اس کے اصرار نے مجھے مجبور کر دیا اس نے کہا۔

"ڈاکٹر کی دکان گلی کے دوسری طرف ہی تو ہے میں چشم زدن میں دوا لے کر واپس آجاؤں گی"

میں باغ کے دروازہ تک اس کے ساتھ گیا، شام ہو جانے کے باعث لیمپ روشن ہو چکے تھے لیزا میرے سامنے ہی گلی عبور کر کے ڈاکٹر کی دکان میں داخل ہوئی اور میں اس کی واپسی کے انتظار میں اسی جگہ ٹھہر گیا۔

اسی وقت ایک جرمن سپاہی بغل میں رائفل دبائے لق لق کی طرح

اکڑ کر چلتا ہوا ہماری گلی میں داخل ہوا .... فوراً ہی ڈاکٹر کی دوکان کا دروازہ کھلا اور لیبزا تیزی سے قدم اٹھاتی ہوئی مکان کی طرف بڑھی لیکن .... ابھی وہ سڑک کے درمیان لگے ہوئے برقی لیمپ کے حلقہ نما تاریک سایہ کے نیچے ہی پہنچی تھی کہ جرمن سپاہی نے اپنی رائفل چھتنائی .... گولی چلی۔ لیبزا لڑکھڑاتی ہوئی دو تین قدم آگے بڑھی اور میرے آغوش میں گر پڑی ... اس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ اس نے دو تین لمبے لمبے سانس لئے اور اس کی روح پرواز کر گئی .... !"

دکتر انڈریوچ کی آواز بھرا گئی اور اس کی حالت کو دیکھ کر ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس کے سینہ پر جو زخم لگ چکا ہے وہ کبھی مندمل نہ ہو سکیگا خود ہماری حالت بھی غیر تھی اور ہم اس طرح سانس لے رہے تھے گویا کہ ہمارے گلے میں کوئی چیز اٹک گئی ہے۔ تھوڑی سی دیر تک خاموش رہنے کے بعد اس نے پھر کہنا شروع کیا۔

"دوستو! اس حادثہ کے بعد میں سمجھا کہ جرمن کیسے ہوتے ہیں۔ اب میں انھیں اچھی طرح پہچان گیا تھا اور اسی وقت سے میرے دل میں ان سے نفرت شدید ترین نفرت پیدا ہو گئی ہے۔ میں اب جوان نہیں بلکہ عمر رسیدہ ہوں لیکن اس کے باوجود جرمن حملہ کے تھوڑی ہی دیر بعد میں رائفل اٹھا کر موت اور زندگی کی اس جدو جہد میں ان سے مقابلہ کرنے کے لئے سرخ سپاہیوں کی صف میں آکھڑا ہوا۔ یہ لوگ انسان نہیں بلکہ انسان نما درندے ہیں جنھیں بے غیرتی کے مدرسہ میں قتل و خونریزی، غارت گری و عصمت دری اور وحشیانہ مظالم برپا کرنے کی تعلیم دی

گئی ہے ان میں انسانیت موجود نہیں، وہ متعفن گوشت کھانے والے چوپاؤں سے بھی بدتر ہیں اور انھیں پاگل کتوں کی طرح ہلاک کر دینا چاہیئے۔ پاگل کتوں کی طرح ان پر رحم کرنا ایک ایسا گناہ ہے جس کی تلافی نہیں کی جا سکتی۔ یاد رکھو! دنیا میں زندگی اس وقت تک بارآور نہیں ہو سکتی جب تک یہ انسان نما درندے موجود ہیں —— دوستو! انھیں صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دو! —— اپنے عزیز وطن، اپنے والدین، اپنے وطن کی خواتین غرضیکہ ہر اس شئے کی عزت و حرمت قائم رکھنے کے لئے، جس سے تم محبت کرتے ہو، تمہیں ان وحشیوں کو نیست و نابود کر دینا چاہیئے۔ میں نے اس کام کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا ہے ان کے لئے عفو و کرم کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔

وہ آتش داں کے قریب بیٹھ گیا۔ احساس الم نے اسے اشکبار کر دیا تھا۔ ہم خاموش رہے کیونکہ ایسے موقعوں پر ہمدردی اور تسلی کے الفاظ بھڑکتی ہوئی آگ پر تیل کا کام کیا کرتے ہیں۔ اس وقت لیزا کی صورت ہماری آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہوئی معلوم ہوتی تھی بالکل وہی دلکش اور زاہد فریب صورت جسے ہم کچھ دیر قبل تصویر میں دیکھ چکے تھے اور اس کے عقب میں...... اس حسین صورت کے عقب میں...... ہمیں اپنا عزیز وطن، اپنے دوست اور رشتہ دار، اپنی باعصمت اور بہادر خواتین، اپنے بچے غرضیکہ ہر وہ شئے جو ہمیں محبوب و مرغوب ہے، زندگی سے بھی زیادہ محبوب و مرغوب ہے، ہمیں اپنی مدافعت و حفاظت کے لئے ایثار اور قربانی کی دعوت دیتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

اس شام کو، ڈاکٹر اندریوچ کی غمناک داستان محبت سننے کے بعد ہمیں

معلوم ہوا کہ سچی محبت کیا ہوتی ہے۔

(۴)

دو ہفتہ کے بعد ہم میدان جنگ میں تھے۔ دشمن کی بے پناہ قوّت اور متواتر حملوں نے ہمیں پسپا ہو کر مدافعت کے عقبی مورچوں میں چلے جانے پر مجبور کر دیا تھا اور اس موقعہ پر کسی ایسے شخص کی ضرورت درپیش تھی جو اسی جگہ ٹھیر کر دشمن کو روکے اور ہم سہولت کے ساتھ پسپا ہو سکیں اس خطرناک کام کے لیے جن لوگوں نے اپنی خدمات پیش کیں ان میں وکٹر انڈریوچ بھی تھا۔ اس نے ہمارے دستہ کے کمانڈر سے کہا۔

"کامریڈ کمانڈر! اس معاملہ میں میرا حق مقدم ہے۔ میں ایک عمر رسیدہ شخص ہوں میرے مقابلہ میں ہمارے عزیز وطن کو نوجوانوں کی زیادہ ضرورت ہے اور میں یہاں ٹھیر کر اس کام کو خوش اسلوبی کے ساتھ انجام بھی دے سکتا ہوں پھر آپ میری درخواست کو کیوں منظور نہیں کرتے ؟"

کمانڈر خاموش ہو گیا اور ہم وکٹر انڈریوچ کو اس کی چھوٹی سی خندق میں تنہا چھوڑ کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے روانگی کے وقت میں نے دیکھا کہ لیزا کی تصویر اس کے سامنے ہے اور وہ خود فراموشی کے عالم میں اپنی ہلکی مشین گن سے جرمنوں پر متواتر گولیاں چلا رہا ہے پسپائی کے دوران میں ہمیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا روانگی کے وقت ہم وکٹر انڈریوچ کے پاس گولہ بارود کی بہت بڑی مقدار چھوڑ آئے تھے وہ اسے صحیح طریقہ پر استعمال کر رہا تھا اور اس کی مشین گن چلنے کی آواز نے یہ حقیقت واضح کی کہ وہ دشمن کو سر اٹھانے کی مہلت بھی نہیں دے رہا ہے کچھ دیر کے بعد مشین گن خاموش ہو گئی اب دشمن کو ہمارے تعاقب کا

کا موقعہ مل گیا تھا لیکن اسی وقت ہماری اور فوج پہنچ گئی اور ہم نے جرمنوں پر سنگینوں سے حملہ کر دیا ہمارے دستہ نے سنگینوں کی اس دست بدست لڑائی میں جس جوش کا مظاہرہ کیا ہماری گذشتہ لڑائیوں میں اس کی مثال نہیں ملتی اور میں اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ مقابلہ کا میدان جرمن سپاہیوں کی نعشوں سے پٹ گیا۔ بہت سے جرمن بھاگ گئے اور ہم نے اپنے پہلے مورچہ پر از سر نو قبضہ کر لیا۔ اب میدان صاف تھا ہم بعجلت تمام اس جگہ پہنچے جہاں وکٹر اندریوچ ہماری حفاظت کے لئے ٹھیر گیا تھا۔۔۔۔۔۔ لیکن ۔۔۔۔۔۔

وہ خندق میں پڑا ہوا تھا ـــــ اس کا بے جان جسم ـــــ خشک پتے کی طرح مرجھایا ہوا۔ گولی اس کی پیشانی میں لگی تھی لیکن اس کے زرد چہرہ پر آسودگی اور وقار کی جھلک موجود تھی۔ لیزا کی تصویر اب بھی اسی جگہ رکھی تھی۔ اس کے سامنے لیکن اب اس پر وکٹر اندریوچ کے خون کے دھبے پڑے ہوئے تھے۔

ہم نے وکٹر اندریوچ کو صنوبر ایک درخت کے سایہ میں دفن کر دیا دفن سے قبل ہم میں سے بعض لوگوں نے لیزا کی تصویر کو ایک گنج گرانمایہ اور مصوری کا شاہکار سمجھتے ہوئے دستہ کے لئے محفوظ رکھنے کا خیال ظاہر کیا لیکن مونیا گرشٹیلین نے کہا۔

"دوستو! ہمیں اسے رکھ لینے کا کوئی حق نہیں یہ کامریڈ وکٹر اندریوچ ہی کی چیز ہے۔ اس نے اسی کے لئے اپنی زندگی قربان کی ہے اور اسے اسی کے پاس رہنا چاہیئے۔"

ہم نے اس تصویر کو وکٹر اندریوچ کی انگلیوں میں تھما کر اس کے سینہ پر رکھ دیا نعش کو قبر میں اتارا اور اسے ہمیشہ کے لئے مادر وطن کے آغوش میں دیدیا۔

ہم پھر میدان جنگ میں تھے۔ لیکن ہم نے کامل ایمانداری اور اخلاص سے

ساتھ ایک مرتبہ پھر اس بات کا عہد کیا تھا کہ ہم دشمن سے پوری قوت کے ساتھ لڑیں گے بہادروں کی طرح، مسلسل اور متواتر، موت کا خوف اور زندگی سے محبت ہمارے ارادوں کو متزلزل نہ کر سکے گی۔ ہم دشمن کو چپہ بھر زمین پر بھی قبضہ نہ کرنے دیں گے، ہمارے یہاں ہٹلری درندوں کو کوئی جگہ نہ مل سکے گی، ہم انھیں صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنے کے بعد ہی دم لیں گے اور لیزا، بےگناہ لیزا کی غمناک موت، وکٹر اندریوچ کی قربانی، محبت کی بےبسی اور ہمارے عزیز وطن کی غم انگیز تباہی نے ہم پر جو فرض عاید کیا ہے ہم اسے پورا کریں گے،

وانیا

وہ اپنے چھوٹے سے آتش دان پر پڑا ہوا بے خبر سو رہا تھا کہ آدھی رات کے قریب اچانک اس کی آنکھ کھل گئی کیوں؟ پہلے تو وہ اس بات کو نہیں سمجھ سکا کہ کپکپاتے ہوئے جاڑے کے اس موسم میں آتش دان پر پڑے ہوئے بستر میں بے خبر سوتے ہوئے اچانک اس کی آنکھ کیوں کھل گئی لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد اسے سب کچھ معلوم ہو گیا۔ اس جگہ سے دور ...... بہت دور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ایک آواز پیدا ہوتی تھی۔ شاید جنگل میں کوئی شخص بار بار اپنے کلہاڑے کو کسی درخت کے تنے پر مار رہا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنی دونوں چھوٹی بہنوں نادیا اور زیانا کو جو اسی کے پاس سو رہی تھیں لپٹے ہوئے کوٹ سے ڈھک کر غور کے ساتھ اس آنے والی آواز کو سننے لگا

اس کی چھوٹی بہن زیانا سوتے سوتے شاید کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ کر بڑبڑانے لگی اور پھر اچانک اٹھ کر اس نے ڈر سے کانپتے ہوئے کہا اماں جرمن آ گئے!! سردی کے اس موسم میں بھی وہ پسینہ پسینہ ہو رہی تھی۔ لیکن وہ اصل بات کو سمجھ گیا تھا۔ کل اس جگہ سے کچھ دور جنگل میں چھپے ہوئے گوریلا سپاہیوں نے اسے تبلا دیا تھا کہ اس آبادی سے جرمنوں کو نکالنے کے لئے روسی اپنا توپ خانہ لا رہے ہیں اور اسے یقین تھا کہ وہ جو آوازیں سن رہا ہے وہ روسی سپاہیوں اور توپ خانہ کے چلنے کی آوازیں ہیں۔

اس کا نام وانیا اندریانوف تھا لیکن سب لوگ اسے وانیا وانیا کہہ کر

پکارا کرتے تھے اور اگرچہ اس کی عمر چودہ سال سے زیادہ نہ تھی لیکن وہ ہر بات کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اسے جرمنوں سے نفرت تھی اور وہ اپنے گاؤں کے لوگوں کے ساتھ ان کے برتاؤ کو دیکھ کر انھیں بدمعاش، کمینہ خصلت اور شرارت کا پتلا سمجھنے لگا تھا۔ کل ہی کی بات تو ہے جب جرمنوں نے اس کی چھوٹی بہن نادیا کو لات ماری تھی، اس کی بوڑھی دادی پر آوازے کسے تھے اس کی ماں سے تمام آلو چھین لیے تھے، گھر میں کھانے کی جو چیز بھی مل سکی ہضم کر گئے تھے اور جگہ جگہ پیشاب کر کر کے سارے گھر کو غلیظ بنا دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جب انھیں سمور کا بنا ہوا کوئی کوٹ نظر آجاتا ہے وہ فوراً اسے چھین لیتے ہیں اور سمور کے کالر کو دیکھتے ہی اسے پھاڑ لیے جاتے ہیں، وحشی درندے۔!

جب کوئی جرمن سپاہی ان کے گھر میں گھس آتا تھا تو وانیا آنشدر ان کے پیچھے چھپ جایا کرتا تھا، اس نے اپنا سموری کوٹ بھی ایسی جگہ چھپا دیا تھا کہ کسی کو اس کی ہوا بھی نہ لگ سکتی تھی اور اب وہ اپنے پرانے، بوسیدہ اور برائے نام گرم کوٹ میں تھر تھر کانپتا ہوا پھرا کرتا تھا لیکن وہ خوش تھا بہت زیادہ خوش! اس کے اس بوسیدہ کوٹ میں لمبی لمبی جیبیں تھیں اور یہ جیبیں اس کے مقصد کے لئے مفید تھیں۔ اس نے اور اس کی ماں نے جرمنوں کے آنے سے پہلے آلوؤں سے بھری ہوئی چند بوریاں تہہ خانہ میں چھپا دی تھیں اور اب وہ اپنی انھیں لمبی لمبی جیبوں کو آلوؤں سے بھر کر انھیں روزانہ جنگل میں چھپے ہوئے گوریلا سپاہیوں کے پاس پہنچایا کرتا تھا۔

(۲)

پیش قدمی کرتی ہوئی سرخ فوج کے خوف سے کل جرمن فوج

گاؤں سے چلی گئی تھی۔ لیکن ابھی انھوں نے گاؤں کو خالی نہیں کیا تھا۔ گاؤں کے ہر گھر میں دس جرمن سپاہی متعین کر دیے گئے تھے۔ دانیا اپنے گھر کے دریچہ میں بیٹھا ہوا دیکھ رہا تھا کہ وہ دیواروں میں سوراخ کر کے ان میں مشین گن لگا رہے ہیں۔ جرمن مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے وہ ان کے فریب کو سمجھ گیا۔ جرمن فوج کے گاؤں سے چلے جانے کی خبر سرخ فوج کو مل چکی ہوگی سرخ طیارے ہوا میں منڈلاتے پھر رہے تھے لیکن گھروں میں چھپے ہوئے یہ جرمن بھیڑیے........! ان کا حال تو کسی کو بھی معلوم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ گاؤں کے کسی آدمی کو بھی باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔

دانیا کا مکان گاؤں کے کنارے، ایک ٹیلہ پر واقع تھا اور دریچہ سے منجمد دریا اور برف پوش گھاٹیوں سے سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا گذرنے والا راستہ صاف طور پر نظر آ رہا تھا۔ دانیا دریچہ میں بیٹھا برابر اس راستہ کو دیکھتا رہا۔ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں سرخ فوج جرمنوں کے پھیلائے ہوئے فریب کے جال میں نہ پھنس جائے اور اس کا اندیشہ پورا بھی ہوا۔

دفعتاً اس نے برف جیسے سفید چوغے پہنے کچھ آدمیوں کو نہایت سرعت کے ساتھ برف پہ پھسل کر گاؤں کی جانب آتے ہوئے دیکھا وہ سرخ فوج کے سپاہی تھے۔ بڑی فوج کے پیش پیش رہنے والے سپاہی! وہ گاؤں کے قریب پہنچ گئے تھے لیکن دانیا کو یقین تھا کہ وہ گاؤں میں داخل نہ ہو سکیں گے اور افق پر ان کے نظر آتے ہی جرمن مشین گنیں انھیں ٹھنڈا کر دیں گی۔

"ٹھیرو! ٹھیر جاؤ!" دانیا نے گھر سے نکل کر ان کی طرف دوڑتے ہوئے بلند

آوازسے کہا

لیکن اس کی کمزور آواز سرخ سپاہیوں تک نہیں پہنچ سکی۔ وہ اور قریب آگئے .... دفعتاً مشین گنوں کے چلنے کی آواز آئی اور ان میں سے بہت سے سپاہی وہیں، اسی جگہ ڈھیر ہو گئے۔ وانیا ان کے سفید چوغوں پر بہتے ہوئے خون کو دیکھ رہا تھا لیکن وہ خوفزدہ نہیں ہوا وہ سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں کے عقب میں آنے والی بڑی سرخ فوج کو اس فریب کا شکار ہونے سے کس طرح بچایا جائے۔

پیش پیش رہنے والے اس دستہ کے عقب میں بڑی سرخ فوج آرہی تھی آنے والے سپاہیوں کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ ان کے ساتھی ہلاک ہو چکے تھے وہ اطمینان کے ساتھ پیش قدمی میں مصروف تھے وانیا نے انہیں دیکھا اور بلا توقف دوڑتا ہوا ان کی طرف چلا تاکہ پہاڑی کے دامن میں پہنچ کر انھیں خطرہ سے آگاہ کر سکے۔ ایک مرتبہ پھر مشین گنیں چلنے کی آواز آئی اور وانیا لڑکھڑا کر برف پر گرتا ہوا نظر آیا اور اس کی چھوٹی بہنوں نے جو دریچہ میں بیٹھی ہوئی اسے دیکھ رہی تھیں گھبرا کر ماں کو پکارتے ہوئے کہا۔

"اماں! وانیا ہلاک ہو گیا ہے"

(۳۲)

وانیا لڑکھڑا کر برف پر گرا ضرور تھا لیکن گولی لگنے سے نہیں بلکہ جان بوجھ کر دشمن کو بے وقوف بنانے کے لئے۔ اب وہ ان کی نظر سے بچ کر، برف پر لڑھکتا ہوا پیش قدمی کرتی ہوئی سرخ فوج کی طرف جارہا تھا۔ کچھ

دیر کے بعد وہ اٹھا اور تھوڑی دور پیدل چلنے کے بعد اس نے بلند آواز سے کہا "آگے مت بڑھو! آگے خطرہ ہے!"

فوج کے کمانڈر نے جواب دانیا کے قریب پہنچ گیا تھا اسے غور کے ساتھ دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم جھوٹ تو نہیں بول رہے ہو؟"

"نہیں!" دانیا نے معصومانہ انداز میں جواب دیا "میں جھوٹ نہیں بولتا میں تو جنگل میں چھپے ہوئے گوریلا سپاہیوں کو روزانہ آلو لے جا کر دیا کرتا ہوں"

"اچھا!" کمانڈر نے اس کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر کہا "اگر یہ بات ہے تو تم ہمیں کوئی ایسا راستہ بتاؤ جو پہاڑی کے عقب سے گذرتا ہو تاکہ ہم جرمنوں پر انکی پشت کی طرف سے حملہ کر سکیں"

دانیا کچھ دیر تک خاموش کھڑا رہا گویا کہ وہ کسی اہم معاملہ پر غور کر رہا ہے۔ پھر اس نے کمانڈر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میرے پیچھے پیچھے چلے آیئے۔ میں آپ کو ایک ایسے راستہ سے لے چلوں گا جسے جرمن نہیں جانتے"

گاؤں کے قریب ایک خشک برساتی نالا تھا، گہرا اور تنگ نالا۔ دانیا ان لوگوں کو اسی نالے کے راستہ سے گاؤں کے اس طرف لے آیا جہاں دشمن کی مشین گنیں انھیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتی تھیں اور پہلے ہی حملہ میں دشمن نے ہتھیار ڈال دیے۔

گاؤں کے مکانوں اور تہ خانوں سے نکل نکل کر لوگ، اپنے نجات دہندہ سرخ فوج کے سپاہیوں کا شکریہ ادا کرنے کے لئے راستہ پر جمع ہو رہے تھے۔ دانیا کی ماں اور دونوں بہنیں بھی انھیں لوگوں میں موجود تھیں، لیکن

افسردہ۔ وہ دانیا کو مردہ یقین کر چکی تھیں لیکن کمانڈر کی انگلی پکڑے اسے مجمع کی طرف آتا ہوا دیکھ کر ان کی حیرت اور مسرت کی انتہا نہ رہی۔

مجمع کے قریب پہنچ کر کمانڈر نے دانیا کے شانہ کو تھپکتے ہوئے کہا "ہم سب کو دانیا کا شکر گزار ہونا چاہیے، دانیا کا! ہم یہاں دانیا ہی کی بدولت بغیر نقصان اٹھائے پہنچنے میں کامیاب ہوئے ہیں اور اس نے جرمنوں کو شکست دینے میں ہماری مدد کی ہے تمہارا دانیا ہیرو ہے"

دانیا مسکرایا، نادیا اور زیانا اسے حیرت کے ساتھ تک رہی تھیں شاید انھیں اس بات کا یقین نہ آتا تھا کہ وہ ان کا بھائی دانیا ہی ہے۔

گُم نام!

میجر گرنین چک کے بم بار دستہ کے لیے یہ زمانہ غیر معمولی مصروفیت کا زمانہ تھا۔ اس دستہ کے ہوابازوں کو فرصت اور اطمینان کے چند لمحے بھی بمشکل ہی میسر ہوتے تھے، ان کی داڑھیاں بڑھی رہتی تھیں، کسلمندی کے باعث ان کے چہرے مرجھائے ہوئے نظر آتے تھے، نیند سے مغلوب ہوکر وہ یا تو اپنے طیاروں کے سایہ میں گھاس ہی پر لیٹ جاتے تھے، یا پرواز کے دوران میں اونگنا شروع کر دیتے تھے حتیٰ کہ اس زمانہ میں انھیں شکم سیر ہوکر کھانے اور لباس تبدیل کرنے کی مہلت بھی نہ ملتی تھی۔

انھیں ایک پرواز سے واپس آئے دیر نہ ہوتی تھی کہ دوسری مہم پر روانگی کا حکم مل جاتا تھا اور اپنے مستقر پر موجودگی کا یہ مختصر سا وقت بھی انھیں روانگی کی تیاری میں صرف کر دینا پڑتا تھا اور جس طرح بوجھ لادنے کے باعث بھاڑے کے ٹٹو کے بال اڑ کر کھال پر سیاہ داغ چھوڑ جاتے ہیں اسی طرح اس فضائی مستقر کے لہلہاتے ہوئے سبز کھیت بھی طیاروں کی بکثرت آمد و رفت کے باعث داغ دار بن گئے تھے کسی طیارے کی واپسی کے وقت نہ زخمی ہوابازوں اور مشین گن چلانے والوں کو شفاخانہ پہنچانے کے لیے ایمبولینس کار موجود تھی۔ زخمیوں کو سوار کراتے ہی چند دوسرے بہادر نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے ان دلیر ساتھیوں کی جگہ پہنچ جاتے تھے اور زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ میں طیارہ پھر ہوا میں پرواز کرتا ہوا نظر آتا تھا۔

بڑے بڑے جواصلوں کی طرح جنکر (جرمن بمبار طیاروں کا نام) دن رات ہمارے شہروں پر منڈلاتے رہتے تھے۔ طیارہ شکن توپوں کی گرج اور دھاردار گولیوں کی سنسناہٹ سے فضا میں قیامت کا شور برپا رہتا تھا اور ہمارے طیارے شب و روز جرمن طیاروں کو ہوا میں روکنے سرخ فوج کو ان کے حملوں سے محفوظ رکھنے، خود دشمن کو تباہ کرنے اور فضا کے لامحدود سمندر میں بے شمار ہوائی راستوں پر ان کی آمد و رفت کو مسدود کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ اس زمانہ میں اکثر اوقات اس دستے کے تیز رفتار بمبار طیارے محافظ ہوائی جہازوں کے بغیر ہی پرواز کیا کرتے تھے۔ عام طور پر گردوپیش کے ہوائی اڈوں پر رہنے والے جنگ آزما طیارے کسی نہ کسی مہم کی تکمیل میں مصروف ہوتے تھے اور میجر گربین چک ان کے انتظار میں اپنا وقت ضائع نہیں کر سکتا تھا۔

یہ ہے ان ہوابازوں کی زندگی کا ایک دھندلا سا خاکہ جو میجر گربین چک کے ماتحت محاذ جنگ کی پہلی صف کے ایک ہوائی مستقر میں رہ کر لڑائی میں حصہ لے رہے تھے نواحی جنگل میں بلبلوں کے چہچہوں کے ساتھ توپ خانہ کی آتش باری کے وقت رعد آسا آوازیں بھی آتی رہتی تھیں اور ایسے اوقات میں نگاہوں کے روبرو آگ کی ایک بلند دیوار قائم ہو جاتی تھی دریائے ڈنیپر میں بلند ہونے والی موجوں کی طرح آگ کی بلند دیوار لیکن انمیں سے کوئی چیز بھی ان دلیر ہوابازوں کی مصروفیت میں حائل نہ ہوتی تھی۔

(۲)

ایک شبنم افشاں صبح کا واقعہ ہے۔ ابھی اس مستقر کے ہوا باز آرام کرنے کے

بعد اپنے اپنے طیاروں کے بازوؤں کے نیچے سے نکل ہی رہے تھے کہ مستقر کے ایک گوشہ میں انھیں ایک چھوٹا سا جنگ آزما طیارہ کھڑا ہوا دکھائی دیا۔ اس طیارہ کی موجودگی سب کے لئے حیرت کا موجب تھی۔ نہ معلوم یہ کس طرح اور کہاں سے آگیا تھا؟۔

ابھی یہ لوگ طیارے کی طرف دیکھ ہی رہے تھے کہ اس کے پہلو میں ہوا باز بھی کھڑا ہوا نظر آیا۔ وہ اوسط قد کا ایک مضبوط نوجوان تھا اس کی ناک بڑی اور چپٹی تھی اور آنکھیں اس شفاف اور غیر مکدر پانی کی طرح چمک رہی تھیں جو بہار کے موسم میں دریاؤں کی طوفانی روانی کے بعد میدانوں میں پڑے ہوئے گڑھوں میں باقی رہ جاتا ہے اور صبح کے وقت اس میں پڑی ہوئی کنکریوں کو بھی شمار کیا جا سکتا ہے۔ اس مستقر کے ہوا بازوں کو دیکھ کر نووارد نے اپنا آہنی خود اتارتے ہوئے دریافت کیا۔

"ساتھیو! کیا حال ہے؟" اس کے انداز گفتگو میں بے تکلفی کے ساتھ ساتھ متانت اور سنجیدگی بھی پائی جاتی تھی۔

"اچھا ہے!" لیفٹننٹ شمیدوب نے آگے بڑھتے ہوئے جواب دیا "لیکن تم کلاہ باراں کی طرح رات ہی رات میں کہاں سے نمودار ہو گئے؟"

"تمہاری اس قیام گاہ کی کشش کھینچ لائی!" نووارد نے ہنستے ہوئے جواب دیا "لہلہاتے ہوئے کھیت، شاداب درخت اور بلبلوں کی نغمہ سنجیاں کتنی اچھی جگہ ہے! لیکن کیا کسی کے پاس سگرٹ موجود نہیں؟ خدا کی قسم ....!"

اور ایک ہوا باز کے ہاتھ سے نہایت بے تکلفی کے ساتھ سگرٹ لے کر اسے پیتے ہوئے اس نے بتایا۔

"کل ایک حملہ کے دوران میں میرے طیارہ کے انجن کو نقصان پہنچ جانے کے باعث مجھے گوبھیوں کے ایک کھیت میں اترنا پڑا جس کی وجہ سے تمام گوبھیاں کچلی گئیں اور کھیت کی مالک بوڑھی عورت کو سخت نقصان ہوا میرے انجن میں لگی ہوئی تیل کی نلکی پھٹ گئی تھی۔ غروب آفتاب کے قریب میں اس کی مرمت سے فارغ ہوا اور اس کے بعد جب میں اپنے مستقر پر واپس گیا تو وہاں کوئی بھی موجود نہ تھا۔ میری ریجمنٹ کسی دوسری جگہ منتقل ہوگئی تھی اور اس مقام پر جرمن توپیں آتش باری کر رہی تھیں"

وہ خاموش ہو گیا، ایک لمحہ کے لئے شاید وہ اس سرگذشت کو پورا کرنے کے لیے الفاظ تلاش کر رہا تھا لیکن فوراً ہی اس نے پھر کہنا شروع کیا۔

"عجیب مصیبت درپیش ہے، خدا کی قسم میں خود کو اس شخص کے مصداق تصور کرتا ہوں جو بالکل عریاں رہ گیا ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے اب کہاں جانا چاہیے خدا کی قسم مجھے اس بات کا مطلق اندازہ نہیں کہ میری چھوٹی سی رجمنٹ نے اپنا مستقر کس جگہ بنایا ہے! بہرحال میرے اس مفلوج طیارہ کو بھی تیل کی ضرورت ہے اور ہاں!" اس نے انجینیر کی طرف مخاطب ہو کر کہا" کامریڈ انجینیر! آپ اس کی نلکی درست کر دیجئے، پھر میرے لئے تھوڑے سے گولہ بارود کا انتظام بھی کرنا پڑے گا...... مختصر یہ کہ ایک ننھی سی، بے کس جان پر جسے اس کے والدین سے علیحدہ کر دیا گیا ہے رحم کرنا چاہیئے لیکن دوستو! کسی کے پاس سگرٹ بھی ہے؟ خدا کی قسم......!"

اس کی اس افسوس ناک داستان کو سن کر جس کے دوران میں وہ بار بار قسمیں کھاتا رہا تھا، ہوا باز متاسف ہونے کی بجائے ہنس پڑے اور انجینیر نے تمباکو کا بٹوہ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

"کامریڈ! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں تمہارا یہ مفلوج پرندہ صحتیاب ہو جائے گا!" . . . . اسی وقت ہوابازوں کو پرواز کا حکم ملا اور وہ بعجلت تمام اپنے طیاروں میں سوار ہو گئے

"محافظ طیارے کہاں ہیں؟" نووارد ہواباز نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرتے اور مستقر کے ذمہ دار افسر کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"ہمارے یہاں حفاظت کرنے والے طیارے موجود نہیں!" افسر نے اپنے پر کربنی لہجہ میں آہستہ سے جواب دیا "ہمارے تمام لشکرے پہلے ہی کام میں لگے ہوئے ہیں"

"خدا کی قسم یہ بات تو مناسب نہیں!" نووارد نوجوان نے فوراً کہا اور پاگلوں کی طرح دوڑتا ہوا ہوائی جہازوں کو تیل تقسیم کرنے والے شخص کی طرف روانہ ہو گیا۔

"جلدی کرو بابا!" اس نے اس شخص سے کہا "جلدی۔ میرے چیکا میں بھی تیل بھردو، میں تمہاری ہر بات مان لینے کے لئے آمادہ ہوں اور . . . . . اور . . . . خدا کی قسم اگر تم چاہو تو میں تمہیں اس بات کا یقین دلانے کے لئے بھی تیار ہوں کہ تم دنیا کے حسین ترین انسان ہو!"

چند ہی لمحوں کے بعد، ان بمبار طیاروں کے ہوابازوں نے جو مغرب کی سمت اپنے نشانہ کی طرف پرواز کر رہے تھے ایک عجیب چیز دیکھی . . . . چیکا . . . . . . ایک چھوٹا سا جنگ آزما طیارہ جوان کے دوش بدوش پرواز کر رہا تھا۔ کچھ دیر تک یہ طیارہ ایک بمبار ہوائی جہاز کے بازو کے سایہ میں پرواز کرتا رہا، پھر بلند ہو کر اس کے اوپر پہنچ گیا اور چند ہی لمحوں کے بعد نہایت ہوشیاری کے ساتھ چکر کاٹ کر اس ٹکڑی کی حفاظت

کرنے لگا۔ اب حیرت زدہ شمیم دب اپنے مہمان کو پہچان گیا تھا اس نے ہلستے ہوئے کہا
"اچھا! حضرت کو ہماری حفاظت کرنے کا خبط سوار ہوا ہے!"

نووارد نوجوان کا چھوٹا سا جنگ آزما طیارہ' چیکا اسی طرح منزل مقصود تک پہنچا اور جب دشمن کی ان طیارہ فگن توپوں نے جو روسی بمباروں کی منزل مقصود' گھاٹ کی حفاظت کر رہی تھیں قیامت خیز آتش باری شروع کی تو اس نے غوطے لگا لگا کر انھیں خاموش کر دیا اپنے سروں کے بالکل قریب ہی منڈلانے والے طیارہ کو دیکھ کر دشمن توپچیوں کے حواس باختہ ہو گئے اور جب یہ بمبارا اپنے کام سے فارغ ہو کر اس راستہ سے جسے مغلوب الغضب جرمنوں کی آتش باری جہنم کا نمونہ بنا رکھا تھا۔ اپنے مستقر کی جانب واپس ہوئے۔ تو یہ بہادر ہوا باز' ایک ایک طیارہ کے قریب پہونچکر مخصوص اشاروں سے انھیں اس بات کا یقین دلاتا رہا کہ ان کی یہ مہم امید سے زیادہ کامیاب رہی ہے۔

(۳)

نووارد ہوا باز' بمبار طیاروں سے پہلے ہی مستقر پر پہنچ گیا تھا اور اب ان کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اپنے ساتھیوں کو زمین پر اترتے ہوئے دیکھ کر اس نے اپنی ٹوپی اتار لی۔ اس وقت آفتاب کی شعاعیں اس کے گھونگر یالے بالوں میں رقص کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ اس نے آنے والوں کی طرف بڑھ کر ہنستے ہوئے کہا۔

"ساتھیو! بہت خوب! تم نے تو انھیں چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا۔ تم نے دیکھا

کہ وہ غصہ میں کیسے بدحواس ہو گئے تھے اور بلندی پر گولہ باری کرنے والی مشینوں سے بھی کام لینے لگے تھے؟ خدا کی قسم یہ لوگ حواس باختہ ہو کر کیسی کیسی پر لطف حرکتیں کرتے ہیں۔"

وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا اور اس کے دانت، برف کی طرح سفید دانت، سورج کی روشنی میں شیشہ کی طرح چمکنے لگے۔

"میرے عزیز!" ہوا باز دستے کے کمانڈر نے بمشکل اپنے چہرہ پر خشونت کے آثار پیدا کرتے ہوئے کہا "یہ بات بات پر قسم کھانے کی عادت ترک کر دو! کامریڈ لیفٹننٹ! میں پوچھتا ہوں کہ اس طرح پرواز کرنے سے تمہارا مقصد کیا تھا؟ تم جانتے ہو کہ تمہارا طیارہ قابل اطمینان پرواز کے قابل نہیں اور تم نے ہمیں یہ بھی بتایا تھا کہ تمہاری توپ کو بھی نقصان پہنچا ہے۔ پھر..... ؟"

"ہاں!" اس نے کمانڈر کی بات کاٹ کر جواب دیا "اسے داغنے میں تھوڑی سی دشواری پیش آتی ہے"

اس کی آنکھوں میں معصومانہ شرارت کی چمک پیدا ہو گئی تھی۔ وہ اپنی جگہ کھڑا ہوا مسکراتا رہا۔

کمانڈر نے چیکا کے قریب جا کر توپ کو دیکھنا شروع کیا اور کچھ دیر کے بعد اس نے تعجب آمیز لہجہ میں کسی قدر بلند آواز سے کہا۔

"خدا کی پناہ! یہ توپ تو بالکل ہی بیکار ہے!"

"درست!" ہوا باز نے آہستہ سے جواب دیا "یہ بیکار ہی ہے۔ یہ کل ایک سخت لڑائی کے دوران میں بیکار ہو گئی تھی"

"پھر تم نے اس حالت میں کیوں پرواز کی؟" کمانڈر نے دریافت کیا۔

"کامریڈ کمانڈر!" ہوا باز نے مودبانہ طریقہ پر جواب دیا "مرمت کے لئے وقت

نہیں تھا اور آپ کے لیے محافظ کی ضرورت تھی پھر مجھے کوئی نقصان بھی نہیں پہنچا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ میری چال میں آگئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ !"

"خیر!" کمانڈر نے کہا " اس مرتبہ تو تمہیں معاف کیا جاتا ہے حالانکہ تمہیں کم از کم دس روز کی سزا ضرور ملنی چاہیئے تھی لیکن آئندہ اس قسم کی حرکت نہ کرنا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اچھا! تمہارا نام کیا ہے ؟

"نام؟ میرا نام؟" اس نے ذرا توقف کے بعد مصافحہ کے لئے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا " پیٹر! مجھے پیٹر سمجھ لیجیے"

انجینئر اور اس کے معاون رات بھر ہیٹر کے طیارہ کی مرمت میں مصروف رہے۔ انھیں حیرت تھی کہ وہ ایک ایسے طیارہ کو جو گولیوں سے چھلنی بنا ہوا ہو اور جس کی تیل کی نلکی پر جگہ جگہ پٹیاں باندھی گئی ہوں کس طرح اڑا سے گیا۔ کمانڈ نے ہیڈکوارٹرز سے پیٹر کی رجمنٹ کی موجودہ قیام گاہ کا پتہ دریافت کیا اور جواب موصول ہونے تک اسے دوسرے دستہ کی قیام گاہ میں ——— جو بمبار طیاروں کے طویل و عریض بازؤں کے سایہ میں سبز گھاس پر واقع تھی ——— رات بسر کرنے کی اجازت دے دی گئی اور اسے اس عجیب و غریب قیام گاہ کی طرف آتے ہوئے دیکھ کر شمیدوب نے ازراہ تمسخر کہا۔

"بیچارہ اپنی کے بچہ کی طرح مارا مارا پھر رہا ہے"

(۴۷)

صبح کے وقت جب ہمارے دیوہیکل بمبار طیارے اپنی مہم پر روانہ ہوئے تو ہیٹر کا چیکا ان کی حفاظت کے لئے موجود تھا۔ لیکن کسی کے حکم سے نہیں بلکہ صرف اپنے ضمیر کی آواز کو لبیک کہتے ہوئے! اس اکیلے ہوا باز کو پورے

دستہ کی حفاظت کے لئے بھیج ہی کون سکتا تھا ؟ اس مہم کے دوران میں بھی اس نے غیر معمولی سکون واستقلال اور جرأت و دلیری کے ساتھ اپنا فرض انجام دیا اور واپسی کے وقت پھر اپنے ساتھیوں کو اشاروں ہی اشاروں میں ان کی کامیابی کا یقین دلاتا رہا۔ مستقر پر واپس آجانے کے بعد اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا "دوستو! مجھے دلیر ساتھیوں کی معیت میں دشمن کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے جو لطف حاصل ہوتا ہے وہ اور کسی بات میں حاصل نہیں ہوتا!"

پیٹیر کے اس ہمت افزا جملہ پر اس کے تمام ساتھی مسکرا دئے۔

پیٹیر کو یہاں آئے ہوئے دو روز گذر چکے تھے' اس کے دستہ کی نئی قیام گاہ کا پتہ مل گیا تھا اور کل وہ واپس جانے والا تھا لیکن تقدیر کا حال کون جانتا ہے! آج وہ آخری مرتبہ اپنے دوستوں کی حفاظت کے لئے پرواز کر رہا تھا اپنے طیارہ کے انجن کے شور کے باوجود اس نے بمبار طیاروں کو مجاہدانہ شان کے ساتھ نشانہ کی طرف پرواز کرتے دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا اور ان کے ساتھ ساتھ پرواز کرنے لگا۔ اب بمبار طیارے دشمن کے سر پر اڑ رہے تھے اور انھوں نے اپنا ہلاکت خیز بار ہلکا کرنا شروع کر دیا تھا کہ دفعتاً پیٹیر نے کسی وجدانی تحریک کی بنا پر ایسا محسوس کیا کہ خود وہ اور اس کے ساتھی خطرہ سے دوچار ہونے والے ہیں۔ اس نے پشت پھیر کر دیکھا تو عقب میں کسی قدر بلندی سے جرمن ٹیاںـ ون' مزرشمٹ اور ہنکیل کا ایک گروہ جن کے انجنوں سے خوفناک شور بلند ہو رہا تھا اور جن کے بازوؤں نے نصف آسمان کو چھپا رکھا تھا روسی ہوا بازوں پر جھپٹتا ہوا نظر آیا۔

"خدا کی قسم یہ تو بمباری میں حائل ہوں گے!" پیٹیر نے ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کہا" یہ تو انھیں بالکل ہی روک دیں گے۔ خدا کی قسم یہ تو بہت اچھا موقع ہے

اور ایک حیرت انگیز قلا بازی کھا کر وہ جرمن طیاروں کے اس جھنڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے پینیٹر کا طیارہ ایک شعلہ جوالہ کی طرح اس جھنڈ کے چاروں طرف گردش کرنے لگا۔ اچانک ایک میسرشمٹ جھنڈ سے علیحدہ ہو کر سر کے بل نیچے کی طرف چلا اس کی دم سے دھواں برآمد ہو کر فضا میں ایک سیاہ لکیر کی طرح پھیلتا جا رہا تھا۔ چشم زدن میں یہ دیو ہیکل طیارہ زمین پر تھا۔ روس کی سرزمین پر جس کا یہ حصہ سنگریلی چٹانوں اور صنوبر کے درختوں سے پٹا پڑا تھا۔ زمین نے اس ناخواندہ مہمان کو بھی فوراً آغوش میں لے لیا۔ اس طیارہ کے ہوا باز کا جسم اسی سیاہ مٹی میں پڑے پڑے سڑ جائے گا اور اس کی ہڈیاں تیز رفتار چشموں میں غسل کرتی رہیں گی حتیٰ کہ اس کی کھوپڑی چونے کی طرح سفید ہو جائے گی اس کی آنکھوں کے حلقوں میں سے ہو کر پانی بہتا رہیگا ان حلقوں میں سے جس میں کبھی دو حریص آنکھیں چمکا کرتی تھیں اور اس کا سڑا ہوا گوشت زمین کے لئے کھاد کا کام دے گا۔ البتہ اس کے فوجی بوٹوں کی آہنی میخیں ضرور باقی رہ جائیں گی اور عرصہ دراز کے بعد جب کوئی کاشتکار ہل چلاتے ہوئے انھیں دیکھ پائے گا تو وہ اپنے بچوں سے کہے گا۔

"ان فاشی سپاہیوں کے فوجی بوٹوں میں لگی ہوئی میخیں اگرچہ بہت زیادہ مضبوط ہوتی تھیں لیکن روس کی مٹی نے انھیں زنگ آلود بنا دیا ہے!"

پہلے جرمن طیارہ کے بعد ہی دو اور طیارے گرتے ہوئے نظر آئے اور اس تیسرے ہوائی جہاز کو آتشی گولے کی طرح زمین کی طرف جاتا ہوا دیکھ کر پینیٹر نے آہستہ سے کہا۔

"یہاں تو سنگتے رہنے کے لئے کافی ایندھن جمع ہو چکا ہے۔ آج شام کو جب

سب لوگ کھانے کی میز کے گرد جمع ہوں گے تو انہیں کس قدر مسرت ہو گی۔ اب چل کر دیکھنا چاہیئے کہ وہ لوگ کیا کر رہے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس نے اپنے طیارہ کا رخ پھیرا۔ روسی ہوا باز جن پر سرخ ستارے بنے ہوئے تھے، ماہرانہ انداز میں نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ پرواز کرتے ہوئے اپنے نشانہ پر بم باری میں مصروف تھے۔ اس نے مڑ کر اپنی پشت کی طرف دیکھا لیکن اس بہادر جنگجو ہوا باز کے لیے یہ لمحہ منحوس تھا فوراً ہی ایک تپتی ہوئی گولی اس کی گردن میں پیوست ہو گئی دوسری باڑھ نے اس کی مشین کو تقریباً بیکار بنا دیا اور یہ چھوٹا سا طیارہ زمین کی طرف گرنے لگا۔ خطرناک طور پر زخمی ہو جانے کے باوجود اس نے ہمت نہیں ہاری، اس کے حواس قائم رہے اور طیارہ سے کود جانے کے لیے اپنے لمحہ بہ لمحہ کمزور تر ہوتے جانے والے ہاتھوں سے جھٹکا دے کر اس نے چھتری کھول لی۔ اب وہ اپنے عزیز وطن کی ارض و سما کے مابین فضا میں معلق تھا۔

"اچھا! خدا کی قسم میں تو ابھی زندہ ہوں!" اس نے زیر لب کہا۔ اس وقت اس کی گردن کے زخم سے خون بہہ بہہ کر اس کی پشت کو تر کر رہا تھا۔

دفعتاً جرمنوں نے اس پر مشین گن سے گولیوں کی بوچھاڑ شروع کر دی جرمن طیاروں کے جھنڈ سے الگ ہو کر تین مزید سمٹ اس گرتے ہوئے ہوا باز کی طرف جھپٹے اور اس کے سر پر چکر لگا لگا کر گولیاں چلانے لگے۔ پیٹر نے محسوس کیا کہ ایک گولی اس کی پشت میں داخل ہو کر پار نکل گئی ہے، اس نے اپنا سر اٹھا کر آخری مرتبہ اپنے وطن کے نیلے آسمان، روشن سورج اور خوش منظر جنگل کو دیکھا اور اس کی روح پرواز کر گئی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

روسی بمبار طیارے جنپر سرخ ستارے بنے ہوئے تھے اپنا کام ختم کرنے کے بعد دور .... بہت دور اطمینان وسکون کے ساتھ پرواز میں مصروف تھے .... اس دلیر ہوا باز نے انھیں ہر خطرہ سے محفوظ رکھا تھا۔

روسی بمبار طیارے اپنے مستقر پر واپس جارہے تھے لیکن اب انکا بہادر محافظ، انھیں اشارہ دل ہی اشاروں میں ان کی کامیابی کا یقین دلانے والا ساتھی ان کے دوش بدوش پرواز نہیں کر رہا تھا اس غیر مفتوح ہوا باز کی خون آلود نعش جسے سیاہ قلب دشمن نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا محدود فضا میں جھکولے کھا رہی تھی آفتاب کی سنہری کرنیں اسے بوسے دیتی اور اس پر سونا نچھاور کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں اور اس حسین مگر المناک منظر کو میلوں دور سے دیکھا جا سکتا تھا۔

اس رات کو کھانے کی میز کے گرد بیٹھے ہوئے سب لوگ غمناک طریقہ پر خاموش رہے کسی نے بھی پیٹر کا ذکر نہیں کیا لیکن ہر شخص کے دل میں اس کی جدائی، دائمی جدائی کا احساس نشتر چبھو رہا تھا باورچی نے میز پر پیٹر کی پلیٹ بھی رکھی اور حسب معمول تلے ہوئے آلوؤں کے پاس اس کے لئے دودھ کا پہیں چھوٹے چھوٹے گلاس بھی رکھے گئے اور دودھ کا سے بھرے ہوئے یہ تینوں گلاس رات بھر اسی جگہ رکھے رہے

تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جب ہوائی جہازوں کی قات دور ہوگئی ہزار ہا روسی طیارے ہوا میں پرواز کرتے ہوئے نظر آنے لگے تو میجر گریلن جنگ کے دستہ کے ہوا باز، غمناک مسکراہٹ کے ساتھ ان تاریک ایام کو یاد کیا کرتے تھے جب ایک چھوٹا سا جنگ آزما طیارہ ان کی حفاظت کے لئے تنہا ان کے دوش بدوش پرواز میں مصروف رہتا تھا۔ پیٹر کا چھوٹا سا طیارہ

دستہ کے کمانڈر، کیسار اور دوسرے افسروں نے پیٹر، وطن پر قربان ہو جانے والے پیٹر کو اس کی بہادری کے صلہ میں تمغہ دلانے کا فیصلہ کیا تھا کیسار پیٹر کے دلیرانہ کارناموں کو قلمبند کر رہا تھا۔ کمانڈر نے کہا۔
"ہاں! لکھیے، لیفٹننٹ پیٹر...... لیکن ذرا ٹھہریئے اس کا پورا نام کیا تھا"
"آپ ہی غور کیجیے!" کیسار نے ذرا رک رک کر کہا "مجھے تو معلوم نہیں۔ لیکن شاید اس کا نام وزیلیف...... نہیں پیڑوف تھا...... میں نے اس کے کاغذات تو ضرور دیکھے تھے لیکن مجھے نام یاد نہیں رہا۔"
"میرا خیال ہے کہ اس کا پورا نام گریگوریف پیٹر تھا" کمانڈر نے پھر کہا "لیکن آپ کوئی نام لکھ دیجیے"
"آئیونوف تو نہیں تھا؟" کیسار نے پاس کھڑے ہوئے ہوابازوں کی طرف دیکھتے ہوئے سوالیہ لہجہ میں کہا لیکن اس کا پورا نام کسی کو بھی معلوم نہیں تھا
کیسار نے یہ سفارشی تحریر ختم کر دی اور اسے کمانڈر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
"کامریڈ میجر! میں نے اس تحریر کو ایسے الفاظ میں قلمبند کیا ہے کہ کامریڈ اسٹالن اپنے اس گمنام مگر دلیر فرزند کے کارناموں سے اچھی طرح آگاہ ہو جائے"

زخمی ہاتھ!

سردی اس غضب کی پڑ رہی تھی کہ گرم دستانوں کے باوجود ہاتھ ٹھٹھرے جاتے تھے' ناہموار اور تنگ راستہ کو جس کے دونوں طرف بڑے بڑے ہولناک غاروں کو برف نے فریب دہ انداز میں چھپا رکھا تھا' شب دو روز کی آمد و رفت کی بدولت پڑ جانے والے گڑھوں نے تقریباً ناقابل گذر بنا دیا تھا' دیو پیکر درختوں کی جھکی ہوئی ڈالیاں آنے جانے والی فوجی گاڑیوں سے ٹکرا کر ان کی چھتوں پر پڑی ہوئی برف کے حجم میں اضافہ کر دیتی تھیں اور اس حالت کو دیکھ کر یہ شبہ ہونے لگتا تھا کہ گرد و پیش کا گھنا جنگل اس تنگ راستہ کی طرف بڑھا آرہا ہے۔

موٹر چلانی شروع کرانے کے بعد سے اس وقت تک اسے بیشمار راستوں سے گذرنا پڑا تھا۔ اچھے برے بے شمار راستوں سے لیکن وہ ایسے تنگ ناہموار' خستہ و شکستہ اور دشوار گذار راستہ سے کبھی نہ گذرا تھا مگر ...... ؟ اب دن رات اسے اسی راستہ پر سفر کرنا پڑتا تھا — ایک گھوڑے کی طرح! واپسی پر وہ اپنی مرطوب' تاریک اور لوگوں سے بھری ہوئی خندق میں اپنے درماندہ ساتھیوں کے مابین پہنچ کر کسی گوشہ میں بمشکل ہی آرام کرنے کے لئے لیٹتا کہ فوراً ہی کوئی نہ کوئی شخص اسے آواز دے لیتا اور اسے پھر اسی راستے — اسی تنگ ناہموار اور دشوار گذار راستہ پہ روانگی کا حکم مل جاتا' راہ سونے کا معاملہ تو ایسے مواقع پر وہ اپنے

دل کو یہ کہہ کر تسلی دے لیا کرتا تھا کہ اب کام کا وقت ہے اسے ہاتھ سے نہیں دینا چاہیئے۔ نیند تو پھر بھی آجائے گی وہ یہ کہنے کے لئے بھی تیار نہیں تھا کہ۔ ذرا توقف کیجئے ایسی جلدی ہی کیا ہے؟ —— کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر توقف کی گنجائش ہوتی تو اسے روانگی کا حکم ہی کیوں دیا جاتا! پھر اس حالت میں کہ فاشی جرمن شہر کو گھیرے پڑے ہوں تاخیر و توقف کا سوال ہی کس طرح پیدا ہو سکتا تھا؟

راستہ بھر اسے نہایت احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ گاڑی چلانی پڑتی تھی، آنکھیں جھپکے بغیر! ورنہ گاڑی کا برف سے پٹے ہوئے کسی گڑھے میں گر جانا یقینی امر تھا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر گاڑی کو گڑھے سے نکالنے میں اسے جو تکلیف ہوتی تھی وہ تو اسے چور چور ہی کر دیتی تھی پھر ان سب پر مستزاد سردی کی شدت اور کہرہ کی زیادتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خود قطب شمالی اس تنگ اور ناہموار راستہ میں منتقل ہو گیا ہو۔

راستہ کی مشکلات اسی جگہ ختم نہیں ہو جاتی تھیں بلکہ کسی کسی جگہ لمبی لمبی گھاس بھی آگی ہوئی تھی۔ جھیل لڈوگا کی سمت سے جسم کو منجمد کر دینے اور نس نس کو چیر کر نکل جانے والی سرد ہوا کے جھکڑ بھی چلتے رہتے تھے اور کبھی کبھی طوفان کی شدت کے باعث دو گز دور کی چیز بھی نظر نہ آتی تھی۔ گاڑی کے پہیئے بھی لوہے کے بنے ہوئے نہیں تھے بلکہ ربر کے تھے جن کا گھسنا اور پھٹنا بھی ضروری تھا پھر جب کبھی اسے دوسری گاڑیوں کے عقب میں سفر کرنا پڑتا تھا تو اسے اپنے ان ساتھیوں کی مدد بھی کرنی ہوتی تھی جو ذرا سی غفلت کی بدولت برف سے پُر کسی غار میں گر پڑتے تھے لیکن سب سے اہم اور مقدم کام یہ تھا کہ وہ سامان کو بروقت منزل مقصود پہ پہنچائے ——

(۲)

بالشکوف اسی ناہموار، تنگ اور تاریک راستہ پر ایک تیل بردار موٹر کو لئے جارہا تھا کہ انجن کی آواز کے ساتھ ساتھ برآمد ہونے والی ایک مختلف آواز نے اسے دفعتًا اپنی جانب متوجہ کر لیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" اس نے آہستہ سے کہا اور موٹر روک کر فورًا باہر نکل آیا انجن بند ہو جانے کے باوجود یہ آواز برابر آرہی تھی وہ برف میں چلتا ہوا ٹنک پر چڑھا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ٹنک کے ایک پہلو سے تیل کی ایک پتلی سی دھار بہہ رہی ہے۔ یہ دیکھ کر کہ ٹنک ٹپک رہا ہے اس کا خون منجمد ہو گیا، ٹنک کا جوڑ کھل گیا تھا اور پٹرول بہہ بہہ کر زمین پر گر رہا تھا ـــ

وہ خاموشی کے ساتھ کھڑا ہوا پٹرول کی اس پتلی دھار کو دیکھنے لگا جسے روک دینے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔

"کیا راستہ کی گوناگوں مشکلات کو صرف خالی ٹنک لے جانے کے لئے برداشت کرنا چاہیئے؟" اس نے زیرلب کہا اور اس کے ذہن ان تمام حادثوں کی یاد تازہ ہو گئی جو موٹر ڈرائیور کی حیثیت سے اسے پیش آتے رہے تھے لیکن یہ حادثہ سب سے زیادہ ہمت شکن تھا۔ کہرہ کی شدید خنکی اسے بے حال کرتی جارہی تھی اس نے خیال کیا اس طرح کھڑے کھڑے دیکھتے رہنے سے کام نہیں چل سکتا۔ وہ فورًا اپنی جگہ واپس آیا جہاں پولیٹیکل کمیسار اپنی برف کی طرح سرد ناک کو، کھال کے بنے ہوئے چوغہ میں چھپائے ہوئے اونگھ رہا تھا۔

"کامریڈ کمیسار!" بالشکوف نے اسے آواز دیتے ہوئے کہا "مجھے افسوس

ہے کہ میں آپ کو تکلیف دینے پر مجبور ہوں!"

"کیا بات ہے؟" کیسار نے چونک کر دریافت کیا "کیا ہم منزل مقصود پر پہنچ گئے ہیں؟"

"معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے!" بالشکوف نے جواب دیا "ٹنک ٹپکنے لگا ہے اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟"

"کیسار اچھل کر باہر نکل آیا' اپنی آنکھیں ملیں جب اس نے اصل واقعہ کو سمجھ لیا تو اپنے ٹھنڈے ہاتھوں کو گرم کرنے کے لئے ملتے ہوئے اس دشواری سے نجات پانے کی تجویز سوچنے لگا۔

"اسے کسی قریبی اسٹیشن پر لے چلو وہاں پٹرول نکال کر ٹنک کی مرمت کرائی جائے گی" کیسار نے چند لمحوں کے بعد کہا "تمہاری کیا رائے ہے؟"

"تجویز تو معقول تھی" بالشکوف نے جواب دیا "اس دشواری سے نجات پانے کی یہی بہترین صورت تھی بشرطیکہ پٹرول لیننگراڈ کی بجائے کسی اور جگہ درکار ہوتا یا پھر اس کی ضرورت جنگی مصالح کے ماتحت نہ ہوتی موجود صورت میں کیا پٹرول نکال کر ٹنک کی مرمت مناسب ہوگی اور کیا ہم اسے بر وقت وہاں پہنچا سکیں گے؟ نہیں اسے نکالنے میں وقت ضائع نہیں کیا جا سکتا۔"

"پھر تم کیا کرو گے؟" کیسار نے ٹنک سے نکل نکل زمین پر بہنے والے پٹرول کو دیکھتے ہوئے سوال کیا

"اگر آپ اجازت دیں تو میں اس سوراخ کو بند کرنے کی کوشش کرتا ہوں" بالشکوف نے جواب دیا

اس نے اوزاروں کا چھوٹا سا صندوق کھولا جس میں رکھے ہوئے

اور اس وقت اذیت دہ نشتروں سے مشابہ معلوم ہوتے تھے یا پھر سرخ پگھلے ہوئے لوہے کی طرح جس کے قریب جانا کرب اور اذیت کو دعوت دینا ہے۔ اس نے ان کو بند کرنے کے لئے لوہے کی ایک پتی ایک ہتھوڑا اور پتھر کی طرح سخت صابون کا ایک ٹکڑا لیا اور سردی کے احساس کو کم کرنے کے لئے اپنے دانتوں کو زور سے دبا کر ٹنک پر چڑھ گیا۔ پٹرول بہہ بہہ کر اس کے ہاتھوں، بے انگلیوں کے دستانوں اور چوغہ کی آستینوں کو تر کر رہا تھا لیکن عجیب قسم کا پٹرول تھا۔ آگ کی طرح گرم اور جلا دینے " پٹرول! اس نے اپنے حلق میں محسوس ہونے والی پٹرول کی بو کو کم کرنے کے لئے زمین پر تھوکا اور ٹنک کے کھلے ہوئے جوڑ کو ملا کر اسے صابون سے پُر کر دیا۔ اب پٹرول کا ایک قطرہ بھی نہیں ٹپک سکتا تھا۔

اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد بالشکوف اپنی نشست پر جا بیٹھا اور گاڑی پھر اس ناہموار اور تنگ راستہ پر روانہ ہو گئی لیکن ابھی اس نے چھ سات میل ہی کا سفر طے کیا تھا کہ ٹنک کا جوڑ پھر کھل گیا اور بالشکوف نے گاڑی روک کر پھر پہلے کی طرح اس میں صابون بھر دیا ...... لیکن اب متواتر یہی صورت پیش آنے لگی تھی اور اسے شبہ ہو چلا تھا کہ یہ راستہ کبھی ختم نہ ہو سکے گا۔ حتیٰ کہ اب اس نے اس بات کو یاد رکھنا بھی ضروری نہیں سمجھا کہ اسے ٹنک کی مرمت کے لئے کتنی بار موٹر کو روکنا اور اپنی جگہ سے اترنا پڑا ہے۔ درد کے حد سے گذر جانے کے بعد اب اسے اپنے جلے ہوئے زخمی ہاتھوں کی تکلیف بھی محسوس نہ ہوتی تھی اور اب وہ اپنی تکلیف، گھنے جنگل، مسلسل برف باری اور ٹنک سے نکل نکل کر ہاتھوں کو بھگوتے رہنے والے پٹرول کو ایک خوفناک خواب سمجھنے لگا تھا۔

اپنی ذاتی تکلیف کو بھول کر اب وہ اس بات پر غور کر رہا تھا کہ اس عرصہ میں کس قدر پٹرول ضائع ہو چکا تھا اس کے اندازہ کے مطابق ضائع شدہ پٹرول کی مقدار چالیس پچاس بٹر (تقریباً چار انچ مکعب وزن) سے زیادہ نہیں تھی لیکن اس نے خیال کیا کہ اگر مجھے ہر چار پانچ میل پر ٹھہر کر اسی طرح جوڑ کو بند کرتے رہنا پڑا تو میری تمام محنت ضائع ہو جائیگی .... لیکن اس نے پھر اپنا کام شروع کر دیا۔ ایک ایسے شخص کیطرح جو وقت، فاصلہ اور انجام سے بے نیاز ہو کر کام کرتے رہنے ہی کو فرض تصور کرتا ہے وہ تھک گیا تھا، سردی، محنت، نیند کے غلبہ اور راستہ کی دشواریوں نے اسے چور چور کر دیا تھا اور اسے یہ خیال ہونے لگا تھا کہ شاید وہ سفر ہی نہیں کر رہا ہے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ ہر نصف گھنٹہ یا چالیس منٹ کے بعد گاڑی روک کر ٹنکی میں پیدا ہو جانے اور ہوتے رہنے والے سوراخوں کو بند کرتا رہا۔ حالانکہ یہ سوراخ برابر بڑھ رہے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بالشکوف اور اس کی کوششوں پر طنزاً ہنس رہے ہیں۔

دفعتہً راستہ کے ایک موڑ کے بعد زمین کے کشادہ قطعات نظر آئے وسیع اور حدِ نظر تک پھیلے ہوئے یخ بستہ قطعات جو اس تنگ ناہموار اور تاریک راستہ کے بعد دعوت نظر ثابت ہو رہے تھے اور اب راستہ برف میں مستور اسی میدان سے ہو کر گذرتا تھا۔ ایک جھیل ایک خوفناک دیو کی طرح منہ کھولے ہوئے نظر آرہی تھی لیکن اب بالشکوف پر خوف دہراس اور مایوسی و ناکامی کا اثر اور احساس غالب نہیں تھا۔ جنگل ختم ہو چکا تھا اور اب وہ نہایت اطمینان کے ساتھ اپنا باقی ماندہ سفر طے کرنے میں مصروف تھا

کبھی کبھی غنودگی کے باعث اس کا سر اس پہیئے سے ٹکرا جاتا تھا جو موڑ کو گھماؤ دینے کے لئے لگا ہوا ہوتا ہے لیکن وہ فوراً ہی سنبھل جاتا تھا نیند اس کے شانوں پر سوار تھی اس دیو کی طرح جو پس پشت کھڑے ہو کر اپنے قوی مگر کسی نرم اور گداز کپڑے میں اچھی طرح لپٹے ہوئے ہاتھوں سے اسکے سر اور شانوں کو مسل ڈالنے کی کوشش میں مصروف ہو۔ گاڑی برابر آگے بڑھتی رہی اور وہ محض ایک خیال سے مسرور ہو کر اس خیال سے کہ مسرور و مطمئن ہو کر کہ وہ پیٹرول کو بروقت منزل مقصود پر پہنچا سکے گا ٹھٹھرا اور تھکا ہوا ہونے کے باوجود اسے چلاتا رہا —— اب وہ منزل مقصود پر پہنچ گیا تھا۔

(۳)

خندق میں ڈاکٹر نے حیرت کے ساتھ بانشکوف کے زخمی ہاتھوں اور کٹی ہوئی انگلیوں کا معائنہ کیا اور اس کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"تمہارے ہاتھ کس طرح زخمی ہوئے؟"

"کامریڈ ڈاکٹر!" اس نے تکلیف کو ضبط کرنے کی کوشش میں اپنے دانتوں کو بھینچتے ہوئے جواب دیا "میں راستہ بھر ٹنک کے ایک کھل جانے والے جوڑ کو بند کرنے کی کوشش کرتا رہا ہوں!"

"تم راستہ میں کسی جگہ ٹھیر کیوں نہ گئے؟" ڈاکٹر نے پھر دریافت کیا "تم بچے نہیں ہو اور تم خود جانتے ہو کہ اس قدر شدید کہرہ کی موجودگی میں تم بہت دیر تک اپنے ہاتھوں کو پٹرول میں تر نہیں رکھ سکتے!"

"........ مگر کسی جگہ ٹھیر جانا تو قطعاً ناممکن تھا......" اس نے جواب دیا
"کیوں؟" ڈاکٹر نے اسکا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی سوال کر دیا "تمہیں اس قدر عجلت کیوں تھی؟ تم پٹرول کہاں سے لے جا رہے تھے؟"
"لینن گراڈ! محاذ پر!" اس نے جواب دیا اور اس کی آواز سے خندق گونج اٹھی ڈاکٹر نے اس کی طرف دیکھا ایسی نظر سے جو محبت، عقیدت اور عزت کے جذبات کی ترجمان تھی۔
"میں سمجھ گیا!" اس نے آہستہ سے کہا "تم لینن گراڈ جا رہے تھے اب کسی سوال کی ضرورت نہیں۔ لاؤ میں تمہارے ہاتھوں پر پٹیاں باندھ دوں تمہیں چند روز زیر علاج رہنا پڑے گا!"
"علاج کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں" اس نے جواب دیا "میں صبح تک یہاں موجود ہوں لیکن اس کے بعد میرا ٹھیرنا ناممکن ہے گاڑی چلاتے ہوئے پٹرول کی وجہ سے میرے ہاتھ گرم رہیں گے رہی تکلیف تو میں اسے کسی نہ کسی طرح برداشت کر لوں گا لیکن اس وقت جب کہ ہمارے عزیز وطن کو مدافعت اور حفاظت کے لئے اپنے فرزندوں کی ضرورت ہے میں علاج کے لئے نہیں ٹھیر سکتا۔"

ڈاکٹر حیرت اور احترام کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔

مثلّث

"مثلّث کہاں ہے؟" کسی طرف سے آواز آئی "کیا وہ لوگ کھانا نہیں کھائیں گے؟"

"ہم آرہے ہیں!" رزاکوف یا کوئی دوسرا شخص جواب دیتا اور تینوں دوست ٹہلتے ہوئے فوجی باورچی خانہ کی جانب روانہ ہو جاتے۔

جب کبھی کمانڈر دریافت کرتا کہ مثلّث کہاں ہے تو سرخ فوج کا ہر ایک سپاہی بغیر تکلف ایک بہت بڑے بھورے رنگ کے ٹنک کی جانب اشارہ کر دیتا۔

(۲)

وہ تین تھے، تین دوست! ایک یوکرینی، دوسرا روسی اور تیسرا یہودی تھا۔ بھورے رنگ کے بڑے ٹنک کا عملہ انھیں تینوں پر مشتمل تھا لیکن ٹنک یا میدانِ جنگ ہی میں نہیں بلکہ وہ ہر جگہ ساتھ ساتھ ہی رہتے تھے۔ وہ ساتھ ہی کھاتے تھے ساتھ ہی سوتے تھے اور فرصت کے اوقات میں گھنٹوں بیٹھے ہوئے باتیں کرتے رہتے تھے۔

"تم لوگ گھنٹوں بیٹھے ہوئے کیا باتیں کرتے رہتے ہو؟" کبھی کبھی ان کا کوئی ساتھی ہنستے ہوئے کہہ دیا کرتا تھا "تم لوگ اکتاتے یا تھکتے نہیں؟" ——

اور فنک لیسٹین مسکراتے ہوئے جواب دیدیا کرتا تھا "تھکنے یا اکتانے کی کیا بات ہے؟ گفتگو کے لئے صدہا موضوع اور مسائل موجود ہیں اور ہم انھیں

انھیں پہ تبادلۂ خیالات کرتے رہتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن کیا ہماری باتوں سے کسی کو تکلیف پہنچتی ہے ؟ ۔ سب لوگ کھلکھلا کر ہنس پڑتے تھے ۔

دوستوں کی اس مثلث میں فنک لیبٹین سب سے زیادہ باتونی واقع ہوا تھا، نکولا دوسروں کی باتیں سن سن کر ہنستے رہنے کا عادی تھا اور رزاکوف پہ کبھی کبھی افسردگی طاری ہو جایا کرتی تھی ۔

جب ہم معاملات پر غور کرتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ فنک لیبٹین نے اپنے دونوں دوستوں سے کہا " زندگی ہی پہ غور کرو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے اس سے بے حد محبت ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہمارے حالات کس قدر خوشگوار ہو سنے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہمارا وطن ! کتنا اچھا ہے اور ہماری قوم ؟ ۔۔۔ لیکن تم لوگوں کو یہ بات بتانے سے کیا فائدہ ؟ تم خود جانتے ہو کہ ہماری قوم کس قدر بلند ہمت غیرت مند اور جری واقع ہوئی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سال بسال ہمارے حالات بہتر ہوتے گئے ۔ کیوں ؟ تم خود بھی تو حالات کے اس خوشگوار تغیر سے واقف ہو لیکن اب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟ اس میں شبہ نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ؟"

" درست ہے ! " فنک لیبٹین نے اپنی گفتگو نما تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا " جب تک دنیا میں سرمایہ داری باقی رہے گی لڑائیاں بند نہیں ہو سکتیں ، اور جب تک ہم سرمایہ دار ملکوں کے درمیان گھرے رہیں گے ہمارے سروں پر جنگ کا خطرہ بھی منڈلاتا ہی رہے گا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

رزاکوف خاموشی کے ساتھ بیٹھا ہوا سنتا رہا ۔ فنک لیبٹین نے ایک سرد آہ بھر کر پھر کہنا شروع کیا " میں سمجھتا ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میرے سامنے اس معاملہ پر یہ لمبی لمبی تقریریں کرنی بے کار ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ صرف سمجھ لینا اور بات ہے لیکن یہ دوسری بات ہے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن یہ کیا بات ہے کہ جب تم

کسی معاملہ پہ غور کرتے ہو تو افسردہ نظر آنے لگتے ہو ؟

" اس کی وجہ ؟ " نکولا نے اپنی دھیمی آواز میں مداخلت کرتے ہوئے کہا "اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم یہاں بے کار پڑے پڑے ٹینک مکے بہتیوں کی ٹکرانے ہیتی ہیں

" پھر تمہاری رائے میں ہمیں کرنا کیا ہے ؟ " رازکوف نے فوراً سوال کیا جب گولیاں سنسناتی ہوئی کانوں کے پاس سے گذر رہی ہوں اس وقت کسی معاملہ پہ غور نہیں جا سکتا ! "

" جہاں تک میرا تعلق ہے ۔ ۔ ۔ ۔ " اس مرتبہ فنک لیسٹین نے جھجکتے ہوئے کہا میں تو اسی وقت سوچنا شروع کرتا ہوں "

" کس چیز کے متعلق ؟ " نکولا نے دریافت کیا

" کسی چیز کے نہیں بلکہ کسی شخص کے متعلق ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں سوچا کرتا ہوں ۔ ۔ ۔ ۔

ہاں ! اس کا نام سونیا ہے ! " فنک لیسٹین نے جواب دیا ۔

" تمہاری لڑکی ؟ " نکولا نے پھر دریافت کیا ۔

" اوہ ! " فنک لیسٹین نے کہا " میں سونیا کا ذکر کر رہا ہوں "

" ذرا تفصیل سے بیان کرو " نکولا نے گفتگو میں مزید دلچسپی لیتے ہوئے کہا ۔

" میری محبوبہ سونیا ! ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ تو عجیب چیز ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قد میں وہ میرے شانوں تک پہنچتی ہے ' اس کے بال سیاہ ہیں اور آنکھیں ؟ بڑی بڑی اور کالی اوہ ! تم نے اتنی بڑی بڑی اور سیاہ آنکھیں کبھی نہ دیکھی ہوں گی اور جب وہ مسکراتی ہے تو اس کے گلاب کی پتیوں جیسے نازک اور گلابی رخساروں میں چھوٹے چھوٹے گڑھے نمودار ہو جاتے ہیں " فنک لیسٹن نے اپنی محبوبہ کا تصور کرتے ہوئے جواب دیا ۔

" ہاں ! " نکولا نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا " گول گول خوبصورت گڑھے ! "

"لیکن! فنک لیسٹین نے مضطربانہ طریقہ پر دریافت کیا" تم تو اسے نہیں جانتے"
"کیسے نہیں جانتا؟" نکولا نے سوال کیا۔
"سونیا کو!" فنک لیسٹن نے جواب دیا۔
"خوب!" نکولا نے کہا "میں سونیا کا ذکر نہیں کر رہا ہوں۔ میری مراد تو گاشا سے ہے!"
"اوہ!" فنک لیسٹین کی زبان سے نکلا اور رزاکوف نے جوان دونوں کی گفتگو کو خاموشی کے ساتھ بیٹھا سن رہا تھا ایک لمبا سانس لے کر کہا۔
"میرے اہل وعیال موجود ہیں دو بچے ایک لڑکا اور ایک لڑکی وہ بہت پیارے بچے ہیں!"
"جوان ہوں گے؟" نکولا نے مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے دریافت کیا
"لڑکے کی عمر سات سال ہے اور لڑکی کی چھ سال" رزاکوف نے جواب دیا "لڑکا ہمیشہ کوئی نہ کوئی شرارت برپا رکھتا ہے اور نہ معلوم میری بیوی کس طرح اس پر قابو رکھتی ہوگی؟ ...... اور میری بیٹی! وہ تو بہت ہی اچھی لڑکی ہے۔ بہت اچھا گاتی ہے اور اس کی آواز بلبل کی آواز کی طرح دلکش اور سریلی ہے۔ شاید آج کل وہ کسی تھیٹر میں بھی گاتی ہو ......"
"نہ معلوم گھر پر ان لوگوں کے مشاغل کیا ہوں گے؟" فنک لیسٹین نے آہستہ سے کہا
"گھر پر ان لوگوں کے مشاغل؟" رزاکوف نے اپنے دوست کے جملہ کو دہراتے ہوئے اپنی گفتگو کو جاری رکھا "میں بتاتا ہوں' میری بیوی بچہ کے موزوں کی فہرست کو رہی ہوگی' مجھے یقین ہے کہ اس شریر لڑکے نے موزے ضرور پھاڑ ڈالے ہوں گے۔ ....

.... وہ موزوں کو کچھ
اس طرح پھاڑ ڈالتا ہے کہ تمہیں یقین نہیں آسکتا مکولا کی گا شاکھیت میں گئی
ہوگی تمہیں معلوم ہے کہ یہ فصل کی کٹائی کا زمانہ ہے ..... لیکن سونیا ... ؟"
"سونیا ؟" فنک لیسٹین نے سونیا کا نام سنتے ہی کہنا شروع کیا "وہ تو کارخانہ
میں ہوگی وہ موزہ ... بنیان کے کارخانہ میں کام کرتی ہے میرے والد بھی وہیں
ہیں وہ بُنائی کا کام کرتے ہیں۔ میں والدہ کے آغوش محبت سے محروم ہوں عرصہ
گذرا ان کا انتقال ہوگیا تھا۔ میرے بچپن ہی کے زمانہ میں۔ میں سب سے
چھوٹا ہوں"
"کیا تمہارے اور بھائی یا بہنیں بھی ہیں؟" مکولا نے دریافت کیا۔
"ہاں !" فنک لیسٹین نے جواب دیا" میری بہن ڈاکٹر ہے اور میرا بھائی مشرق
بعید میں فوجی خدمات انجام دے رہا ہے ہم تین بھائی ہیں۔ میرا ایک اور
بھائی بھی تھا لیکن اس کا انتقال ہو چکا ہے"
"اچھا فنک لیسٹین!" مکولا نے گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے سوال کیا "یہ تو بتاؤ کہ
جنگ کے بعد حالات کیسے ہوں گے؟"
"جنگ کے بعد ؟" فنک لیسٹین نے کہا "اس وقت کے حالات کی صورت بہت
سی باتوں پر منحصر ہوگی ..... مثلاً جرمنی کے مزدور ...."
یزاکوف اور مکولا اس کی باتوں کو توجہ کے ساتھ سننے لگے
"فنک لیسٹین !" مکولا نے کہا "تمہاری معلومات بہت وسیع ہیں، تمہیں تو کسی
کتب خانہ میں ہونا چاہیئے تھا۔ یا تم پروفیسر ہوتے بہرحال تمہارے لئے ایسی ہی
کوئی جگہ موزوں ہے شک نہیں ...."
"میں بھی یہی خیال کیا کرتا تھا" فنک لیسٹین نے مسکراتے ہوئے کہا "میرے

والد صاحب کہا کرتے تھے کہ شمل تم ذہین ہو بہت زیادہ ذہین! تم پروفیسر ہو گے! لیکن اب تو یہ سب باتیں جنگ کے خاتمہ ہی پر ممکن ہو سکتی ہیں!"
"ہاں! بیشک جنگ ختم ہونے پر!" اس کے دونوں دوستوں نے اس کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔
"مجھے ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے!" فنک لیسٹین نے کہا "بہت زیادہ!"
"جہاں تک میرا تعلق ہے!" کولا نے کہنا شروع کیا "جنگ ختم ہونے کے دوسرے ہی دن میں گاشا کے ساتھ شادی کر دوں گا۔ ہمارے پنچائتی کھیت بہت اچھے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ شادی کے بعد میرا خاندان وسیع ہو جائے گا اور میں اطمینان کے ساتھ کھیتی باڑی میں مصروف ہو جاؤں گا"
"اور میں لینا کے ساتھ قفقاز کی سیاحت کے لئے جاؤں گا" رزاکوف نے کہا "اسے کبھی قفقاز جانے کا موقعہ نہیں ملا۔ میں نے بہت دن ہوئے اس سے وہاں چلنے وعدہ بھی کیا تھا لیکن حالات نے اجازت نہیں دی مگر جنگ ختم ہو جانے کے بعد میں نے اس سفر کا تہیہ کر لیا ہے"
"تمہیں یاد ہے؟" فنک لیسٹین نے الفاظ پر زور دے کر کہا
"کہ جنگ کے بعد ہم نے ایک ساتھ رہنے کا عہد کیا ہے میں اور میری سونا کولا اور اس کی گاشا، تم اور تمہاری لینا۔ ہم سب ساتھ رہیں گے اور تمہیں خارکوف میں میرے پاس آنا پڑے گا۔"
"مگر!" کولا نے کہا "میرا خیال ہے کہ تم سب لوگوں کو میرے یہاں آنا چاہیئے شہر میں جانے سے کیا فائدہ؟ تم لوگ میرے یہاں آنا۔ وہاں ہم چھوٹے سے باغیچہ میں گھاس پر لیٹا کریں گے۔ باغیچہ بڑا خوب صورت ہے اس میں سیب کے درخت ہیں ......" اس نے رزاکوف کی طرف دیکھتے ہوئے

اپنی گفتگو کو جاری رکھا " تمہارے بچے بھی تمہارے ساتھ ہوں گے، انھیں باغیچہ دیکھ کر بہت مسرت ہوگی۔ تمہارا لڑکا سیب کے درختوں پر چڑھ جایا کرے گا اور انھیں ہلا ہلا کر تمہارے لئے سیب بہم پہنچایا کرے گا . . . . "

" یہ تو درست ہے . . . " رذاکوف نے کسی بات پر غور کرتے ہوئے جواب دیا " لیکن وہ پھر موزے پھاڑے گا ! "

" جہنم میں جائیں موزے ! " نکولا نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا " ہم دریا پر جا کر مچھلی کا شکار کیا کریں گے مچھلیاں دریا میں بہت ہیں۔ اوہ ! تم لوگ اس جگہ سے واقف نہیں مگا شا مچھلی کے کباب بنائے گی۔ ایک خاص طریقہ پر ! اس طریقہ سے کسی اور جگہ کباب نہیں بنائے جاتے "

" کیا ان میں لہسن بھی ڈالا جاتا ہے ؟ " فنک لیبیٹین نے کسی قدر دلچسپی کے ساتھ دریافت کیا۔

" ہاں ! اگر تم چاہو گے تو تھوڑا سا لہسن بھی ڈلوا دیا جائے گا لیکن بہت زیادہ نہیں " نکولا نے جواب دیا " اگر بہت زیادہ لہسن ڈال دیا جائے تو ان کی خوشبو بھی جاتی رہے گی اور ذائقہ بھی خراب ہو جائے گا۔ ہاں تھوڑا سا ڈال دینے میں کوئی مضائقہ نہیں . . . . "

" ہاں تھوڑا سا لہسن شامل کر دینے پر مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں " رذاکوف نے کہا " لیکن یہ تو بتاؤ کہ تمہارے یہاں میٹھے چلے بھی پکتے ہیں ؟ "

" کیوں نہیں ! " نکولا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا " تمہارے لئے ہر قسم کے چلے تیار کرائے جا سکتے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ اگر گاشا، پنیر بالائی، مکھن، ذرا انڈوں کو ملا کر تمہارے لئے حلوا تیار کر دیا کرے تو وہ بجید لذیذ ہوتا ہے تم اسے کھاتے کھاتے ایسا محسوس کرنے لگو گے کہ تمہارا پیٹ

پھٹنے والا ہے لیکن تم کھانے سے دست کش نہ ہو سکو گے۔ تم نے ایسا لذیذ حلوا کبھی نہ کھایا ہوگا ۔۔۔ "

" میں کھانے کے معاملہ میں دست دراز واقع نہیں ہوا" فنک لیسٹین نے کہا " لیکن گھاس پر لیٹنا۔ دریا کے کنارہ ٹہلنا اور کھیتوں میں پھرنا بلاشبہ پُرلطف ثابت ہوگا اور سونیا خود دیہات کو پسند کرتی ہے "

" تو دوستو! یہ بات طے ہوگئی ؟" مکولا نے خوش ہو کر دریافت کیا۔

" ہاں!" دونوں دوستوں نے بیک زبان جواب دیا۔ پھر رزاکوف نے کہا۔

" لیکن پہلے ہمیں فاشی جرمنوں کو شکست دیدینی چاہیئے!"

" انھیں ایسی شکست دی جائے گی کہ وہ صدیوں تک سر نہ اٹھا سکیں گے" مکولا نے جواب دیا " تمھیں فکر نہیں کرنا چاہیئے!"

" میں جانتا ہوں ......" رزکوف نے پھر کہا "..... لیکن میں اس کام کو جلد از جلد شروع کر دینے کا خواہشمند ہوں!"

" دیکھو تو!" مکولا نے فنک لیسٹین کی طرف دیکھتے اور رزاکوف کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا " انھیں کتنی جلدی ہے "

" پہلی سامراجی لڑائی ۱۹۱۴ء سے شروع ہو کر ۱۹۱۷ء تک جاری ......"

فنک لیسٹین نے پھر تقریر شروع کردی تھی لیکن رزاکوف نے ہاتھ کے اشارہ سے اسے خاموش کر دیا۔

" مجھے پہلی سامراجی جنگ کا حال سنانے سے کیا فائدہ!" اس نے کہا " اس وقت ایسے ٹینک اور ایسے ہوائی جہاز موجود نہیں تھے آج حالات اس زمانہ کے مقابلہ میں بالکل مختلف ہیں اور اب جو اسلحہ موجود ہیں ان کی وجہ سے حالات میں بہت جلد تبدیلیاں واقع ہونی چاہیئیں "

"یہ بات تو درست ہے!" فنک لیبیٹین نے اقرار یہ لہجہ میں کہا "لیکن ......!
"لیکن کیا؟" کولا نے جواب دیا "حملہ شروع ہونے کی دیر ہے!"
"حملہ تو شروع ہوگا" فنک لیبیٹین نے اسے یقین دلانے کے لئے کہا "جنگی ضرورتوں کا تقاضا ہی یہ ہے کہ ...."
اس کا جملہ ادھورا رہ گیا کسی نے مثلث کو آواز دی تھی۔

(۲۳)

پیش قدمی کے لئے تیاری کا حکم مل چکا تھا تینوں دوست اچھل کر ٹینک میں سوار ہو گئے اور یہ دیو ہیکل ٹینک شور مچاتا اور خاک اڑاتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ سرخ طیارے ہوا میں منڈلا رہے تھے، دور فاصلہ پر چھوٹنے والی توپوں کی گرج کسی خوفناک اور خون آشام درندے کی آواز کی طرح رات کی پرسکون فضا کو متلاطم بنا رہی تھی اور بہت دور جا کر پھٹنے والے گولوں اور ان کے نشانوں کے جلنے کی روشنی پھیل پھیل کر افق کو منور کر رہی تھی۔ ٹینکوں کا قافلہ جنگل میں بنے ہوئے راستہ پر آگے بڑھ رہا تھا، انجنوں کے چلنے ...... اور مختلف آہنی پرزوں کے متحرک ہونے کی خوفناک آواز دور دور تک پھیلتی جا رہی تھی راستہ میں جھکی ہوئی صنوبر کی ڈالیاں ٹوٹ رہی تھیں اور خوف زدہ پرندے اس تاریکی میں اپنے آشیانوں سے اڑ اڑ کر بے چارگی کے عالم میں پروں کو پھڑپھڑا رہے تھے لیکن ٹینکوں کا یہ دستہ ایک سیاہ آہنی سانپ کی طرح مڑتا اور بل کھاتا ہوا آگے ہی بڑھتا رہا ——— اس اندھے دیو کی طرح جو پیش قدمی کرتے ہوئے راہ کی ہر رکاوٹ کو مسل ڈالتا ہے ٹینک میدان جنگ کی طرف بڑھتے چلے گئے۔
طلوع آفتاب سے کچھ دیر پہلے سرخ فوج کو دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیا گیا

وزنی ٹینک گرجتے، شور مچاتے، چھوٹے چھوٹے درختوں کو جڑ سے اکھاڑتے اور
ان کے تنوں کو پیستے ہوئے آگے بڑھے۔ شاداب اور سرسبز درختوں کے کنج
ان کے روبرو اس طرح گرتے جا رہے تھے جس طرح غلہ کی فصل درانتی سے
کٹ کر گر جاتی ہے پیش پیش چلنے والے ٹینک کی آہنی چادر کو ان پتیوں نے
چپک کر جن پر شبنم پڑی ہوئی تھی داغ دار بنا دیا تھا اور برخ کے درختوں کی برف سا
سفید ی چھلی ہوئی نرم نرم شاخوں کی سبزی کے ساتھ مل کر اس تاریک رات ....
میں بھی ایک دلکش منظر پیش کر رہی تھی۔ لہلہاتے ہوئے برخ کے درختوں
سے جھڑ جھڑ کر گرنے والے برف جیسے سفید سغوف کے درمیان گھاس کے
قالین سے ڈھکے ہوئے راستہ پر ٹینک ہر اس شئے کو کچلتے ہوئے جو ان کی
راہ میں حائل ہوتی تھی، مسلسل آگے بڑھ رہے تھے۔ تھرتھراتے، سنسناتے
اور گونجتے ہوئے گولے پاس سے گزرتے اور دور جا کر ہیبناک شور کے ساتھ
پھٹتے تھے اور ان سے آگ کی بارش شروع ہو جاتی تھی۔

رزاکوف ٹینک کے اندر اپنی مشین گن کے قریب جما ہوا بیٹھا تھا اور
ان جرمن سپاہیوں کی قطاروں میں جو غیر مربوط، ناقابل فہم اور وحشیانہ نعرے
لگاتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے اپنے بے خطا نشانہ کی بدولت موت
اور ہلاکت پھیلا رہا تھا۔ توپ کے متواتر چلتے رہنے کے باعث ٹینک کا آہنی
کمرہ گرم ہو گیا تھا اور ہوا میں بارود کی بو نے دم گھونٹ دینے والی کیفیت پیدا
کر دی تھی۔ آہستہ آہستہ یہ ٹینک پہاڑی کی چوٹی پر پہنچا اور پھر سرعت کے ساتھ
دوسری طرف اترنے لگا۔ اس کی راہ میں برخ کے درختوں کا ایک جھنڈ حائل
ہوا لیکن دیکھتے ہی دیکھتے ٹینک انہیں کچل کر آگے بڑھ گیا۔

کچھ دور چلنے کے بعد رزاکوف نے پھر کسی شئے کے کچلے جانے کی آواز

آواز سنی اور اس نے محسوس کیا کہ اس مرتبہ وہ برف کے درختوں ہی کو نہیں بلکہ انسانی ہڈیوں کھوپڑیوں اور گوشت کے لوتھڑوں کو بھی کچل رہا ہے ٹینک تل چیونٹوں کی طرح لاشوں پر رینگ رہا تھا رزاکوف کے چہرہ پر نفرت کے آثار نمودار ہو گئے۔ اسی لمحہ اس نے بکسی اور سٹنے کے کچلے جانے کی آواز سنی، ٹینک لوہے کا دیو ہیکل ٹینک تھرتھرانے لگا، انجن سے دھواں برآمد ہوا اور وہ چند قدم لڑکھڑانے کے بعد دفعتاً ٹھیر گیا۔

"پنکھا بیکار ہو گیا ہے!" مکولا نے لڑائی کے خوفناک شور میں اپنے دوستوں کو مطلع کرنے کے لئے بلند آواز سے کہا۔ رزاکوف نے سر کے اشارہ سے اسے اطمینان دلایا کہ وہ اس کی بات سمجھ گیا ہے اور اس کے دونوں دوست دوسری مشین گن کے قریب آ گئے۔

دودھ کی طرح سفید برف کے اس گنجان جنگل اور موسم خزاں کے سنہرے ہاتھوں کی رسائی سے محفوظ ان کی سبز پتیوں اور ٹہنیوں کے مابین یہ غیر متحرک ٹینک کسی پرانی اور سخت چٹان کی طرح کھڑا ہوا نظر آتا تھا۔

"اوہ!"

رزاکوف نے ایک دردناک آہ سنی اور اسے ایسا محسوس ہوا کہ یہ آواز اسی کے جسم کے کسی گوشہ سے برآمد ہوئی ہے اس کے سامنے جرمن سپاہی آگے بڑھتے ہوئے چلے آرہے تھے۔ وہ مدہوش تھے، شراب کے نشہ میں مدہوش ۔۔۔۔! لیکن۔۔۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ آگے قدم بڑھانا موت کے منہ میں جانا ہے اسی مدہوشی کے باعث وہ آگے بڑھ رہے تھے اور رزاکوف ان کے تمتماتے ہوئے سرخ چہروں اور پسینے کے سبب سے کھلے ہوئے منہ کو آسانی کے ساتھ دیکھ سکتا تھا۔ اس نے گردن پھیر کر اپنے دوستوں کی طرف دیکھا

...... انھوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے چہروں کو چھپا رکھا تھا۔ انکی مشین گن خاموش تھی اور فنک لیسٹین کی انگلیوں تلے سے گذر کر خون کی ایک پتلی دھار بہہ رہی تھی۔

"اوہ!" میری آنکھیں، میری بینائی!" کمولا نے ناقابل فہم انداز میں نہایت آہستہ سے کئی بار کہا

رزاکوف پر لرزہ طاری ہوگیا۔ وہ اپنے مجروح دوستوں کی طرف بڑھا لیکن اسی وقت ...... اسی لمحہ اس نے آگے بڑھنے والے جرمن سپاہیوں کی آوازیں زیادہ قریب سنیں وہ فوراً اپنی مشین گن کی طرف جھپٹا۔

"ہاں! وہ آرہے ہیں وہ آگے ہی بڑھتے آرہے ہیں!" اس نے اپنے زخمی دوستوں کو سنانے کے لیے کہا" اپنے کارتوس کی پیٹیاں تیار رکھو! کیا تم پیٹیاں مجھے دیتے رہو گے؟"

فنک لیسٹین لڑکھڑاتا ہوا اس کی طرف بڑھا اور کمولا اپنی کانپتی ہوئی انگلیوں سے پیٹیاں تلاش کرنے لگا۔

"لاؤ!" رزاکوف نے دوبارہ کہا" کارتوس کی پیٹیاں مجھے دیتے رہو میں چشم زدن میں ان سب کو بھون ڈالوں گا!"

رزاکوف نے ان کے خون میں لتھڑے ہوئے چہروں کی طرف نہیں دیکھا لیکن اس کی پشت کی جانب سے ان کے جلد جلد سانس لینے کی آواز آتی رہی۔ اپنی اس دلگداز تکلیف کے باوجود اس کے دونوں زخمی دوست اسے کارتوس کی پیٹیاں دیتے رہے اور وہ اپنے بالمقابل نشانہ پر ان جرمن سپاہیوں پر جو ٹیلے کے عقب سے نمودار ہو ہو کر آگے بڑھ رہے

تے برابر آتش باری کرتا رہا۔
"لاؤ! اور لاؤ" رزاکوف نے پھر کہا۔
فنک لیسٹین درد کی شدت سے مغلوب ہو کر برابر کراہ رہا تھا اور مکولا کے منہ سے بچوں کی طرح سسکیاں لینے کی آواز آ رہی تھی لیکن وہ برابر رزاکوف کا ہاتھ بٹانے رہے دفعتاً ایک گولا ٹنک سے ٹکرا کر پھٹا اور یہ آہنی دیو ہچکولے کھانے لگا۔
"نکل آؤ! باہر نکل آؤ!" رزاکوف نے فاشی جرمنوں پر لعنت بھیجتے ہوئے بلند آواز سے کہا" ہم ٹنک کی آڑ لے کر اپنا کام جاری رکھیں گے!"
"ٹھیرو ہم آتے ہیں!" فنک لیسٹین اور مکولا نے جواب دیا۔
وہ نابینا تھے بالکل اندھے! انھیں قطعاً نظر نہ آتا تھا لیکن اس وقت رزاکوف کو انپر ذرا بھی ترس نہ آیا۔ اسے غصہ آ رہا تھا ——— بے وقوف انھیں ایسی شدید مصیبت کے وقت ہی اندھا.... بھی ہونا تھا۔ ان کی آنکھیں کس طرح ضائع ہو گئیں یہ لوگ کیا دیکھ رہے تھے اور پھر اس وقت..... اس وقت جب کہ ایک ایک شخص کا وجود بھی غنیمت شمار کیا جا رہا ہو ——— وہ کود کر ٹنک سے باہر نکلا اور مکولا کی آستین پکڑ کر اسے باہر نکالتے ہوئے کہا "ادہر آؤ! اس طرف!"
اور دونوں مجروح دوست ٹنک کی آہنی چادر کو ہاتھ سے چھو کر رزاکوف کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔
"لیٹ جاؤ! یہاں میرے قریب!" رزاکوف نے کہا
"جرمن کہاں ہیں؟" فنک لیسٹین نے تنفس آواز میں دریافت کیا
"تمہارے سامنے! تمہارے بالمقابل! کیا تمہیں نظر نہیں آتا؟" رزاکوف

نے دریافت کیا۔
"نہیں!" نک بیسٹین نے بہت آہستہ سے کہا "میں تو اندھا ہو گیا ہوں!"
"اچھا!" رزاکوف نے اپنی رائفل کا گھوڑا دباتے ہوئے بلند آواز سے کہا "جرمن تمہارے سامنے ہیں۔ تمہاری ناک کی سیدھ میں"
مفلوج ٹنک اور اس کے قریب ہی واقع چھوٹا سا ٹیلہ دونوں ایک مستحکم مورچہ بن گئے تھے اور ان دونوں کی آڑ میں لیٹے ہوئے یہ تینوں دوست بغیر نشانہ باندھے دشمن کی قطاروں پر گولیاں چلا رہے تھے، سپاہیوں کی چیخ پکار آتش بار اسلحہ کی گرج اور ٹینکوں کے بڑھنے اور ٹکرانے کی خوفناک آوازنے شور محشر برپا کر رکھا تھا لیکن جرمن حملہ کی قوت کم ہو گئی تھی اور وہ لمحہ بہ لمحہ کم زور اور کم ہمت ہوتے جا رہے تھے اچانک رزاکوف نے جرمن سپاہیوں کے ایک پہلو پر واقع برچ کے درختوں کے ایک کنج سے ایک ٹنک کو نمودار اور آن کی آن میں اسے جرمن صفوں میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ کر بلند آواز سے کہا۔
"ہم ان کے عقب میں پہنچ گئے ہیں! ہم نے انھیں گھیر لیا ہے!"
اب جرمنوں کے لئے مقابلہ کرتے رہنا ناممکن تھا' اپنی جان بچانے کے لئے انھوں نے پاگلوں کی طرح ادھر ادھر بھاگنا شروع کیا لیکن وہ سرخ سپاہیوں کے گھیرے میں تھے۔
"وہ بھاگ رہے ہیں! وہ دیکھو جرمن سپاہی بھاگ رہے ہیں!" رزاکوف نے دفورِ مسرت سے اچھل کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔
رزاکوف، کیچڑ، خون اور پسینہ میں لتھڑا ہوا تھا اور جسمانی محنت، ذہنی کوفت نیز غیر متوقع مسرت کے مختلف مگر مخلوط اثرات نے اسے درماندہ بنا

دیا تھا۔ دشمن کے عقب میں آنے والے ٹینک آگے بڑھ رہے تھے اور ان کے پیچھے پیچھے آنے والے پیدل سپاہی فاشسٹ جرمنوں کے لیے موت کا پیغام ثابت ہو رہے تھے بدحواسی کے عالم میں جرمن سپاہیوں کے ہاتھوں سے رائفلیں چھوٹ چھوٹ کر زمین پر گر رہی تھیں اور یہ فولادی ٹینک انھیں کچلتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے .... رفتہ رفتہ لڑائی کا خوفناک شور کم ہونے لگا اور کچھ دیر کے بعد زخمیوں کے کراہنے کے علاوہ میدان پر خاموشی طاری ہو گئی۔

(۴)

"مثلث کہاں ہے؟" کمانڈر نے مسکراتے ہوئے رزاکوف کے قریب آ کر کہا "کیا بات ہے؟ کیا تمہارا ٹینک بیکار ہو چکا ہے .... ؟ لیکن ٹنک لیبیٹین! تم کیا کر رہے ہو۔ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟"

رزاکوف نے اپنے دوستوں کی طرف دیکھا۔ گولا اور ٹنک لیبیٹین ہنوز اسی جگہ لیٹے ہوئے تھے جہاں خود اس نے انھیں لٹا دیا تھا اور ....

اور ایک دوسرے کے قریب لیٹے ہوئے وہ اب تک اپنے ریوالور بھرنے اور انھیں اس جانب خالی کرنے میں مصروف تھے جہاں چند لمحے پہلے انھیں جرمنوں کی، فاشسٹ جرمنوں کی موجودگی کا یقین دلایا گیا تھا۔

ان کی آنکھوں کے حلقوں سے خون ٹپک رہا تھا لیکن ان کی پیشانیوں پر استقلال، مافوق البشر استقلال کی علامتیں نظر آ رہی تھیں اور وہ اپنی بے نظر آنکھوں سے کسی نظر نہ آنے والے نشانہ کو دیکھتے ہوئے معلوم ہوتے تھے ان کے آتشبار اسلحہ برابر کام میں مصروف تھے اور ہر گولی چلانے کے بعد ٹنک لیبیٹین کے منہ سے ایک دردناک آہ نکل جاتی تھی لیکن گولا خاموش

تھا۔ اس کے خوبصورت سفید دانت اس کے زیریں لب میں پیوست ہو گئے تھے اور اس کی خوب صورت تھوڑی خون میں شرابور ہو گئی تھی۔

"تم کیا کر رہے ہو؟" کمانڈر نے دوبارہ کہا "تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔"

"نہیں ان کی آنکھیں ضائع ہو گئی ہیں!" رزاکوف نے ایسی آواز میں کہا جو کسی گہرے، بہت ہی گہرے غار میں سے آتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

ایک رات

ٹنک چلانے والے آئیوان دروبوت نے جس کے خوب صورت چہرہ پر شرمیلے پن کی جھلک نمودار تھی کسی قدر پس وپیش کے بعد کمانڈر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"کامریڈ کمانڈر! کل میدان جنگ میں آپ ہماری رہنمائی فرما رہے ہوں گے ہم سب خواہ وہ جنگ آشنا تجربہ کار اور سن رسیدہ سپاہی ہوں یا میرے جیسے نا تجربہ کار نوجوان، جو کل پہلی مرتبہ میدان جنگ میں جائیں گے۔ غرضکہ ہم سب اس بات سے واقف ہیں کہ یہ لڑائی نہایت سخت اور خونریز ہوگی اور یہ کہ ہم میں سے کچھ لوگوں کو پھر یہاں واپس آنا نصیب نہ ہوگا .... کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟

"نہیں!" ان کے مشہور اور ہر دلعزیز کمانڈر نیز سوویٹ یونین کے ہیرو.... ہیرو لوڈاب نے جواب دیا "دروبوت تم درست کہتے ہو لیکن تمہارا مقصد کیا ہے؟"

"میرا مقصد!" دروبوت نے ہچکچاتے ہوئے کہا "کامریڈ کمانڈر! تمام اخبارات آپ کی ہمت بے خوفی اور بہادری کے تذکرہ سے پر رہتے ہیں، کوئی جلسہ یا اجتماع ایسا نہیں ہوتا جہاں آپ کی تعریف نہ کی جاتی ہو حالانکہ ...... کامریڈ کمانڈر! آپ مجھے معاف فرمائیں گے اگر میں یہ عرض کروں کہ آپ مجھے زیادہ قوی اور مضبوط بھی نظر نہیں آتے پھر آپ کی ان تمام خوبیوں اور قابلیتوں کی اصل وجہ کیا ہے؟

ہاں! میں بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہم ذاتی طور پر بھی آپ کی ان خصوصیات سے واقف ہیں لیکن چونکہ اس وقت ہم میدان جنگ میں نہیں بلکہ اس مجلس میں دوستوں کی طرح بیٹھے ہوئے ہیں اس لیے میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ آپ کی اس بے خوفی، ہمت اور قوت کا راز کیا ہے؟ ممکن ہے کہ میں اپنے خیالات کو واضح طور پر ظاہر نہ کر سکا ہوں لیکن مجھے توقع ہے کہ اس کوتاہی کے لئے آپ مجھے معاف فرما دیں گے ..... "

درد بوت خاموش ہو گیا اس کا خیال تھا کہ وہ اس طویل تقریر کے باوجود اپنا مقصد واضح کرنے سے قاصر رہا ہے اور اس خیال نے اس کے چہرے کو سرخ بنا دیا تھا۔

"نہیں! نہیں!" کمانڈر نے اسے اطمینان دلاتے ہوئے کہا "درد بوت تمہاری باتیں بالکل واضح تھیں، تم نے اپنے خیالات کو نہایت عمدگی کے ساتھ ظاہر کیا ہے اور تمہارے سوال کا جواب دے کر مجھے بے حد مسرت ہوگی بالخصوص اس لئے کہ میری قوت اور دلیری ایک راز کے ساتھ وابستہ ہے۔"

اس چھوٹی سی فوجی جماعت کا ہر فرد جو کم و بیش تیس افسروں اور سپاہیوں پر مشتمل تھی کمانڈر کی دلچسپ اور طویل گفتگو سننے کے لئے اس کے قریب تر بیٹھ گیا۔ کمانڈر اچھا خاصا داستان گو واقع ہوا تھا، اس کے ساتھی بھی سمجھ دار اور خوش مزاج تھے اور ان ..... سب کے درمیان برادرانہ محبت کا رشتہ قائم ہو گیا تھا۔ اس نے اپنا پائپ زمین پر رکھ دیا اور سب لوگوں کے اطمینان کے ساتھ بیٹھ جانے کے بعد کہنا شروع کیا۔

(۲)

" یہ دریائے ذنرنا کے قریب کا واقعہ ہے .... ہاں!

دریائے ڈزنا کے قریب کا...... مختصر یہ کہ ایک معمولی یوکرینی ماہی گیر' یوکرین کے عام باشندوں کی طرح ایک سیدھے سادے اور ...... کی روس کی فتح پر کامل یقین رکھنے والے بوڑھے شخص نے دریائے ڈزنا کے قریب میری کایا پلٹ کر دی"

"ہم میں سے ایسا کون شخص ہے جس نے گذشتہ سال جرمنوں کے طوفان آسا حملہ اور پیش قدمی کا مقابلہ کیا ہو اور اسے وہ بوڑھا ماہی گیر یاد نہ ہو؟ گذشتہ سال کا موسم خزاں کسے یاد نہیں جب ہر دریا جنگ کے ہیبتناک ناٹک کا ایک مستقل منظر بنا ہوا تھا اور دریاؤں کے قرب وجوار میں آباد ملاح خضر کی طرح ہماری حفاظت اور رہنمائی کر رہے تھے موت سے بے نیاز ہو کر! وہ گھاٹ کے قریب جمع ہو جانے والے سپاہیوں کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے اور کبھی کبھی ان کی یہ ناپسندیدگی نفرت اور حقارت' لامحدود نفرت اور حقارت میں تبدیل ہو جاتی تھی لیکن وہ ہمیں دریاؤ کے پار لے جاتے تھے' اپنی جان پر کھیل کر کیوں؟" اس نے اپنے بعض ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا "کیا نہیں یاد ہے؟"

"درست ہے!" خندق کے ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے ٹھنڈا سانس بھر کر جواب دیا

"بہرحال واقعہ یہ ہے کہ......!" کپتان کو لوڈاب نے اپنی دائیں ٹانگ کو بائیں پر رکھ کر اس پسندیدہ طریقے سے بیٹھنے کے بعد جس طرح وہ بچپن میں ایک چرواہے کی حیثیت سے بیٹھنے کا عادی تھا اپنے ساتھیوں پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

خندق میں تمباکو کا دھواں پھیلا ہوا تھا' لوگ مختلف انداز میں ایک

دوسرے کے متصل بیٹھے ہوئے تھے اور اگرچہ یہ چھوٹی سی جماعت روس کے مختلف حصوں کے باشندوں پر مشتمل تھی لیکن وہ سب ایک ہی خاندان کے ارکان نظر آتے تھے۔ وہ سب ایک جان اور دو قالب کے مصداق اپنے خیالات اپنی خواہشات اور اپنے ارادوں میں متحد تھے۔ جنگ کے ناقابل فراموش روز افزوں اور نت نئے خطرات نے انھیں پہلے سے کہیں زیادہ متحدالخیال بنا دیا تھا ان خطرات اور اندیشوں نے جنھیں ایک انسان زندگی بھر فراموش نہیں کرسکتا۔

وقت گذرتا جائے گا' زخم مندمل ہو جائیں گے ہل دشمنوں کی قبروں کو ہموار کردیں گے تباہ شدہ بستیاں از سر نو تعمیر کر لی جائیں گی ہمارے بزرگوں کے ذہن سے آج کے المناک واقعات کا بہت سا حصہ فراموش ہو جائے گا اور آج جو کچھ پیش آ رہا ہے کل ایک افسانہ بن کر رہ جائے لیکن ایک بات۔ فقط صرف ایک بات ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ . . . . ہر عہد کے لوگ اسے یاد رکھیں گے کہ جن افراد و اقوام نے جرمن فاشیت کی لعنت و وحشت کا مقابلہ کرکے دنیا کو اس کے نامبارک اور آزاد وجود سے پاک کیا تھا ان کے مابین محبت خلوص اور ہمدردی کے کتنے گہرے اور قابل فخر جذبات و احساسات کار فرما تھے

"ہم پسپا ہو رہے تھے بے ترتیبی کے ساتھ ایک دوسرے سے بے خبر اور توپ خانہ کی امداد سے محروم۔ ہمیں اندیشہ تھا کہ نہ معلوم کس وقت دشمن ہمیں محصور کرلے اس لئے ہم دن رات مشرق کی طرف پسپا ہونے میں مصروف تھے۔ ہمارے زخمی ساتھی ہمارے کاندھوں پر ہوا کرتے تھے اور جب کبھی اپنی بدحواسی کی بدولت ہم میں سے کوئی شخص ٹھوکر کھا کر گر پڑتا تھا تو ہم دنیا کی ہر شے پر لعنت بھیجنے لگتے تھے لیکن ہمارا سفر جاری رہتا تھا کچھ لوگوں

نے مصیبتوں سے تنگ آکر مایوسی کی حالت میں خودکشی کرلی تھی اور بعض اپنے اسلحہ پھینک کر اپنی قسمت کو برا بھلا کہتے ہوئے اپنے جھونپڑوں میں جا چھپے تھے ان میں اتنی ہمت بھی باقی نہ رہی تھی کہ وہ اپنے اسلحہ کسی دوسرے کو سپرد کردیں۔"

کولوڈاب خاموش ہوگیا وہ اپنے خیالات میں کھویا ہوا سا معلوم ہوتا تھا لیکن اس نے پھر کہنا شروع کیا

"ہم چند آدمی۔ غالباً پندرہ جن میں دو تین ٹینک چلانے والے جن کے ٹینک بیکار ہو چکے تھے کچھ توپچی، چند سیاسی افسر، دو سنتری، ریڈیو کا ایک ماہر اور ایک کرنل تھا ۔۔۔ ایک جماعت کی صورت میں پسپا ہو رہے۔ اس وقت میں خود بھی ایک ٹینک کا کمانڈر تھا لیکن میرے ٹینک کا موٹر بیکار ہوگیا تھا اور میں اسے جرمنوں کے قبضہ میں چھوڑ آیا تھا ...... دراصل میں ایک باغبان ہوں اور جنگ سے پہلے میرا تمام وقت گاتے رہنے اور خوب صورت لڑکیوں کو دیکھ کر لطف اندوز ہونے میں بسر ہوتا تھا ..... بس مجھے اتنا ہی یاد ہے ....."

کپتان کولوڈاب نے یہ کہہ کر ایک قہقہہ لگایا اور اس کے تمام ساتھی بھی ہنسنے لگے۔ اس نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"ہم تھک گئے تھے، بہت زیادہ ہمارے پیروں نے چلنے سے انکار کردیا تھا، وہ ہمارا بوجھ بھی اٹھانے کے لئے تیار نہیں تھے اور شام ہو جانے کے باعث ہم اور بھی پریشان تھے۔ ہمارے سامنے اور گاؤں سے چند گز کے فاصلہ پہ دریا بہہ رہا تھا اور ہمارے عقب میں تھوڑی ہی دور پہ جرمن سپاہی چلے آرہے تھے۔ ہم میں سے بعض افراد تیرنا بھی نہیں جانتے تھے

اور بظاہر دریا کو عبور کرنے کی کوئی صورت ذہن میں نہ آتی تھی کہ اچانک ہمارے ایک ساتھی نے دریا کے قریب ہی واقع ایک مکان کی جانب اشارہ کیا اور ہم لوگ جلد جلد قدم اٹھاتے ہوئے اس جگہ جا پہنچے اسی وقت بوڑھا پلاٹون ہیوڈرک ایک چوبی بالٹی اور جال لئے ہوئے باہر نکلا اور ہمیں دیکھ کر کہا۔

"اچھا! چڑیل کے بچو تم بھی بھاگ رہے ہو؟ میں تم جیسے بہت سے بزدلوں کو دریا کے پار اتار چکا ہوں بے شمار بزدل بھگوڑوں کو! حیرت کی بات ہے کہ تم لوگ قوی، تندرست اور جوان ہونے کے باوجود دوڑ کر دریا عبور کرنے کی التجائیں کرتے ہو...... سیوکا...... !" اس نے اپنے ہمسایہ کو آواز دیتے ہوئے کہا "سیوکا! یہاں آؤ! ان لوگوں کو دریا کے پار پہنچانا ہے دیکھو تو ان کے چہروں سے کیسی وحشت اور سراسیگی ٹپک رہی ہے گویا کہ یہ لوگ خود کو ابھی تک بھاگتے ہوئے ہی محسوس کر رہے ہیں۔ ہاں جلدی آؤ! میرا خیال ہے کہ یہ ان بزدلوں کا آخری گروہ ہے"

بوڑھے پلاٹوں کی آواز سن کر سیوکا اپنے گھر سے نکلا اور مصنوعی تعجب سے ہماری طرف دیکھنے لگا اگر میں غلطی نہیں کرتا تو اس کی عمر ستر سال سے کسی طرح بھی کم نہیں تھی۔ اور اپنی تراشیدہ ریش، بوسیدہ اور دریدہ ٹوپی جس نے اس کے کانوں کو بھی چھپا رکھا تھا، خاکی رنگ کی گرم صدری اور اپنے چھوٹے قد کی بدولت وہ بزرگ نکولس کا زندہ مجسمہ معلوم ہوتا تھا۔ سیوکا کے پیچھے ہی پیچھے دو چپو ہاتھ میں لئے ایک نوجوان بھی مکان سے برآمد ہوا۔

"اوہ! سنو تو!" سیوکا نے ہماری طرف دیکھ کر طنزیہ انداز میں کہا "بھئی کوئی بات ضرور ہے ورنہ...... ہاں تمہاری وردیاں نئی ہیں، تمہارے چہرے

خیمے اور بیڑیاں چمک رہی ہیں اور تم خود بھی جوان ہو...... لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ تم صحیح راستہ پر نہ چل رہے ہو.......!"

"آؤ!" پلاتون نے سیوکا کی بے ربط گفتگو کو قطع کرتے ہوئے کہا "چلو انھیں بھی پار اتار آئیں!"

ہم سب ان دونوں کے پیچھے پیچھے دریا کی طرف روانہ ہو گئے

بورس تیرنا نہیں جانتا تھا اس لئے وہی سب سے زیادہ پریشان بھی تھا۔ میں نے آہستہ سے اس کے کان میں کہا۔

"گھبراؤ نہیں بورس! کنارہ پر ایک مضبوط کشتی موجود ہے۔ اب دریا کو عبور کر لینا کچھ دشوار کام نہیں"

"کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ لوگ ہمیں دریا کے پار لے جائیں گے؟" بورس نے اپنے اضطراب کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا "ہمیں ہوش سے کام لینا چاہیئے!"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ لوگ اس طرح کیوں بھاگ رہے ہیں؟" بڈھے پلاتون نے چلتے چلتے اپنے ہم عمر سیوکا سے ایسے انداز میں کہا گویا کہ وہ وہاں ہماری موجودگی سے بالکل بے خبر ہے "یہ لوگ موت سے کیوں اس قدر خائف ہیں؟ جنگ شروع ہو جانے کے بعد تو موت کا اندیشہ دل سے نکل جانا چاہیئے۔ اگر کسی شخص کے لئے موت مقدر ہی ہے تو وہ آ کر رہیگی جگہ جگہ بھاگتے پھرنے سے اسے روکا نہیں جا سکتا!"

"بیشک!" سیوکا نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر کہا "موت سے نجات ناممکن ہے وہ ہر جگہ موجود ہے اور وقت کی منتظر!"

"ان بزدل نوجوانوں کو وطن کی مدافعت سے حقیقی دلچسپی نہیں!" پلاتون نے

کے ساتھ کہا" ان کے برعکس میرے بیوکو دیکھو اس نے حال حن گول میں فاشی جرمنوں کو کیسا مزہ چکھایا اور ایک ایک آدمی کو حن حین کر تہ تیغ کر دیا! کیا تم نے اس کا خط نہیں پڑھا؟ اب وہ کرنل کرنل ہر لیو کو پیوٹرک! لیکن انھیں آدمی کہنا آدمیت کی توہین ہے یہ تو حشرات الارض سے بھی بدتر ہیں!"

ہم لوگ بید کے گھنے درختوں کے مابین تنگ راستہ پر چلے جا رہے تھے اور دونوں ضعیف العمر ماہی گیر پلاتون اور سیوکا اپنے جپّو اور جال لیے ہمارے آگے آگے ایسے استقلال اور اطمینان کے ساتھ گامزن تھے گویا کہ وہ حسب معمول شکار کے لیے جا رہے ہیں اور انھیں دشمن کے توپ خانہ کی گرج اور ہوائی... جہازوں کی گونج کا کوئی علم نہیں۔ مختصر یہ کہ پسپائی کے ان اندوہ ناک ایام میں جرمنوں کے جن آتشبار اسلحہ نے ہمیں سراسیمہ ہی نہیں بلکہ بزدل بھی بنا دیا تھا ان کے نزدیک ان ہلاکت خیز اسلحہ کی کوئی حقیقت ہی نہیں تھی۔

"دادا جان!" بورس نے دریافت کیا" کیا آپ" ذرا تیز نہیں چل سکتے؟"

پلاتون نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بورس نے یوکرینی زبان میں اپنا سوال دہرایا....

"نہیں!" پلاتون نے کسی قدر غصہ کے ساتھ جواب دیا" میں پوچھتا ہوں تم پر کونسی مصیبت آرہی ہے کہ تم اس سے بچنے کے لئے بھاگ جانا چاہتے ہو؟ تم دیکھتے نہیں کہ میں بوڑھا ہوں اور میرے لئے تیزی کے ساتھ قدم اٹھانا دشوار ہے۔ میری تیز گامی کا وقت تو گذر چکا اس وقت میں تم سے کہیں زیادہ تیز چلنے کا مدعی تھا۔"

"لیکن دریا کتنی دور ہے؟ بورس نے پھر سوال کیا۔

"دریا؟ دریا تو وہ سامنے ہے!" پلاتون نے جواب دیا ——— دفعتاً بید کا جنگل ختم ہو گیا اور اب ہم دریا کے سفید ریت پر چل رہے تھے۔ ہمارے سامنے

دریا سے ڈرنا ، ریت کے سفید بستر پہ پڑا ہوا کروٹیں بدل رہا تھا ۔ وہ وسیع عمیق اور خاموش ڈرنا جس کے قریب مجھ پر وہ حقیقت منکشف ہوئی تھی جو میری قوت ، بے خوفی اور جرأت کا حقیقی راز ہے دریا کے پار ایک اونچا کنارہ نظر آرہا تھا جس کے بعد کچھ دور تک ریت پھیلا ہوا تھا اور پھر وہی بید کے درخت جن کے عقب میں ایک گھنا جنگل واقع تھا ۔ اور . . . . اس تمام منظر پر شامیانہ کی طرح پھیلا ہوا آسمان کچھ اس قدر دلکش اور حسین نظر آرہا تھا جس کا اظہار ناممکن ہے ۔

سورج غروب ہو رہا تھا اور اس کی قرمزی شعاعیں مغرب کی جانب سے اٹھ اٹھ کر آسمان پر چھانے والے بادلوں کو روشن کر رہی تھیں ۔ بادل دبیز اور سیاہ تھے لیکن ان کا بالائی حصہ جو براہ راست ہمارے سروں پہ معلق تھا شعاعوں کے اثر سے گہرا سرخ اور اس سے متصل زرد نظر آرہا تھا ۔ سیاہ بادلوں میں بجلی کی خاموش لہریں مچل رہی تھیں اور آواز بازگشت کی طرح جب یہی منظر دریا میں منعکس ہوتا تو ہم یہ محسوس کرنے لگتے کہ یہاں نہ تو دریا ہے اور نہ ہم زمین پہ کھڑے ہوئے ہیں بلکہ بادلوں کے درمیان ایک افسردہ کن ، لامحدود اور خاموش خلا میں ہم ایک ذرہ کی طرح گردش کر رہے ہیں ۔

فضا کی کیفیت معمول سے مختلف تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس نے حالات کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا ہے اور اپنی اندیشہ ناک علامات کے ذریعہ ہمیں تنبیہہ کر رہی ہے اس بھیانک رات سے خوف زدہ ہو کر مچھلیاں بھی دریا کی تہ میں جا چھپی تھیں تاریک بادلوں کے پیچھے ، ہماری نظر کے سامنے شب تار کو منور کر دینے والے جو من غبارے سیاہ سانپ کی طرح بل کھاتے اور پھنکارتے ہوئے

فضا کو روشن کر رہے تھے اور کہیں فاصلہ پر توپیں گرج گرج کر اس منظر کی سہمناکی میں اضافہ کر رہی تھیں۔ ہم خاموش اور بے حس و حرکت کھڑے تھے مضطرب اور بد حواس ہمارے ماحول نے ہمیں پریشان کر دیا تھا اور ہمیں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی خوفناک حادثہ پیش آنے والا ہے۔

"سوار ہو جاؤ! ہم تمہیں دریا کے پار چھوڑ آئیں" پلاتون نے جو اپنی چھڑ لئے ہوئے کشتی کے قریب پہنچ گیا تھا اس ہولناک سکوت کو توڑتے ہوئے کہا "ہم تمہیں دریا کے پار چھوڑ دیں گے اور پھر تم لوگ اپنی مرضی کے مختار ہو۔ لیکن تم لوگ کھڑے کس لئے ہو؟ شاید تم کشتی میں ابھی سوار نہیں ہو سکتے اور یہ کام بھی ہم لوگوں ہی کو انجام دینا پڑے گا!۔ بھاگتے ہو؟ اچھا بھاگو! بزدل!....

..... لیکن تم جاؤ گے کہاں؟ کیا تم نے کبھی کشتی نہیں دیکھی؟ تم سپاہی ہو؟"

ہم خاموشی کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہر شخص اپنے اپنے اندوہناک خیالات میں مستغرق ہے۔

" سیوکا! کیا تم تیار ہو؟" پلاتون نے دریافت کیا

"کشتی کھول دو!" سیوکا نے جواب دیا

" دیکھو تو! بادل کس طرح منڈلا رہے ہیں!" پلاتون نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اوہ! یہ منظر یوم الحساب سے مشابہ معلوم ہوتا ہے!"

بوڑھے پلاتون نے دوبارہ آسمان کی جانب نظر ڈالی اپنی ہتھیلیوں کو تر کرنے کے لئے ان پر تھوکا اور اپنا چپو تھام کر ایک ایسا جھٹکا دیا کہ کشتی کنارہ سے جدا ہو گئی۔ سیوکا اور اس کا پوتا کشتی کے دونوں پہلوؤں میں بیٹھ کر چپو اس کو حرکت دینے لگے اور یہ کول تار سے رنگی ہوئی پرانی لیکن کشادہ کشتی جو اب بوسیدہ بھی ہو گئی تھی آہستہ آہستہ دوسرے کنارہ کی جانب روانہ ہو گئی۔

(۳۲)

میں کشتی میں پلاتون کے قریب ہی بیٹھا ہوا پرسکون دریا دریا کے کنارہ اور آسمان کے پس منظر میں منڈلاتے ہوئے گھرے سیاہ بادلوں کو تک رہا تھا دفعتًا میں نے محسوس کیا کہ میں دریا کو عبور کر کے ایک دوسری دنیا میں جا رہا ہوں بے خبری اور بے حسی کی تاریک اور نفرت انگیز دنیا میں! میرے دل میں شرم و ندامت یاس و ناامیدی ناقابل اظہار رنج و غم اور اسی قسم کے دوسرے جذبات و خیالات زہر آلود نشتر چبھو رہے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں ڈزنا، خوب صورت اور حیا بخش ڈزنا کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ رہا ہوں

اچانک پلاتون کی آواز نے میری محویت کے طلسم کو توڑ دیا۔ وہ سیوکا کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا۔ ایسی گفتگو جو ہم سب لوگوں کے لئے توہین آمیز اور ہماری سماعت کے لئے ناخوشگوار اور تلخ تھی۔ کوئی بات اسے پریشان کر رہی تھی وہ اس پر غور کر رہا تھا لیکن خاموشی کے ساتھ نہیں بلکہ گفتگو کرتے ہوئے۔

" خدا ہی جانتا ہے کہ کیا واقعہ پیش آنے والا ہے!" وہ کہہ رہا تھا۔ "آج صبح ایک شخص میرے یہاں آیا تھا سے پیر تاب مسلح اس کی بیٹی بالکل نئی اور چمکدار"

" اوہ!" میری پشت کی جانب سے سیوکا کی آواز آئی

" کیا اس سامان پر معقول رقم صرف نہیں ہوتی؟" پلاتون نے اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہا

" اوہ اوہ!" سیوکا نے پھر ایک سرد آہ بھری لیکن پلاتون کہتا رہا

" اٹھو! اس نے کہا مجھے دریا کے پار لے چلو، تم بہت سوچکے ہو حالانکہ میں نے تین راتیں آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹ دی تھیں پھر بھی میں اسے دریا کے

پار ے گیا۔ ابھی غروب آفتاب سے کچھ دیر پہلے کی بات ہے کہ میں اور ستر دفان ایک گروہ کو دریا کے پار چھوڑنے گئے تھے ان میں سے ایک شخص خدا اسے شیطان کے حوالہ کر دے ہمارے قریب بیٹھے ہوئے شخص کی طرح کالی عینک لگائے ہوئے تھا۔ اس کی پیٹی چمک رہی تھی وہ اپنے ریوالور کو ہلا ہلا کر بار بار مجھے دھمکاتا اور کہتا تھا مجھے دریا کے پار پہنچا دو جلدی کرو جلدی خدا کی یہی مرضی ہے' مگر وہ خود کانپ رہا تھا اور خوف سے مچھلی کی طرح اس کی آنکھیں باہر نکلی پڑتی تھیں یہ تھا اس خوف زدہ سپاہی کا حال میرا خیال ہے کہ تم اچھی طرح سمجھ گئے ہو گے۔ خدا ہم سب پر رحم فرمائے"

"نہ معلوم کیا ہو کر رہے گا!" سیوکا نے چپّو چلاتے ہوئے آہستہ سے کہا

"خدا ہی بہتر جانتا ہے!" پلاٹون نے سانس لے کر پھر کہنا شروع کیا "پھر ...... اس کے ساتھیوں نے اس کی یہ حرکت دیکھ کر اس سے کہا کہ تم بڑے میاں کو پریشان کیوں کرتے ہو؟ اور جب انھوں نے دیکھا کہ انکی مداخلت کے باوجود وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا تو وہ اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کی ساری دلیری خاک میں مل گئی اور پھر ہر طرف خاموشی چھاگئی ایسی خاموشی جیسی کہ اس وقت چھائی ہوئی ہے۔ ذرا غور تو کرو ......!"

پلاٹون خاموش ہو گیا اور دشمن کی توپوں کی گرج کو غور کے ساتھ سننے لگا

"سنو تو! میرا خیال ہے کہ اب جرمنوں کو یہاں تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہ لگے گی"۔ اس نے پھر کہا

جرمن توپوں کی آواز قریب تر سنائی دے رہی تھی اور خوف زدہ پرندے گھبرائے ہوئے ہوا میں پرواز کر رہے تھے۔

"ہمیں جلد دوسرے کنارہ پر پہنچا دو!" میرے ساتھیوں میں سے بعض نے کہا

"اوہ!" سیوکا نے کہا "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اگر اس لڑائی میں تمہیں مرنا ہی ہے تو تم کسی طرح موت سے بچ نہیں سکتے اور تمہیں کوئی کشتی اور کوئی کنارہ بھی محفوظ نہیں رکھ سکتا اگر تم گولی سے بچ جاؤ گے تو کوئی مچھر کوئی جوں یا کوئی پسّو ہی تمہارے لئے ملک الموت بن جائے گا اور اس طرح تقدیر کا لکھا پورا ہو جائے گا . . . . بائیں طرف کو رہو اس جگہ دھارا تیزی کے ساتھ بہہ رہا ہے"

"میں بائیں طرف ہی کو ہوں!" پلاتون نے اپنے چپّو کو زیادہ زور کے ساتھ چلاتے ہوئے غصہ کے ساتھ کہا "اگر یہاں میرا لیو کو اور اس کا دستہ ہوتا تو وہ اس طرح فرار ہونے کی کوشش نہ کرتے اور کم از کم وہ تو کشتی کو واپس لے جا کر جرمن سپاہیوں کی قطاروں میں گھس جاتا اور اگر کبھی ایسا موقعہ ہوا تو تم دیکھ لینا کہ لیو کو کس بہادری کے ساتھ مقابلہ کرے گا وہ بھاگے گا نہیں"

"بیشک!" سیوکا نے اتفاق رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا "میرے دیمد کا بھی یہی حال ہے اسے دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا جائے یا اس کا قیمہ بنا دیا جائے لیکن وہ ان لوگوں کی طرح بھاگے گا نہیں! انہیں تو اپنی جان بچانے کا خیال ہے اور بس! اور تم میری یہ بات یاد رکھو کہ ان کی اس بزدلی کی بدولت ہمیں اپنے وطن میں واپس آنے کے لئے عرصہ دراز تک ہمت شکن انتظار کی گھڑیاں گنتے رہنا پڑے گا کیونکہ اس بات میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں کہ ہم پھر یہاں آئیں گے!"

"بیشک!" پلاتون نے فوراً کہا "یہ ہمارا وطن ہے ہم اس سے کس طرح علیحدہ رہ سکتے ہیں؟ ہم ضرور واپس آئیں گے اور مجھے یقین ہے کہ ہم اپنے ساتھ دوسروں کو بھی جرمنوں کی غلامی سے نجات دلائیں گے لیکن اس کام میں

میں خون کے دریا بہہ جائیں گے! کاش یہ بزدل اس حقیقت کو سمجھ سکتے!"
وہ خاموش ہو گیا۔

میں سکتہ کے عالم میں پلاتون کو تک رہا تھا اور اس کا ایک ایک لفظ میرے دل پر نشتر کا کام کر رہا تھا۔ اس ضعیف العمر سپاہی کو ہماری فتح کا یقین تھا اور میں اسے اپنی بہادر قوم کا ان دلیر اور جانباز افراد کا جنھیں ہمیشہ اپنی کامل فتح کا یقین رہا ہے زندہ مجسمہ تصور کرنے لگا تھا
"لیکن ....!" کرنل نے متانت کے ساتھ کہنا شروع کیا "ہمارا دستہ تو مجبوراً پسپا ہوا تھا"
"غلط ہے!" پلاتون نے غصہ سے سرخ ہو کر کہا "تم مقابلہ نہیں کر سکے۔ میری رائے میں تمہاری پسپائی کا اصل سبب یہی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ جنگ کے قواعد و ضوابط میں جنگ کے متعلق کیا لکھا ہے؟ کیا تمہاری نظر سے یہ جملہ نہیں گذرا کہ، جنگ کے زمانہ میں اگر تم دروازہ کی طرف جانا چاہتے ہو تو تمہیں اپنے اس ارادہ پر شرم آنی چاہیئے"
"کیا تم لوگوں کو بھی شرم آتی ہے؟" سیوکا نے دریافت کیا
"ہوں! اور تم لوگ موت سے خوف زدہ ہو" پلاتون نے کہا "اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ تمہیں شرم آتی ہے اور نہ تمہارے دل میں دشمن سے نفرت موجود ہے۔ تمہارا ضمیر مردہ ہو چکا ہے ......" پلاتون کی آواز بلند ہو گئی اور جوش و غصہ کے عالم میں چمچہ بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ ہم اس کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دے سکے۔ ہمارے پاس جواب ہی کیا تھا؟
ہمارے قریب ہی دریا میں کوئی شے بہتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔ ہم سب نے بیک وقت اسے دیکھا۔

"یہ کوئی ہمارا آدمی ہے یا جرمن؟" پلاتون اسے اپنی طرف کھینچنے کے لئے چپو اٹھاتے ہوئے کہا " اچھا! جرمن ہے کاش تجھے ہیضہ ہو جاتا! لیکن یہ تو تیر رہا ہے اور تم لوگ ...... ؟ دیکھا یہ کہاں جا رہا ہے؟ ڈزنا ہیں! اس کتنے لے اسے عبور کرنے کی جرأت کی ہے لیکن تم لوگ ابھی تک پس و پیش ہی کر رہے ہو.... حالانکہ سوچنے اور برداشت کرنے کا وقت گذر چکا ہے"

"سنو! بڑے میاں!" بورس نے جوش سے مغلوب ہو کر اپنی جگہ اٹھتے ہوئے کہا "میں جرمنوں سے نفرت کرتا ہوں. میری روح ان سے متنفر ہے!"

"اچھا!" پلاتون نے جواب دیا " اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری روح بہت چھوٹی ہے۔ میرے عزیز! روحوں کی بھی تو قسمیں ہیں؛ بعض دریائے ڈنیپر کی طرح عمیق اور تیز رفتار ہوتی ہیں اور بعض ڈزنا کی طرح وسیع اور آہستہ رو؛ اور اگر تم ناراض نہ ہو تو میں کہنا چاہتا ہوں کہ روح کی ایک تیسری قسم بھی ہے جسے کیچڑ سے تشبیہہ دی جا سکتی اور جو عمل کی بجائے محض لفاظی سے مطمئن ہو جاتی ہے"

"لیکن اگر کوئی شخص خوف زدہ ہو جائے تو روح کے عمیق یا وسیع ہونے سے اسے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟"

بورس نے پلاتون کی باتوں سے چڑ کر دل ہی دل میں خود کو ملامت کرتے ہوئے جواب دیا۔

بورس ہمارے گروہ میں حاضر جواب اور نکتہ رس مشہور تھا لیکن اس وقت اس کی تمام قابلیت بھاپ کی طرح ہوا ہو گئی تھی. پلاتون نے اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر تم خوف زدہ ہو تو تمہیں خود کو بھی زنجیر سے توپ کے ساتھ باندھ لینا چاہئے

اور جس وقت تک زندہ رہو دشمن پر خاموشی سے آتش باری کرتے رہنا چاہئے
یہ کام زندہ رہنے والوں کا ہے کہ وہ تمہیں بزدل اور خوف زدہ قرار دیں
یا بہادر اور ہوشمند! ورنہ اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ تمہیں دشمن سے
بیحد نفرت ہے تو اس بات کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس نفرت پر زندگی کی محبت
اور خوف غالب ہے اور اسی لئے تم بھاگتے اور مقابلہ سے جی چراتے پھر رہے
ہو...... بڑے میاں ہمیں دریا کے پار پہنچا دو!... دشمن سے
نفرت کا دعوہ اور زندگی سے محبت! اگر مرنا بھی نہیں جانتے تو تمہاری زندگی
بیکار ہے!"

"لیکن یہ بات تو ہر شخص کو معلوم نہیں ہو سکتی!" بورس نے جس میں اب
کھڑے رہنے کی ہمت بھی نہیں رہی تھی آہستہ سے کہا

"ہاں!" پلاتون نے جواب دیا "مصیبت تو یہی ہے! ایسی حالت میں کہ
دشمن بڑھا چلا آ رہا ہو ہر شخص کو یہ بات معلوم ہونی چاہیئے۔ بالکل اسی طرح
جس طرح ہر شخص کھانا جانتا ہے لیکن تم لوگوں نے تو محض باتیں بنانا سیکھ
لیا ہے۔"

"ہو ہو! ہمارے لئے ایک کشتی لاؤ!" دریا کے اس کنارہ سے جسے ہم چھوڑ آئے
تھے آواز آئی

"کچھ اور بزدل چلا رہے ہیں!" سیوکا نے کہا "جرمن ان کی آواز سن رہے
ہوں گے کیا یہ لوگ سکون کے ساتھ انتظار بھی نہیں کر سکتے؟

کچھ دیر تک ہم لوگ خاموشی کے ساتھ راستہ طے کرتے رہے اور پلاتون
پوری قوت کے ساتھ چپو چلاتا رہا لیکن اس کے بشرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ
اپنی ذہنی کشمکش کو کم کرنے کے لئے کچھ اور کہنا چاہتا ہے۔

"سیوکا!" اس نے ملند آواز میں کہنا شروع کیا" خود تو کہہ دو کہ ان لوگوں کی حرکتوں سے واقف ہو کر اسٹالین کیا سوچتا ہوگا بہرحال اس کے تمام ارادوں اور تجویزوں کی تکمیل انھیں لوگوں پر منحصر ہے۔ جس طرح میں اپنے لیو کو پر بھروسہ کرتا ہوں وہ بھی ان لوگوں پر بھروسہ کرتا ہے لیکن یہ ہیں کہ کہتے ہوئے آتے ہیں ...بڑے میاں ہمیں دریا کے پار پہنچا دو!"

"کیا تم نے کامریڈ اسٹالین کی تقریر سنی ہے؟" بورس نے دریافت کیا

"نہیں!" پلاتون نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر آہستہ سے جواب دیا۔

"ہاں! پلاتون" سیوکا نے کہا" ذرا سوچو تو کہ اسٹالن کتنے عرصہ تک انھیں تربیت دیتا رہا لیکن آج یہ لوگ بھاگتے پھر رہے ہیں حالانکہ وہ اس وقت بھی کہہ رہا ہے کہ تم کیا کر رہے ہو؟ استقلال کے ساتھ اپنی جگہ کھڑے رہو، پیچھے قدم مت ہٹاؤ۔ تم جس قدر پیچھے ہٹو گے اسی قدر زیادہ خونریزی ہوگی اور تمہارا تم سپاہیوں کا ہی نہیں تمہاری ماؤں، بہنوں اور بچوں کا خون بھی بہے گا وہ اس قسم کی تقریر کرتا ہے!"

"کامریڈ اسٹالن نے یہ باتیں کبھی نہیں کہیں!" بورس نے فاتحانہ انداز میں کہا

"اچھا! اگر اس نے اب تک یہ باتیں نہیں کہیں تو اب کہہ دے گا۔ کامریڈ اسٹالن وہی باتیں کہتا ہے جو لوگ سوچتے ہیں اور لوگ وہی باتیں سوچتے ہیں جو کامریڈ اسٹالن کہنا چاہتا ہے ......" سیوکا نے جواب دیا

"سیوکا! معلوم نہیں تمہاری کیا رائے ہے؟" پلاتون نے کہا" لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے تمہارا تو کیا شیطان بھی مجھے ڈزنا یا ڈنیپر سے علیحدہ نہیں کر سکتا!"

"بڑے میاں!" لیفٹننٹ سوکول نے مدافعانہ انداز میں کہنا شروع کیا۔

"کہنا بہت آسان ہے لیکن ذرا صبر کرو اور دو چار ٹنکوں کو آنے دو.....!"
"اچھا اگر وہ ابھی جائیں تو......" پلاتون نے جو ہماری باتوں کو سننے کے لیے بھی تیار نہ تھا سوکولی کی بات کاٹ کر کہا"....کیا ہوگا؟ یہ ٹنک تمہیں کتنی مرتبہ ہلاک کریں گے؟ بہرحال تم لوگ ہی ان سے مقابلہ کر کے انھیں بیکار بنا دوگے میں نہیں! میں اپنے زمانہ میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں۔ میرے لیو کو دیکھو! کیا تم نے نہیں سنا کہ اس نے خال خن گول میں ان....... ہاں تم انھیں کیا کہتے ہو؟...... ٹنک! ہاں ان ٹنکوں کے ساتھ کیا کیا — یاد رکھو! مضبوط دل بڑے سے بڑے ٹنک سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے یہ بات کل بھی درست تھی آج بھی ہے اور کل بھی رہے گی"

اس کی گفتگو اس درجہ تلخ اور طنز آمیز تھی کہ میں اسے برداشت نہ کر سکا میری نظر میں اب وہ ایک خود پسند، بے رحم اور غیر منصف مزاج شخص سے زیادہ وقعت نہ رکھتا تھا

"بڑے میاں!" میں نے اپنے جذبات پر غالب آنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کے بالکل قریب کھڑے ہو کر نرمی کے ساتھ کہا — "کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ہماری موجودہ حالت ہم پر گراں نہیں؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ ہماری روح پر افسوس اور اذیت کے نشتر نہیں چبھ رہے ہیں اور کیا تمہاری رائے یہ ہے کہ ہمارے سینوں میں انتقام کی آگ سلگ سلگ کر ہمیں ناقابل بیان تکلیف نہیں پہنچا رہی ہے.......؟"

"لیکن میرے خیال کرنے یا نہ کرنے سے کیا فائدہ؟" پلاتون نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا۔

"تمہیں اپنے دلوں کو خود ہی ٹٹولنا چاہیئے اب زندگی کا لطف تمہیں اٹھانا

ہے مجھے نہیں! ہاں رخصت ہونے سے پہلے میں تمہیں یہ بات ضرور بتا دینا چاہتا ہوں کہ تم جس جام سے جرعہ کشی میں مصروف ہو وہ شہد کا نہیں زہر کا جام ہے، رنج اور افسوس کے زہر کا جام اس کے پینے والوں پر دنیا تنگ ہو جاتی ہے میرے عزیزو! یہ تمہارا جام نہیں اسے تو بزدل اور ناکارہ پیا کرتے ہیں تم سپاہی ہو اور آج سپاہیوں کو دشمن کے خلاف غیض وغضب کے اظہار کا جام پینا چاہیئے ہاں! بے پناہ غیض وغضب اور عزیز وطن کی بے حرمتی کے انتقام کا جام! رنج وافسوس تو انسان کو گھن کی طرح کھا جاتے ہیں۔ فتح وظفر ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو دشمن کے مقابلہ میں پس و پیش نہیں کرتے اور جن کے دل اس کے خلاف نفرت وحقارت اور انتقام کے جذبات سے پر ہوتے ہیں، ان لوگوں کے لئے نہیں جو افسردہ و مایوس ہو کر بیٹھ جاتے ہیں" وہ خاموش ہو گیا۔

پلاتون نے اپنے دلی خیالات اور جذبات کا اظہار کر دیا تھا اور اسے ان کے اظہار کا حق حاصل تھا اب وہ خاموش تھا، بالکل خاموش اور اپنی جگہ بیٹھا ہوا ایک عظیم المرتبت، دلیر باوقار اور پر شکوہ انسان نظر آتا تھا۔ اسی وقت سامنے قریب ہی ایک گولہ آ کر پھٹا اور پانی کی ایک دبیز چادر ستون کی طرح آسمان کی طرف بلند ہوتی ہوئی نظر آئی۔

"اوہ!" سیوکا نے افسوس کے ساتھ کہا "یہ تو مچھلیوں کو ہلاک کر دیں گے"۔

"بیشک!" پلاتون نے جواب دیا "پچھلے سال سردی کے زمانہ میں مچھلیاں شدید کہرہ کے باعث ہوا حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ہلاک ہو گئی تھیں اور اب جرمن انھیں گولوں سے ہلاک کر رہے ہیں۔۔۔۔۔۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے دنیا کی ہر شئے کو حتیٰ کہ پانی میں رہنے والی مچھلیوں اور دوسرے

جانوروں کو بھی صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے ۔۔۔۔۔۔۔لو! ہم پہنچ گئے ہیں"

کشتی آہستہ سے کنارہ پر جا لگی تھی میں کود کر باہر نکل آیا اس وقت میرا دل جذبات سے یکسر خالی تھا اور میں خود کو پہلے سے بالکل مختلف انسان تصور کر رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ڈزنا کی لہریں اپنے ساتھ میرے تمام رنج و الم تاسف و تکدر یاس و ناامیدی اور پسپائی کے اندوہناک تأثرات کو بھی بہا لے گئی ہیں۔ میں نے اپنے گرد و پیش نظر ڈالی ڈزنا کے پار آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے لیکن خوف زدہ اور مایوس کر دینے کی بجائے اب وہی شعلے میرے دل کو امید کی روشنی سے معمور کر رہے تھے۔ مجھ پر ایک ناقابل بیان کیفیت طاری تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر اس وقت میں ڈزنا کے پار جانے کا ارادہ کروں تو دریا میری راہ میں پایاب ہو جائے گا۔ میں اس لمحہ اور اس کیفیت کو مدت العمر فراموش نہیں کر سکتا ۔۔۔۔۔۔

ہم جھاڑیوں میں داخل ہونے سے پہلے اپنے دونوں عمر رسیدہ محسنوں سے رخصت ہونے کے لئے آگے بڑھے کہ پلاتون نے کہا "ذرا ٹھہرو! بتاؤ کہ ہمیں جرمنوں سے کیا کہنا چاہیئے؟ کیا ہم ان سے آنکھیں ملا سکیں گے؟

"ان سے کہہ دینا کہ ہم واپس آئیں گے!" بورس نے اسے اطمینان دلانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا "بڑے میاں! گھبراؤ نہیں ہم ضرور واپس آئیں گے!"

پلاتون نے بے توجہی کے ساتھ اس کی طرف دیکھتے ہوئے زمین پر تھوکا "ہو ۔۔۔۔ ہو" دوسرے کنارہ سے پھر آواز آئی "کشتی کہاں ہے؟ ہمارے

سے کشتی کا انتظام کر دو!"

"خدا حافظ!" میرے ساتھیوں نے کہا "ہم آپ کے شکر گذار ہیں!"

اور ہم لوگ بید کے گھنے جنگل میں داخل ہو گئے۔

"اچھا! خدا حافظ!" سیوکا نے رسمی طور پر جواب دیا لیکن پلاتون خاموش رہا

بید کے اس گھنے جنگل میں میں اپنے ساتھیوں کے پیچھے پیچھے چلا جا رہا تھا اور میرے خیالات بوڑھے پلاتون کی باتوں پر مرکوز تھے، میرا دل اس کے لئے احترام اور تشکر گذاری کے جذبات سے لبریز تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس نے ہمارے ساتھ اظہار ہمدردی نہ کر کے کتنا بڑا احسان کیا ہے!

وہ ہماری خستہ حالی پر آنسو بہا سکتا تھا لیکن کیا وہ آنسو اس آگ کو ٹھنڈا کر دیتے جو اس کی گفتگو سے ہمارے سینوں میں از سر نو بھڑکنے لگی تھی؟

میں دوڑتا ہوا دریا کے کنارہ کی طرف آیا۔ میں پلاتون سے کچھ کہنا چاہتا تھا رخصت ہونے سے پہلے ایک خاص بات! وہ اپنے چپّو کے سہارے دریا کے کنارہ پر کھڑا ہوا عہد قدیم کے کسی پیغمبر کی طرح نظر آتا تھا

"بڑے میاں! خدا حافظ!" میں نے شکستہ الفاظ میں کہا "ہمیں معاف فرمائیے کہ اس ضعیف العمری میں ہم آپ کی حفاظت نہیں کر سکے لیکن ہم......؟"

"ان باتوں کو چھوڑ دو" پلاتون نے میری طرف نگاہ اٹھائے بغیر میری بات کو کاٹ کر جواب دیا "اور میرے سامنے سے دور ہو جاؤ!"

اب اس کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسو اس کے جھریاں پڑے ہوئے رخساروں پر بہہ بہہ کر دریا میں گر رہے تھے۔

میرے دوستو! یہ ہے وہ واقعہ اور یہی واقعہ میری قوت، بے خوفی اور دلیری کا راز ہے"

کپتان کولوڈب خاموش ہوگیا اور اپنا پائپ روشن کرنے کے بعد چند لمبے لمبے کش لے کر پھر کہنا شروع کیا۔

اب مجھے سوویت یونین کے ہیرو کا تمغہ مل چکا ہے۔ میں نے بے شمار دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے میرے ہاتھ سے بہت سے جرمن دست بدست لڑائیوں میں ہلاک ہوئے ہیں اور بہت سے میرے ٹینک کے نیچے کچلے گئے ہیں۔ آپ لوگ یقین کیجئے کہ ایک زمانہ میں جرمنوں کو ٹینک کے نیچے کچلا جاتا ہوا دیکھ کر مجھے متلی آنے لگتی تھی پھر بارہا میں موت و زیست کی درمیان معلق بھی رہا لیکن ہر جگہ اور ہر حال میں میرے دل کے اندر وہ شعلہ ضرور بھڑکتا رہا جسے بوڑھے یلاوتن نے ڈزنا کی لہروں پر رواں کشتی کے اندر روشن کیا تھا۔ جب ہمارا ملک اور ہماری قوم مصیبت میں مبتلا ہو تو ہماری زندگی، ہمارا خون اور ہماری مسرت کیا وقعت رکھتی ہے؟" کپتان کی آواز جوش اور غصہ کی وجہ سے بلند ہو گئی

"جب میں میدان جنگ میں ہوتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے دو ہاتھ نہیں بلکہ سو ہاتھ ہیں اور دشمن کے خلاف میری نفرت اور جذبۂ انتقام میں ہزار گنا اضافہ ہوگیا ہے۔ یہ حقیقت ہے، ایک ایسی حقیقت جس سے کم از کم میں انکار نہیں کر سکتا" کپتان نے مسکراتے ہوئے اپنی گفتگو کو جاری رکھا" اور میری زندگی کا خوشگوار ترین وقت وہ ہوگا جب جنگ ختم ہو جانے کے بعد میں بوڑھے یلاوتن سے ملنے کے لئے ڈزنا کے کنارے پر آباد اس بستی میں جاؤں گا جہاں اس کا مسکن ہے . . . .

اور سوویت یونین کے ہیرو، کامریڈ کپتان اسے یہ بتانے کے لئے کہ وہ غلطی پر تھا . . . . !" بورس نے جو نصف گھنٹے سے دروازہ میں کھڑا ہوا کپتان

کی باتیں سن رہا تھا شاید اس کی بات کو پورا کرتے ہوئے بلند آواز سے کہا
"آداب عرض ہے! کہئیے آپ لوگوں کا حال کیا ہے؟"
"...... اور اس کی اس قیمتی نصیحت کے لئے جو اس نے مجھے کی تھی
اپنی ٹوپی اتار کر اس کا شکریہ ادا کروں گا" کپتان نے اپنی گفتگو کو اس طرح
جاری رکھا گویا کہ اس نے بورس کی بات نہیں سنی۔

(۳)

خندق میں سکوت طاری تھا کامل سکوت! ہر شخص اپنی جگہ بے حس و حرکت
بیٹھا ہوا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے جسم یہاں ہیں اور روحیں دریائے
ڈزنا کے قریب بوڑھے پلاتون کے مسکن کے طواف میں مصروف
"نہیں! کامریڈ کپتان!" ایک نوجوان مشین چلانے والے نے ٹھنڈی سانس
لے کر کہا "اب آپ کو بوڑھے پلاتون کے روبرو ٹوپی اتار کر اظہار تشکر کی ضرورت نہیں"
لوگوں نے چونک کر اس مخاطب کی طرف دیکھا یہ آئیون دردبوت تھا خندق
کی بعید ترین گوشہ میں کھڑا ہوا۔ اور کپتان کی اس گفتگو کا اس پر سب سے
زیادہ اثر معلوم ہوتا تھا۔
"کامریڈ کپتان!" دردبوت نے کہا "اب بوڑھا پلاتون زندہ نہیں ....
آپ لوگوں کے بید کے جنگل میں داخل ہو جانے کے بعد جب وہ دوسرے
کنارہ پر واپس گیا تو وہاں جرمن موجود تھے، انھوں نے آپ لوگوں کو دریا
کے پار لے جانے کے جرم میں اسے بے رحمی کے ساتھ زدوکوب کیا۔ وہ
اسے گولی سے اڑا دینا چاہتے تھے لیکن ان کی بدقسمتی تھی کہ انھیں فوراً ہی دریا کو
عبور کرنے کا حکم مل گیا اور وہ کشتی میں سوار ہو گئے" سب لوگ خاموشی

کے ساتھ دروبوت کی گفتگو سن رہے تھے چند لمحہ خاموش رہنے کے بعد اس نے پھر کہنا شروع کیا۔

"بوڑھا پلاتون کشتی چلانے لگا لیکن دریا کے وسط میں پہنچکر اس نے کہا "سیوکا! مجھے معاف کر دینا۔ خدا ہی میرے گناہ معاف فرمائے!"

"اور پلاتون!" سیوکا نے کہا "تم بھی مجھے معاف کر دینا اے خدا تو بھی میری خطائیں معاف فرما" یہ کہتے ہوئے انھوں نے اپنے چپوؤں کو کچھ اس طرح جھٹکا دیا کہ کشتی الٹ گئی اور ہر چیز — وہ جرمن مشین گنیں — غرضیکہ ہر چیز دریا میں ڈوب گئی۔ صرف میں تیر کر کنارہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکا۔"

"مگر تم کون ہو؟" کپتان نے نرمی کے ساتھ دریافت کیا

"میں!" دروبوت نے جواب دیا "میں سیوکا کا پوتا ہوں اور سیوکا کے ساتھ آپ کی کشتی کے ایک چپو کو میں ہی چلا رہا تھا . . . . ."

"کھڑے ہو جاؤ!" کپتان کولوڈوب نے حکم دیا

"ہر شخص اپنی جگہ کھڑا ہو گیا اور سپاہیوں کا یہ خاندان' خاندان کا ہر فرد کچھ دیر تک خاموش اور سر جھکائے کھڑا رہا۔

کپتان کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا لیکن اس وقت وہ پہلے سے زیادہ پروقار اور بارعب نظر آتا تھا چند لمحہ آنکھیں بند کئے کھڑے رہنے کے بعد اس نے اپنا ایک گھٹنا زمین پر ٹیک دیا اور سب لوگوں نے اس کی تقلید کی۔

"کیا تم لوگ میدان جنگ میں چلنے کے لئے تیار ہو؟" کولوڈوب نے دریافت کیا' اس وقت وہ اپنے ساتھیوں کے درمیان کھڑا ہوا' دریا کے ڈزنائے قریب رہنے والے بوڑھے پلاتون کی طرح نظر آتا تھا۔

"بیشک!" سب لوگوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا "ہم چلتے آگے

میں کود جانے کے لیے ابھی تیار ہیں!"

خندق پر پھر سکوت طاری ہو گیا، گرد و پیش کی ہر شے پر خاموشی چھا گئی ہوئی تھی اور کہیں دور...... بہت دور سرچ لائٹ کی تمشیر آسا شعاعیں کبھی کبھی آسمان میں بلند ہو کر افق کو منور کر رہی تھیں ...... اس خاموش فضا میں جنگ کے میدان میں جانے سے ایک رات پہلے کپتان پیٹر کو لوڈز کے ساتھیوں نے جو عہد کیا تھا وہ اس پر ثابت قدم ہیں۔

ماں!

معلوم نہیں کہ الکزنڈرا کو گوریلا سپاہیوں کے دستہ میں شمولیت کی دعوت دی بھی گئی تھی یا نہیں لیکن ایک روز لوگوں نے اسے خشک پہاڑی نالے کے دوسری طرف خیمہ کے قریب آتے ہوئے دیکھا۔ الکزنڈرا جوانی کے دور سے نکل کر بڑھاپے کی طرف قدم اٹھانے کی تیاری کر رہی تھی لیکن بچپن ہی سے محنت و مشقت کی عادی ہونے کے باعث اس کے قویٰ جوانوں کی طرح مضبوط اور متناسب نظر آتے تھے اس وقت وہ بھیڑ کی کھال کا بنا ہوا لمبا چوغہ اور وزنی فوجی جوتے پہنے ہوئے تھی اور اپنے سر کو ایک سیاہ رومال سے اس طرح چھپا رکھا تھا کہ رومال کے دو کونے ٹھوڑی کے نیچے ایک گرہ کی صورت میں مل گئے تھے۔

گوریلا سپاہیوں کی اس قیام گاہ میں پہنچ کر وہ سیدھی دستہ کے کمانڈر کے پاس گئی "میں آپ کے ساتھ رہ کر کیا خدمت انجام دے سکتی ہوں؟" اس نے دریافت کیا۔

"منتظمہ کی حیثیت سے اس گھر کی دیکھ بھال" کمانڈر نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

الکزنڈرا نے اپنی آستینیں چڑھائیں، قریب کے چشمہ سے گرم کرنے کے لئے پانی بھر کر لائی اور اسی وقت سے اس دستہ کے ایک پورے ذمہ دار رکن کی طرح اپنے فرائض انجام دینے لگی۔ دستہ کے جاسوس جب کسی مہم سے

واپس آتے تو وہ آگ پر ان کے جوتوں کو خشک کرتی، باورچی کو اس کے کاموں میں مدد دیتی، رائفلوں کو صاف کرتی اور خیمہ کی ہر شے کو قرینہ کے ساتھ رکھتی۔ وہ رات دن کام میں مصروف رہا کرتی تھی دستہ کا ہر فرد اس کے ساتھ مانوس ہو گیا تھا اور اگرچہ ان گوریلا سپاہیوں میں متعدد عمر رسیدہ افراد بھی تھے لیکن وہ سب کو "میرے بچے" کہہ کر پکارا کرتی تھی اور یہ سب لوگ بھی اسے دنیا کے سب سے زیادہ شیریں، لطیف اور نازک لفظ... 'ماں' سے خطاب کرتے تھے

(۲)

گوریلا سپاہیوں کے اس دستہ کو منظم ہوئے یہ دوسرا ہفتہ تھا، برف باری شروع ہو گئی تھی جس کے باعث یہ پتھریلا اور ناہموار میدان ہموار ہوتا جا رہا تھا۔ جنگل میں پرندوں کی نغمہ خوانی بند ہو گئی تھی لیکن اس آواز کی طرح جو کسی چوبی جنگلے پر جلد جلد چھڑی پھرانے سے برآمد ہوتی ہے رائفلوں اور مشین گنوں کے چھوٹنے کی آواز فضا میں مسلسل گونجتی رہتی تھی یہ دستہ دشمن کے چھوٹے چھوٹے باربردار قافلوں پر چھاپے مارنے، جرمن نازیبی گروہوں کو جو گاؤں گاؤں گھومتے رہتے تھے خوف زدہ کرنے اور ان کے آہنی خود، آٹومیٹک رائفلیں بڑے بڑے گرم کوٹ اور کارتوس وغیرہ چھین کر جمع کرنے میں مصروف رہتا تھا۔ دستہ کا کمیسار پاول فومین انھیں بڑی بڑی مہموں پر بھیجنے کی تیاریوں میں لگا ہوا تھا۔

جرمن ماسکو پر ازسرنو حملہ کرنے کے لئے فوج جمع کر رہے تھے اس لیے فومین نے ان کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے راستہ پر واقع ایک پل کو اڑا دینے

کا فیصلہ کیا۔ اس سلسلہ میں ایک ایسے تجربہ کار رہبر کی ضرورت تھی جو جنگل کے مخفی راستوں اور پگڈنڈیوں سے اچھی طرح واقف ہو کیونکہ اس کام کے لیئے استعمال کیئے جانے والے آتش گیر سامان کو جنگل کے عام راستہ سے منزل مقصود تک لے جانا خطرناک ہی نہیں بلکہ دشوار بھی تھا الکزانڈرا اس جنگل کے چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ سے اسی طرح واقف تھی جس طرح اپنے مولد وضع سے وہ گوندنیوں، کلاہ باران اور ٹوکریاں بنانے میں کام آنے والے بید کی تلاش میں اکثر یہاں پھرتی رہتی تھی، یہیں یوارودو کے قریب ہی وہ خود اور اس کی ماں، دونوں انقلاب سے پہلے زمیندار کے لیئے اس کے کھیتوں میں کام کیا کرتے تھے اور انقلاب کے بعد۔ اس نے یوارودو ہی کے ایک مدرسہ میں تعلیم حاصل کی تھی۔ پھر اب سے چند روز پہلے وہ پرینوف کی دیہاتی پنچایت کی صدر تھی ان حالات میں یوارودو کے جنگل کو اس سے زیادہ کون جان سکتا تھا۔؟ اس نے اس مہم کی رہبری کے لیئے اپنی خدمات پیش کیں اور کمیسار نے اس کی تجویز کو منظور کر لیا۔

رات کی تاریکی میں پل کو اس وقت اڑا دیا گیا جب جرمن ٹینک اور جرمن سپاہیوں سے بھری ہوئی گاڑیاں اسے عبور کر رہی تھیں اور اس دستہ کے تھکے ماندے اور بھوک سے نڈھال مگر اپنی کامیابی پر بچوں کی طرح خوش سپاہی باطمینان تمام صبح کے وقت اپنی قیام گاہ پر واپس آگئے۔ البتہ الکزانڈرا پریشان نظر آتی تھی، اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور طویل چرمی چوغہ کے باوجود وہ سردی کے باعث کانپ رہی تھی وہ تمام دن خندق کے ایک گوشہ میں لیٹی رہی کئی مرتبہ کمیسار اس کا حال دریافت کرنے کی نیت سے اس کے پاس گیا لیکن الکزانڈرا نے ہر بار اپنے چوغہ کو اس طرح منہ پر ڈال لیا

گویا کہ وہ سو رہی ہے اور کمیسار ہر مرتبہ اسے سوتا ہوا سمجھ کر واپس چلا آیا۔

دوسرے دن حسب معمول علی الصبح بیدار ہونے کے بعد اس نے خیمہ اور خندق میں جھاڑو دی، چائے کے لئے پانی گرم کیا اور فرداً فرداً ہر شخص سے رخصت ہو کر کمیسار کے پاس گئی،

"میں اب یہاں نہیں ٹھہر سکتی۔ اب مجھ میں قوت باقی نہیں رہی، میں آپ لوگوں کو تکلیف دینا نہیں چاہتی اور مجھے رخصت ہوتے ہوئے تکلیف بھی ہوتی ہے لیکن . . . . . ." الکزنڈرا اس سے زیادہ نہ کہہ سکی۔

الکزنڈرا کے اس طرح چلے جانے کی اصل وجہ کسی کو بھی معلوم نہ ہو سکی لیکن جب شام کے وقت سب لوگ جمع ہوئے تو باورچی نے انھیں بتایا کہ وہ حاملہ تھی اور اس کے بہت جلد بچہ پیدا ہونے والا تھا۔ اسی لئے وہ ہر وقت سموری چوغہ پہنے رہتی تھی اس کا خیال تھا کہ آج جب کہ ملک کو اس کے ایک ایک فرزند کی خدمات درکار ہیں ہمیں بچے کھلانے میں وقت صرف نہیں کرنا چاہیے لیکن وہ مجبور تھی اور اسے اندیشہ تھا کہ اگر اس کے ساتھی اس کے راز سے واقف ہو جائیں گے تو یہ امر ان کے لئے پریشانی اور افسوس کا موجب ہوگا پرسوں جنگل میں لوگوں کی رہنمائی کرتے ہوئے اسے دم لینے کے لئے تین مرتبہ ٹھیرنا پڑا تھا اور سب لوگ بھی اس کی وجہ سے ٹھہرنے پر مجبور ہو گئے تھے اور وہ اس نتیجہ پر پہنچی تھی کہ اب وہ اپنے فرائض کو اچھی طرح انجام نہیں دے سکتی اس لئے اس نے یہاں سے چلے جانا ہی مناسب سمجھا۔

باورچی خاموش ہو گیا، لیکن کھیتوں، راستوں اور جنگل میں برپا خوفناک لڑائی کے باعث آتش بار اسلحہ کے چلنے اور بڑے بڑے آہنی گولوں اور بموں کے پھٹنے کی آوازیں بدستور آ رہی تھیں مگر کیا یہ یا اس سے بھی زیادہ

خوفناک لڑائیاں دھماکے اور آتشباریاں کے کسی خاتون کی ایک عام اور طبعی ضرورت ۔ بچہ کی پیدائش ۔ پر غالب آسکتی ہیں ؟ دوسرے دن سُراغ رسانی کے لئے جانے والے سپاہیوں کو ہدایت کردی گئی کہ وہ الکزنڈرا کا پتہ لگا کر اس کی حفاظت اور آرام کے تمام ضروری انتظامات کر دیں لیکن اس کا کوئی پتہ نہ چل سکا ۔ ایک ہفتہ کے بعد ان لوگوں کو اطلاع موصول ہوئی کہ الکزنڈرا گرفتار کرلی گئی ہے اور اس کی مشکیں باندھ کر اسے یپاروو کے مدرسہ کی نئی عمارت میں جہاں جرمن افسر مقیم ہیں لایا گیا ہے ۔

تقریباً دس روز تک پھر الکزنڈرا کے متعلق کوئی اطلاع نہیں مل سکی لیکن ایک روز ایک گریلا سپاہی کے باپ افرائم زگانکوف نے آکر بتایا کہ میں نے دو جرمن سپاہیوں کو برف پر گھسیٹ کر ایک نعش کو جھیل کی طرف لے جاتے ہوئے دیکھا تھا جسے انھوں نے ایک سوراخ کی راہ سے منجمد جھیل میں ڈال دیا اور ان کے چلے جانے کے بعد جب میں نے اس نعش کو نکال کر شناخت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ الکزنڈرا کی نعش ہے ۔

جرمنوں نے الکزنڈرا کو کس طرح گرفتار کیا اور اسے کیا کیا تکلیفیں اور اذیتیں پہنچائی گئیں ؟ اس وقت یہ باتیں کسی کو بھی معلوم نہ ہو سکیں لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب یہ علاقہ از سر نو سرخ فوج کے قبضہ میں آیا تو جرمن قبضہ کے دوران میں وہاں رہ جانے والی خواتین آنامینو لوا' آنا گسلیاگوا' یا دوکیا کالے لوا اور جرمن کمانڈر کے ترجمان ایلانسکی سے جسے سرخ سپاہیوں نے گرفتار کرلیا تھا اس کی موت کے المناک واقعات معلوم ہوئے ۔

(۱۲)

اس اندوہ ناک اور دلگداز واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ الکزنڈرا رات

کے وقت یدا ردد میں داخل ہوئی اور ایک ڈاکٹر کے مکان پر پہنچی۔ ڈاکٹر نے اس کے حالات سے مطلع ہونے کے بعد اسے آرام کرنے اور مکان سے باہر نہ نکلنے کی ہدایت کی اور الکزنڈرا وہاں رہنے پر رضامند ہوگئی۔ بستی میں پہنچنے کے چوتھے روز اس نے اپنی قیام گاہ کے دروازہ پر دستک کی آواز سنکر جب دریچہ کی راہ کو باہر نظر کی تو مکان کو جرمن سپاہیوں کے محاصرہ میں پایا۔ وہ حقیقت حال کو سمجھ گئی اور اپنا اونی شال اوڑھ کر دروازہ کھولنے کے لئے چلی لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے ہی جرمنوں نے دروازہ توڑ ڈالا اور ایک پست قامت جرمن سپاہی نے آگے بڑھ کر اسے اس زور سے دھکا دیا کہ وہ لڑکھڑا کر گرتے گرتے بچی۔ دو سپاہیوں نے اس کی مشکیں کسیں اور اسے کھینچتے ہوئے لاکر بستی کے چھاپہ خانہ کے کمرہ میں بند کردیا۔

اس کمرہ میں اس کے بہت سے واقف کار افراد محبوس تھے انھیں بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی' وہ سب کھڑے ہوئے تھے لیکن انھیں بیٹھ جانے کی اجازت بھی دی گئی ہوتی تو جگہ کی تنگی کے باعث انکے لئے بیٹھنا ناممکن تھا۔ الکزنڈرا بھی ایک گوشہ میں دیوار کے سہارے کھڑی ہوگئی سخت بندش کے باعث اس کے بازوؤں پر ورم آگیا تھا لیکن شدید تکلیف کے باوجود وہ قطعاً خاموش رہی۔ رات کے وقت اسے تحقیقات کیلئے طلب کیا گیا اور ایک سپاہی نے اسے یدا ردد کے جرمن کمانڈر کپتان ھلیبے کے سامنے پیش کیا۔

کپتان ھلیبے نے کچھ دیر تک الکزنڈرا کی طرف غور کے ساتھ دیکھتے رہنے کے بعد اپنے ترجمان الیانسکی سے کوئی بات کہی اور اس نے الکزنڈرا

کی جانب مخاطب ہو کر کہا۔

"بیٹھ جاؤ!"

لیکن الگزنڈرا نے چند قدم آگے بڑھ کر نہایت صاف آواز میں استقلال کے ساتھ کہا

"میں حاملہ ہوں تین روز کے اندر میں بچہ کی پیدائش سے فارغ ہو جاؤں گی اس کے بعد آپ لوگ مجھے قتل کر سکتے ہیں۔ صرف تین دن کی بات ہے!"

کپتان ہیبے نے اس کی طرف دیکھا اور ہنستے ہوئے، اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ اسے چابک لگائیں الگزنڈرا نے مدافعت کی کوشش کی لیکن ایک سپاہی نے اپنے وزنی جوتہ کی ٹھوکر مار کر اسے زمین پر گرا دیا اور کچھ دیر تک چابک مارتے رہنے کے بعد اسے پھر کھڑا کر دیا گیا لیکن بیٹھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

"ہمیں معلوم ہے کہ تم اس علاقہ کے گوریلا سپاہیوں کی قیام گاہ سے آئی ہو" ترجمان نے ہیبے کا اشارہ پا کر کہا "اس لئے کیا تم اپنے پیدا ہونے والے بچہ کی خاطر بھی ہمیں اس جگہ کا پتہ نہیں دو گی؟"

"نہیں!" الگزنڈرا نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا "میں اس سلسلہ میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتی بلاشبہ اس وقت میں تمہارے قبضہ میں ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تم مجھے ہلاک کر دو گے لیکن خواہ مجھ پر کچھ بھی گذر جائے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ غداری نہیں کر سکتی!"

"کیا تم کمیونسٹ ہو؟" ترجمان نے سوال کیا

"اس معاملہ میں ابھی میری معلومات بہت محدود ہیں" الگزنڈرا نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

اپنی تحقیقات میں ناکامیاب ہو کر ہیسے نے حکم دیا کہ شال اور سر پوش کے علاوہ الگزنڈرا کے تمام کپڑے اتر وا لئے جائیں اور اسے ننگے پیر بستی میں گھما کر اس سے ان مکانات کی شناخت کرائی جائے جن میں اس کے دوست رہتے ہیں اور یہ جس قدر زیادہ مکانات کو شناخت کرے اسے اسی قدر زیادہ خود کو گرم کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ دو سپاہی اسے لے کر شہر کی سنسان اور تاریک سڑکوں پر پھرنے لگے، برف کی طرح سرد ہوا اس کے خون کو منجمد اور اس کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہی تھی لیکن وہ اپنے برہنہ مجروح اور متورّم پیروں کو برف پر گھسیٹتی ہوئی خاموشی کے ساتھ آبادی کا چکر لگاتی رہی مگر اس نے کسی ایک مکان کی طرف اشارہ تک بھی نہیں کیا۔ طلوع آفتاب سے کچھ دیر قبل اسے ہیسے کی قیام گاہ پہ واپس لا کر اس کے حکم سے پھر پہلے ہی کمرہ میں بند کر دیا گیا۔

الگزنڈرا کی صورت کچھ اس درجہ تبدیل ہو گئی تھی کہ اس کمرہ میں محبوس دوسرے لوگوں کو خوف محسوس ہونے لگا تھا اس کا چہرہ سیاہ پڑ گیا تھا اور اس تنگ و تاریک قید خانہ کے اندر آنے والی صبح کی دھندلی روشنی میں بھی وہ لوگ آسانی کے ساتھ اس کی تبدیل شدہ ہیئت کذائی کو اچھی طرح دیکھ سکتے تھے ایک ہی رات میں الگزنڈرا بالکل ضعیف ہو گئی تھی۔ ایک قیدی نے اسے اپنا چوغہ دیدیا اور اس نے اسے ایک گوشہ میں بچھا کر لیٹ جانے کا ارادہ کیا محافظ جرمن سپاہی نے چوغہ چھین لیا، سب لوگوں کو کمرہ سے نکال دیا گیا اور وہ تنہا رہ گئی۔ اسے حکم دیا گیا کہ وہ کھڑی ہو جائے اور کھڑی ہی رہے۔

الگزنڈرا کو تین دن تک تنہا اور نیم برہنہ اس کمرہ میں کھڑا رکھا گیا اور اس عرصہ میں اسے کھانے یا پینے کی کوئی شے نہیں دی گئی۔ ایک دفعہ یا دو دفعہ کیا

کا ایک ٹکڑا، روٹی کے چند ٹکڑے اور شوربہ کا ایک پیالہ لے کر کسی نہ کسی طرح دریچہ کے قریب پہنچنے کا موقعہ مل گیا اور جب اس نے آہستہ سے دستک دے کر الکزنڈرا کو مطلع کرنا چاہا تو اندر سے آہستہ آہستہ کراہنے کی آواز آئی اور یادو گیا کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ اسی وقت محافظ سپاہی نے اسے دیکھ لیا اور اسکی اس جرأت کے لئے اسے سزا دیے کر یہ دونوں چیزیں چھین لیں۔

چوتھے روز الکزنڈرا کو پھر میسیے کے روبرو پیش کیا گیا، ضعف اور تکلیف کے باعث اب اس کے لئے چلنا بھی مشکل ہو گیا تھا اور سردی کی وجہ سے اس کے تمام جسم پر ورم آگیا تھا۔

"گوریلا کہاں رہتے ہیں؟" میسیے کے ترجمان نے دریافت کیا "اور کیا پل کو تم نے اڑایا تھا؟"

الکزنڈرا کچھ دیر تک جرمن افسر کی طرف اس طرح دیکھتی رہی گویا کہ وہ اس کے ارادوں کو معلوم کر لینا چاہتی ہے پھر اس نے کہا۔

"ہاں! ...... میں مجرم ہوں اور ایسے ہر کام کی ذمہ داری مجھ پر ہی عائد ہوتی ہے!" وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی اور بے ہوش ہو گئی۔

کچھ دیر کے بعد اتفاقاً آنا گسلیا کوا دھر سے گذری اور کسی عورت کے چیخنے اور کراہنے کی آواز سن کر کھڑکی کے شیشہ میں سے اندر کی طرف دیکھا تو الکزنڈرا فرش پر پڑی ہوئی تھی اور دو سپاہی اسے بندوق صاف کرنیکے گزوں سے مار رہے تھے۔ اسی رات الکزنڈرا دردِ زہ میں مبتلا ہوئی اور اسے پھر تہ خانہ میں بند کر دیا گیا۔ آس پاس کے مکانات میں رہنے والے تمام رات اس کے چیخنے تڑپنے اور کراہنے کی آوازیں سنتے رہے لیکن وہ اس کے قریب بھی نہیں جا سکتے تھے، انھیں الکزنڈرا کے ساتھ اظہارِ ہمدردی سے قطعاً منع

کردیا گیا تھا اور اس جرم کی سزا موت قرار دی گئی تھی

بھوک اور سردی کی مصیبتوں میں مبتلا الگزنڈرا جس کا سارا جسم زخموں سے چور چور اور متورم تھا تمام رات زمین پر ننگی پڑی ہوئی تڑپتی رہی لیکن اس کی روح کی گہرائیوں میں ایک چنگاری موجود تھی محبت مادری کی چنگاری ماں کہلانے اور اپنے بچہ کو زندہ وسلامت اور خوش وخرم دیکھنے کی خواہش کی چنگاری! جس کی موجودگی میں ایک عورت ہر آزمائش، ہر مصیبت اور ہر تکلیف کو صبر واستقلال اور خندہ پیشانی سے ساتھ برداشت کر سکتی ہے وہ اپنی اسی خواہش کی تکمیل کے لئے زندہ تھی۔ اسی حال میں صبح کے قریب اس کے بچہ پیدا ہوا اور وہ کھڑکی کی درزوں میں سے ہوا کے ساتھ آکر جم جانے والے برف کے ٹکڑوں سے اپنے بچہ کو غسل دے کر بیہوش ہو گئی۔

(۴۲)

معلوم نہیں کہ الگزنڈرا کو کس وقت ہاسیے کے کمرہ میں پہنچایا گیا لیکن جس وقت اسے ہوش آیا تو وہ اس کے روبرو تھی اور اس کا بچہ ایک غلیظ کپڑے میں لپٹا ہوا اس کے قریب پڑا تھا۔ ہاسیے کی اجازت سے ترجمان نے الگزنڈرا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"تمہارے بچہ کی زندگی اس بات پر منحصر ہے کہ تم ہمیں گوریلا سپاہیوں کی قیام گاہ کا پتہ بتادو!"

الگزنڈرا اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے چاروں طرف دیکھ کر بہت ہی آہستہ سے کہا۔

"بچہ پر رحم کرو! یہ تو معصوم ہے!"
ایک سپاہی نے اس کے شانے میں اپنی برچھی کی نوک چبھودی۔ وہ خاموش ہوگئی لیکن ایک ہی لمحہ کے بعد اس نے پوری قوت سے چلاکر کہا۔
"نہیں! نہیں اس مقدس زمین پر اس طرح خونریزی کی اجازت نہیں دی جاسکتی! تم میرے بچہ کو ہلاک کرسکتے ہو! لیکن میرے بے شمار بچے ہیں! فوج کی فوج! تمام جنگل ان سے بھرا پڑا ہے!" ایک جرمن سپاہی نے پھر اس کے متورم جسم میں برچھی کی نوک پیوست کردی اور وہ اس تکلیف کو برداشت نہ کرسکی، اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں اور وہ زمین پر گر گئی۔ ہیسے کے فوجی جوتے کی ٹھوکریں اسے اور بھی نڈھال کررہی تھیں لیکن اس کی مصیبتیں اسی جگہ ختم نہیں ہوگئیں۔
اب ہیسے نے اس سے مطالبہ کیا کہ وہ جرمن سپاہیوں کو گوریلا سپاہیوں کی قیام گاہ تک لے جائے یا کم از کم انھیں وہ راستہ بتادے جو اس جگہ تک جاتا ہو۔ کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد الگزنڈرا ان کے ساتھ چلنے پر رضامند ہوگئی اور چونکہ اب اس کے لئے چلنا پھرنا تقریباً ناممکن ہوگیا تھا اس لئے اسے برف پر چلنے والی ایک گاڑی میں ڈال دیا گیا افرائیم زنگانکوف کا بیان ہے کہ میں نے خود الگزنڈرا کو جرمن سپاہیوں کی رہنمائی کرتے ہوئے دیکھا تھا لیکن وہ مغرب کی بجائے جہاں گوریلا سپاہی مقیم تھے انھیں مشرق کی سمت لے جارہی تھی۔ رات کے وقت جرمن اسے بستی میں واپس لے آئے اس وقت اس کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ ہیسے کے دفتر میں پہنچکر اسے اس کے معصوم بچے کی نعش دکھائی گئی اور مصائب و حادثات کے اس تمام زمانہ میں پہلی مرتبہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے دیکھے گئے۔

اب اسے کمرہ سے باہر لایا گیا، ممانعت کے باوجود بہت سے آدمی عمارت کے سامنے میدان میں جمع ہو گئے تھے لیکن انھیں بجبر منتشر کر دیا گیا۔ الکزنڈرا نے اپنے رخساروں پر بہنے والے آنسو خشک کئے شاید اسے اندیشہ تھا کہ کہیں لوگ اس کی اس مادرانہ اور نسوانی کمزوری سے آگاہ نہ ہو جائیں اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے بلند آواز سے کہا۔

"دوستو! ان وحشیوں کی اطاعت اختیار نہ کرو...... ہماری فتح و کامیابی کا وقت قریب آ رہا ہے...... خدا حافظ!......"

ایک سپاہی نے اپنی رائفل کا کندہ اس کے سر پر مارا۔ وہ چکرا کر برف پر گر پڑی لیکن وہ اس شمع کی طرح جو بجھنے سے پہلے بھڑکتی ہے ایک مرتبہ پھر کھڑی ہو گئی، فاشی درندوں کی وحشیانہ زدوکوب نے اس کے جسم کو ایک رستا ہوا زخم بنا دیا تھا اور اب اس میں کھڑے ہونے کی قوت بھی باقی نہیں رہی تھی لیکن وہ کھڑی ہو گئی ایک بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اور اس غمزدہ مجمع کو مخاطب کر کے کہا

"ساتھیو! کیا تم میری کمزور آواز سن رہے ہو؟ میں ان وحشیوں کے ہاتھوں موت کو لبیک کہہ رہی ہوں۔ میں نے اپنے بچہ کی زندگی بچانے کی کوشش بھی نہیں کی لیکن میں نے اپنے عزیز وطن کی پیشانی پر غداری کا داغ نہیں لگایا اور اپنے بہادر اور وطن پرور بچوں کا راز افشا نہیں کیا...... بہنو! کیا میری آواز تمہارے کانوں تک پہنچ رہی ہے......؟"

سپاہیوں نے بچوں کو اور بھی دور ہٹا دیا۔ الکزنڈرا کو گھسیٹتے ہوئے میدان میں لے آئے اور اس کے جسم کو اپنی برچھیوں سے چھلنی بنا دیا حتیٰ کہ اس کی روح جسم سے پرواز کر گئی ایک بے خوف جنگجو اور اشتراکی روس کی زندہ

جادیہ خاتون کی مقدس روح! اور جب تک دشمن کو اس کی بہیمانہ اور ننگِ انسانیت حرکات کی قرار واقعی سزا نہ مل جائے گی، کوئی ایسا فرد جسے ذرہ برابر انسانیت بھی ودیعت کی گئی ہے اور کوئی ایسی خاتون جس کے دل میں مادری محبت اور شفقت کا ایک شمہ بھی موجود ہے الکزنڈرا ڈریمین کے آخری الفاظ کو فراموش نہیں کر سکتی ۔ ...... اور ہاں! ہم اس ماں کو بھی نہیں بھول سکتے جس نے اپنے وطن اور اپنی قوم کی آزادی کے لئے اپنے نوزائیدہ اور معصوم بچہ کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی۔

جھونپڑا

وہ سوچ رہی تھی کہ آج دھوپ کتنی تیز اور آسمان کتنا نکھرا ہوا ہے آج تو میری درد سے چور چور اور اکڑی ہوئی ہڈیوں کو آرام مل سکیگا آج تو میں دھوپ میں لیٹ کر انھیں ...... ؟ اس کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا کوئی اسے آواز دے رہا تھا

"دادی اماں !"

"اب کیا بات ہے ؟"

"کیا تم میری آواز سن رہی ہو ؟"

"کیوں نہیں ؟ میں اچھی طرح سن رہی ہوں !" اس نے اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے بے توجہی سے کہا اور پھر سوچنے لگی یہ لڑکی ہمیشہ کوئی نہ کوئی شرارت کرتی رہتی ہے ...... یہ لوگ ایک ضعیف العمر عورت کو آرام اور سکون کے ساتھ کیوں نہیں پڑا رہنے دیتے ؟ بوڑھوں کو سکون کے علاوہ زندگی کی راحتوں اور نعمتوں میں سے اور کیا چاہیئے ...... ؟"

" دادی اماں !" نانکا نے پھر اس کے سلسلہ خیالات کو منقطع کرتے ہوئے کہا "میری طرف دیکھو !"

بوڑھی نینیسا نے اپنی آنکھوں کے جھریاں پڑے ہوئے پپوٹوں کو بدقت تمام اٹھایا اور اپنی کم نور اور بے رونق آنکھوں سے لڑکی کی طرف گھورنے لگی۔

"دادی اماں !" لڑکی نے اپنے ہونٹوں کو اس کے کان کے قریب لے جا کر آہستہ

سے کہا "جرمن آرہے ہیں!"

انیسیا نے اپنے شانوں کو جنبش دی اور خاموش رہی وہ گذشتہ کئی روز سے یہی افواہ سن رہی تھی اس نے سوچنا شروع کیا ــــ کیا واقعی جرمن آرہے ہیں؟ اچھا اگر وہ آرہے ہیں تو آنے دو مجھے ان کی کیا پرواہ ہے؟ اس معاملہ سے اہم بات تو میرے لئے دھوپ میں لیٹ کر اپنی اکڑی ہوئی ہڈیوں کو حرارت پہنچانا ہے جرمنوں کی آمد سے جوانوں کو پریشانی ہونی چاہیئے کم از کم جرمن مجھ ایسے ہڈیوں اور کھال کے پلندہ کو تو سکون کے ساتھ مرجانے کے لئے چھوڑ ہی دیں گے ...... ! نتالکا کی آواز نے پھر اسے چونکا دیا

"دادی اماں! ..... دادی اماں! ایک لمحہ کے لئے میری بات سن لو"

انیسیا متوجہ ہوگئی

"دادی اماں!" نتالکا نے کہا "ہم جنگل میں جارہے ہیں۔ میں، ابا جان اور سب لوگ۔ گاؤں کے سب باشندے!"

"پھر جاؤ!" بوڑھی انیسیا نے جواب دیا "مگر میں تو یہیں رہ کر دھوپ سے اپنے جسم کو حرارت پہنچاؤں گی۔

"دادی اماں!" نتالکا نے رازدارانہ انداز میں آہستہ سے کہا "ہمارے باغ میں سرخ فوج کے دو سپاہی چھپے ہوئے ہیں!"

"کیا کہا... دو ..... کیا؟" انیسیا نے پہلی بار کسی قدر دلچسپی کے ساتھ دریافت کیا

"سرخ فوج کے دو سپاہی! تم سمجھ گئیں دادی اماں! میں کیا کہہ رہی ہوں" نتالکا نے اس کے اور قریب آکر کہا

"ہاں! ہاں! اس معاملہ سے میرا کیا واسطہ؟"

"دادی اماں!" نتالکا نے جھنجلا کر اس کے شانوں کو جھنجھوڑتے ہوئے

کہا "کیا تمہیں نیند آرہی ہے؟ ذرا ہوشیار ہو!"

"نہیں .... ہاں!" انیسیا نے چونک کر جواب دیا "نہیں میں سو تو نہیں رہی ہوں مگر ذرا آنکھ جھپک گئی تھی ...... مگر تم مجھے کیوں تنگ کر رہی ہو؟"

"دادی اماں!" نتالکا نے اس کی باتوں پر توجہ نہ دیتے ہوئے اسے پھر مخاطب کیا "تم میری بات سن رہی ہو؟ ہمارے باغ میں اس سائبان کے اندر جو آلو بخارہ کے درختوں کے قریب واقع ہے سرخ فوج کے دو سپاہی پوشیدہ ہیں ......"

"مگر میں کیا کروں؟" انیسیا نے اس مرتبہ کسی قدر نرم لہجہ میں جواب دیا "کیا ان میں سے کسی کے ساتھ تمہیں محبت ہو گئی ہے؟"

نتالکا نے مایوسانہ انداز میں ایک سرد آہ بھری اور انیسیا کے قریب زمین پر بیٹھ کر اس کی بے رونق آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کسی قدر بلند آواز سے کہا۔

"دادی اماں! ہمارے باغ میں سرخ فوج کے دو سپاہی چھپے ہوئے ہیں وہ زخمی ہیں۔ ہم انھیں اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے وہ نقل و حرکت سے معذور ہیں۔ تم سمجھ گئیں؟"

"ہاں ہاں! میں سمجھ گئی ...... تمہارا مطلب یہی تو ہے کہ انھیں دھوپ میں لٹایا جائے ......" انیسیا نے جواب دیا

"لیکن ....!" نتالکا نے اس کی بات کاٹ کر کہا "...... وہ تو بہت زیادہ زخمی ہیں ہم سب جنگل میں چھپنے کے لیے جا رہے ہیں جرمن سپاہی اب یہاں آتے ہی ہوں گے دادی اماں تم میری بات

سمجھ رہی ہو؟ یہاں کوئی ایسا آدمی ہونا چاہیے جو انھیں کم از کم پانی تو پلا سکے اور ان کی خبر گیری کرتا رہے۔ تم سمجھیں دادی اماں؟"

"اس میں نہ سمجھنے کی کونسی بات ہے؟" بوڑھی انیسیا نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا

"کیا تم یہ کام کر سکتی ہو؟" نتالکا نے دریافت کیا

"کیوں نہیں؟" انیسیا نے کہا "جب تک ذرا سی بھی دھوپ بھی رہے گی اور میری ہڈیوں میں درد محسوس نہیں ہو گا میں یہ کام کرتی رہوں گی"

"تمہیں یاد ہے نا کہ ہمارا سائبان کہاں ہے؟" نتالکا نے مزید اطمینان حاصل کرنے کے لیے دریافت کیا

ہاں ہاں یاد ہے" انیسیا نے جواب دیا "تم کیسی باتیں کر رہی ہو کیا مجھے سائبان بھی یاد نہ رہے گا؟"

"تو پھر تم ان کی خبر گیری کرتی رہو گی؟" لڑکی نے کہا

"بیشک!" انیسیا نے جواب دیا "تم اطمینان رکھو میں انھیں کوئی تکلیف نہ ہونے دوں گی!"

"مگر اس بات کا خیال رکھنا کہ جرمن تمہیں وہاں آتے جاتے نہ دیکھ لیں ......" نتالکا نے پھر رازدارانہ انداز میں کہا۔

"نہیں!" انیسیا نے اپنی بے رونق آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا "انھیں معلوم نہ ہو سکے گا اور انھیں ایک بوڑھی عورت کی نگرانی کرنے سے فائدہ؟ میں ٹہلتی ٹہلتی وہاں چلی جایا کروں گی اور آلو بخارے کے ان درختوں کے پاس گھومتی رہوں گی اور کبھی کبھی ان کے قریب سے گذر کر وہاں ......؟"

"دادی امّاں!" لڑکی نے اس کی بات کاٹ کر کہا "تمہیں تمام باتیں یاد تو ہیں گی؟"
"یاد کیوں نہ رہیں گی؟" انیسیا نے جواب دیا "تم نے یہی تو کہا ہے کہ وہاں دو سپاہی ہیں سرخ فوج کے دو سپاہی! .... انھیں پانی کی ضرورت ہوگی۔ کسی کو ان کے بستر اور تکیے بھی ضرور درست کرنے چاہییں..... انھیں اور ضرورتیں بھی پیش آسکتی ہیں۔ کھانے کی ضرورت بھی پڑے گی اور انھیں اس بات کی توقع بھی ہوگی ......؟
"اہو ہو!" تالکا نے دفورِ مسرت سے اچھل کر اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "میری اچھی دادی امّاں! ابھی تو وہ لوگ کھانے سے معذور ہیں لیکن دو تین روز کے بعد جب بیچاروں کی حالت بہتر ہو جائے گی تو........؟"
"خیر! خیر!" ضعیفہ نے کہا "مجھ سے جو کچھ بھی ممکن ہو سکے گا کروں گی... .... میں ان کے لئے روٹی یا کھانے کی کوئی اور شئے لے جایا کروں گی اور ان کی خبر گیری کرتی رہوں گی.......!"
"اچھا تو تم ان کے پاس کب جاؤ گی؟" لڑکی نے دریافت کیا
"میں ابھی جاتی ہوں" انیسیا نے بمشکل اٹھتے ہوئے جواب دیا "اور حسب ضرورت آتی جاتی رہوں گی!
پریشان ہونے کی ضرورت نہیں سب کام ہو جائیں گے!"
"بھول تو نہیں جاؤ گی دادی امّاں" تالکا نے دریافت کیا۔
"گستاخ لڑکی!" بوڑھی انیسیا نے غصہ سے جھنجھلا کر کہا "اس بات کو ہمیشہ کے لئے یاد رکھو کہ دادی انیسیا جب کسی بات کا وعدہ کر لیتی ہے تو اسے پورا کر لیتی ہے۔ تم مجھ پر کیوں بھروسہ نہیں کرتیں؟ شاید تمہارا خیال ہے کہ انیسیا ہڈیوں اور کھال کا پلندہ بن جانے کے بعد اب کسی مصرف کی بھی نہیں رہی؟"

مگر تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ !"

"اچھا اچھا!" نتالکا نے اس کے کانپتے ہوئے کمزور ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر کہا "دادی اماں! ناراض نہ ہو! میں جارہی ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خداحافظ! ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ہم بہت جلد گاؤں میں واپس آجائیں گے مگر فی الحال ہمیں چلے جانا چاہیئے۔ ہم جنگل میں چھپ کر ان پر چھاپے مارتے رہیں گے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ !"

"اچھا جاؤ! خداحافظ!" ضعیفہ نے آہستہ سے کہا "جنگل میں رہ کر ۔ ۔ ۔ ؟ گھبراؤ نہیں واپسی پر تم ان لوگوں کو محفوظ اور تندرست پاؤگے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں تمہارے ان دونوں سپاہیوں کو بھولوں گی نہیں!"

"نتالکا! نتالکا!" جنگلے کے دوسری طرف سے کسی کی آواز آئی "تم کہاں ہو؟"

"آرہی ہوں ابا جان!" لڑکی نے جواب دیا "میں آرہی ہوں!" وہ ہرنی کی طرح دوڑتی ہوئی اپنے باپ کے پاس چلی گئی۔

بوڑھی انیسیا پھر سوچنے لگی ـــــ کتنی نیک دل مگر شوخ اور حسین لڑکی ہے اور دوڑتے ہوئے اس کے چھوٹے چھوٹے گلابی پاؤں سورج کی روشنی میں کتنے بھلے معلوم ہوتے ہیں لیکن اب یہاں پڑے رہنے سے کیا فائدہ آ چل کر ایک نظر ان زخمی سپاہیوں کو دیکھ آنا چاہیئے ـــــ وہ سخت جدوجہد کے بعد اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ کھڑے ہونے کے لئے اسے ہمیشہ جدوجہد کرنی پڑتی تھی لیکن ایک مرتبہ کھڑے ہونے کے بعد اسے چلنے پھرنے میں کوئی دشواری محسوس نہ ہوتی تھی۔

(۲)

سرخ فوج کے دو زخمی سپاہی سائبان کے ایک گوشہ میں

گھاس پر لیٹے ہوئے تھے۔ اور بوڑھی انیسیا ان کے قریب دو زانو بیٹھی ہوئی انھیں گھور رہی تھی وہ سوچ رہی تھی ——— یہ تو ابھی اچھی طرح جوان بھی نہیں ہوئے ——— لیکن ہیں بہادر ——— ان کے چہروں سے دلیری اور بے خوفی ٹپک رہی ہے۔

دفعتاً ایک سپاہی نے بخار کی غفلت سے چونک کر اپنا پٹیوں سے بندھا ہوا سر اٹھایا اور اپنے قریب کسی شخص کی موجودگی کو محسوس کر کے فوجی انداز میں کہا۔

"کون ہے؟"

"شی شی شی!" انیسیا نے اپنے ہونٹوں پہ انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا "میں ہوں دادی انیسیا اور میں تمہیں دیکھنے کے لئے آئی ہوں تم آرام کے ساتھ خاموش لیٹے رہو!"

"پانی!" سپاہی نے پیاس کی شدت سے بے چین ہو کر نیم غنودگی کی حالت میں کہا۔

"پانی؟" انیسیا نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا "میں ابھی پانی لاتی ہوں اور میرے بیٹوں کو جس شے کی ضرورت ہوگی میں لاؤں گی!"

نہ معلوم بوڑھی انیسیا میں کہاں سے قوت آگئی تھی' اس کی ٹانگوں میں محسوس ہونے والا درد مفقود ہو گیا تھا اور اس وقت وہ خود کو جوانوں کی طرح چست اور طاقتور محسوس کرنے لگی تھی اس نے کوئیں سے پانی کھینچا اور ایک صراحی بھر کر باغ سے گذرتی ہوئی آلو بخارہ کے درختوں کے پاس واقع سائبان میں واپس آئی'

"لو بیٹا پانی پیو!" انیسیا نے زخمی سپاہی کو سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے

کہا: میں پانی لے آئی ہوں یہ ہمارے کویں کا پانی ہے اور اس کنویں کا پانی بہت ہی ٹھنڈا اور شیریں ہوتا ہے"

دوسرا زخمی بخار کی شدت کے باعث بے چین ہو رہا تھا، اینیسا نے اپنا رومال پانی میں بھگو کر اس کی پیشانی پر رکھ دیا اور سوچنے لگی ——— میں ہڈیوں اور کھال کا پلندہ تو ضرور ہوں لیکن ابھی میں قطعاً بیکار تو نہیں ہوئی جب تنالکا کو معلوم ہوگا کہ دادی اینیسا نے اپنے وعدہ کو کس طرح پورا کیا ہے تو اسے کس قدر مسرت حاصل ہوگی۔

پانی سے بھری ہوئی صراحی کو زخمی سپاہیوں کے قریب رکھنے کے بعد اینیسا اپنے جھونپڑے میں واپس آکر دروازہ کے قریب ہی دھوپ میں لیٹ گئی آج کی غیر معمولی محنت نے اسے تھکا دیا تھا اس لئے اس پر فوراً غنودگی طاری ہوگئی اور تمام دن اسی طرح لیٹی رہی۔ شام کے وقت جب ٹھنڈی ہوا چلنے لگی تو وہ بیدار ہوئی اور حسب معمول ایک سخت جد وجہد کے بعد اٹھ کر زخمی سپاہیوں کے پاس گئی اور انھیں آرام کے ساتھ سوتا ہوا پاکر پھر اپنے جھونپڑے میں لوٹ آئی اس نے خیال کیا ——— آج کا دن تو ختم ہوگیا ...... امید ہے کہ کل کا دن بھی ایسا ہی گرم اور خوشگوار ہوگا اور میں دھوپ میں بیٹھ کر اپنی اکڑی ہوئی ہڈیوں کو حرارت پہنچا سکوں گی اور وہ .... ؟ ——— اس پر غنودگی طاری ہوگئی۔

دوسرے دن صبح کے وقت بوڑھی اینیسا ابھی اپنے جھونپڑے دروازہ ہی پر بیٹھی تھی کہ اس نے کسی شخص کو یوکرینی زبان، اینیسا کی اپنی مادری زبان میں کہتے ہوئے سنا "کیا یہ تمہارا جھونپڑا ہے ؟"

مخاطب کے لہجہ سے درشتی ٹپک رہی تھی اینیسا ڈوبتے ہوئے سورج

کی شعاعوں سے اپنی آنکھوں کو محفوظ رکھنے کے لئے ان پر اپنے ہاتھ کا سایہ کرتے ہوئے نو وارد کی طرف غور سے دیکھنے لگی۔ وہ اس کی گفتگو کو اچھی طرح سمجھ گئی تھی لیکن اس وقت وہ خاموش رہنا ہی چاہتی تھی مگر جرمن افسر اپنے سوال کا جواب حاصل کرنے پر تلا ہوا نظر آتا تھا۔

"جواب دو!" افسر نے دوبارہ دریافت کیا "کیا یہ تمہارا ہی جھونپڑا ہے؟"

ہاں! . . . . . . لیکن تم کیوں دریافت کرتے ہو؟" اینیبا نے آہستہ سے کہا۔

جرمن افسر اپنے ہمراہیوں سے مشورہ کرنے لگا۔ اینیبا کو ان لوگوں پر غصہ آ رہا تھا وہ اپنی ناک کی راہ سے لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔ ان لوگوں نے اس کے چاروں طرف کھڑے ہو کر اسے سورج کی شعاعوں سے محروم کر دیا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" جرمن افسر نے اس کے بڑھتے ہوئے غصہ کو بھانپ کر کہا۔

"کچھ نہیں؟ . . . . . !" اینیبا نے پھر آہستہ سے جواب دیا

"دروازہ کھولو!" افسر نے حکم دیا

"یہ تو کھلا ہوا ہے لیکن تمہارا مطلب کیا ہے؟" اینیبا نے دریافت کیا

"تمہیں جو حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل کرو!" اس مرتبہ ترجمان نے بلند آواز سے کہا اینیبا سخت جدوجہد کے بعد کراہتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھی اور اپنے عصا کا سہارا لیتی ہوئی آہستہ آہستہ اپنے جھونپڑے میں داخل ہوئی۔ جرمن افسر اس کے ساتھ تھے۔

"اس سے دریافت کرو کہ گاؤں کے سب لوگ کہاں چلے گئے ہیں؟" کرنل نے ترجمان کو حکم دیا بوڑھی اینیبا اپنے عصا کے سہارے خاموش کھڑی

ہوئی ان نو وارد لوگوں کی طرف غور سے دیکھ رہی تھی۔
"مجھے کیا معلوم؟" اس نے ترجمان کے سوال پر اپنے شانوں کو حرکت دیتے ہوئے جواب دیا۔ میں تو ایک ضعیف العمر عورت ہوں اور بمشکل ہی اپنے گھر سے باہر نکلتی ہوں!"
"کیا تم تنہا رہتی ہو؟" ترجمان نے دریافت کیا
"ہاں بالکل تنہا!" انیسیا نے جواب دیا "مجھے تنہا رہتے ہوئے دس سال گذر گئے ہیں"

جرمن افسر کمرہ میں پڑی ہوئی کرسیوں، تپائیوں اور چارپائیوں پر بیٹھ گئے۔ بوڑھی انیسیا کچھ دیر تک اسی جگہ کھڑی ہوئی ان لوگوں کی طرف دیکھتی رہی اور پھر آہستہ آہستہ دروازہ کی طرف چلی لیکن ایک جرمن افسر کے مضبوط ہاتھ نے اس کے شانہ پر پہنچکر اسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اور ترجمان نے اسے بتایا کہ آئندہ اسے مکان کی چہار دیواری سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور اس وقت سے اسے مکان کے اندر ہی رہنا پڑے گا۔ انیسیا ترجمان کی باتوں کو سن کر اظہار رضامندی کے طور پر اپنے سر کو جنبش دیتی رہی وہ خیال کر رہی تھی۔ میرے لئے یہاں رہنے اور باہر جانے میں کوئی فرق نہیں۔ اگر یہ لوگ مجھے مکان کے اندر ہی رہنے کے لئے کہتے ہیں تو میں باہر نہیں جاؤں گی۔ مگر..... ..! ــــ وہ آتش دان پر بنی ہوئی سونے کی جگہ جاکر جہاں اس کا بستر بچھا ہوا تھا لیٹ گئی اور اسے فوراً نیند آگئی۔

کمرہ میں بیٹھے ہوئے جرمن افسر جن کے روبرو نقشے پھیلے ہوئے تھے بلند آواز سے گفتگو کرنے سیٹیاں بجانے، آپس میں جھگڑنے اور اپنے فوجی

جوتوں سے فرش کو دھپ دھپانے میں مصروف تھے لیکن انیسیا غفلت کی نیند سوتی رہی۔ اسے معلوم بھی نہ ہو سکا کہ اس کے کمرہ میں کیسا طوفان برپا ہے مکھیاں بھن بھنا رہی تھیں، سپاہیوں کی جلد جلد آمد و رفت نیز دروازہ کے بار بار کھلنے اور بند ہونے کی آوازوں سے کمرہ میں ایک ہنگامہ بپا ہو رہا تھا لیکن بے خبر سوتی ہوئی انیسیا اس تمام شور و غل سے ناواقف تھی اور جب کبھی اس کی آنکھ کھل جاتی تھی تو غنودگی کے عالم میں اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ تمام ہنگامہ اس کے اپنے مکان میں نہیں بلکہ کہیں دور۔ بہت دور۔ کہرہ کی کسی دبیز چادر کے عقب میں برپا ہے اور وہ خود اسے فاصلہ پر بیٹھی ہوئی دیکھ رہی ہے۔

غروب آفتاب سے کچھ دیر پہلے اس کی آنکھ کھلی۔ وہ مضطرب سی نظر آتی تھی اسے خیال تھا کہ آلو بخارہ کے درختوں کے قریب ایک سائبان میں پڑے ہوئے دو زخمی سپاہیوں کے پاس شاید آب پاشی کا ایک قطرہ باقی بھی نہ رہا ہو گا۔ اس خیال کے آتے ہی اس کی باقی ماندہ غنودگی بھی کافور ہو گئی اسے اپنے اعضا میں قوت اور توانائی محسوس ہونے لگی اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازہ کی طرف چلی۔

"کہاں جانے کا ارادہ ہے؟" ترجمان نے اچانک سامنے آ کر دریافت کیا

"کسی خاص جگہ نہیں!" انیسیا نے غصہ میں آ کر اپنے عصا کے سہارے ذرا جلدی سے قدم بڑھاتے ہوئے جواب دیا "مجھے کبھی بھی تو باہر جانا ہی پڑے گا!"

ترجمان خاموش ہو گیا لیکن دروازہ سے باہر جانے کے بعد انیسیا نے دیکھا کہ وہ سایہ کی طرح اس کے ساتھ ساتھ چلا آ رہا ہے اس نے اپنے

دل میں خیال کیا ——— خوب! یہ جرمن تو ایک بوڑھی عورت سے بھی خائف رہتے ہیں ...... لیکن اس سے یہ بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ بوڑھی ہونے کے باوجود میں کچھ نہ کچھ کرضرور کر سکتی ہوں" بہت اچھا! یہ میری نگرانی کرنا چاہتے ہیں تو کرتے رہیں ——— دروازہ کے قریب ہی دو چار قدم چلنے کے بعد وہ جھونپڑے میں آکر پھر بستر پر دراز ہوگئی لیکن اسے دونوں زخمی سپاہی کی بیچارگی کا احساس ستا رہا تھا اور یہ خیال ۔ سائبان میں گھاس پر پڑے ہوئے دو نوعمر زخمی سپاہیوں کے بے یار و مددگار پڑے ہونے کا خیال ۔ اس کے دل پر رکھی ہوئی ایک وزنی چٹان کی طرح اسے تکلیف دے رہا تھا ۔ وہ سوچنے لگی ——— شاید ان میں سے کوئی خاموشی کے ساتھ باہر نکلنے میں کامیاب ہوگیا ہو ۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گئی ہوں میرے بس میں کیا ہے؟ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں اور مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ ——— وہ بہت دیر تک بے چینی کے ساتھ اپنے بستر پر کروٹیں بدلتی اور سرد آہیں بھرتی رہی لیکن انجام کار اسے نیند آگئی ۔

(۳۱)

بوڑھی انیسیا پر نیند تو ضرور غالب آگئی تھی لیکن اس کے ذہن سے سرخ فوج کے ان دو زخمی سپاہیوں کا خیال زائل نہیں ہوا تھا جو لوبجارہ کے درختوں کے قریب سائباں میں گھاس پر پڑے ہوئے اس کی آمد کا انتظار کر رہے تھے اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ اسے بلا رہے ہیں ——— دادی انیسیا! تم کہاں ہو؟ ہم بخار کی تیزی، زخموں کی تکلیف اور پیاس کی شدت سے نڈھال ہو رہے ہیں کیا تم ہمیں پانی نہیں پلاؤگی اور کیا ہمارے زخموں کی بندشیں اسی

طرح ڈھیلی پڑی رہیں گی؟ —— وہ ملند آواز سے اسے پکار رہے تھے وہ چونک اٹھی اور فوراً ہی اسے محسوس ہوا کہ کوئی نیا اور تکلیف دہ واقعہ رونما ہونے والا ہے۔ اس نے بستر پہ پڑے ہی پڑے کمرہ پہ ایک نظر ڈالی لیکن کیا وہ اب تک خواب ہی دیکھ رہی تھی؟۔

جرمن افسر تپائیوں اور چارپائیوں پر میز کے گرد بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے روبرو جرمن سپاہیوں کا سہارا لئے سرخ فوج کے وہ دونوں زخمی سپاہی کھڑے تھے جن نے دادی اینیا تمام دن مضطرب اور پریشان رہی تھی۔ ان کے سروں بازوں اور ٹانگوں پر بندھی ہوئی پٹیاں کھسک گئی تھیں اور ان کے خوب صورت مردانہ رخساروں پر چھوٹے چھوٹے بھورے اور ملائم بال نمودار ہو گئے تھے لیکن انتہائی ضعف و نقاہت کے باوجود ان کی سپاہیانہ آن میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔

اس منظر نے بوڑھی اینیا کو سراسیمہ اور پریشان بنا دیا اس نے اپنی بے اختیارانہ چیخ کو روکنے کے لئے اپنی مٹھیاں اس طرح کس کر بند کر لیں کہ اس کے ناخن اس کی ہتھیلیوں میں پیوست ہو گئے اور سر کو تھوڑا سا ملند کر کے اپنی جگہ بیٹھے ہوئے پیش آنے والے واقعات کا انتظار کرنے لگی۔

کرنل کمرہ کے وسط میں ایک کرسی پہ بیٹھا ہوا جھول رہا تھا اور مٹی کے تیل سے جلنے والے چراغ کی روشنی کمرہ میں کچھ اس طرح پڑ رہی تھی کہ کرنل کے جسم کا نصف بائی حصہ تاریکی میں چھپ گیا تھا اور اس کی آنکھوں سے اس کے دلی خیالات کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"تم کونسے دستے کے ساتھ منسلک ہو؟" کرنل کی اجازت سے ترجمان نے دریافت کیا۔

"زخمی سپاہی اپنے خشک ہونٹوں کے ذریعہ ہوا درآمد کرنے کی کوشش کر رہے تھے، انھیں سانس لینے میں دشواری ... محسوس ہوتی تھی اور بخار کی شدت کے باعث ان کی آنکھوں سے شعلے نکلتے ہوئے معلوم ہو رہے تھے وہ بہت کمزور تھے اور بمشکل ہی کھڑے ہو سکتے تھے لیکن جرمن سپاہیوں نے ان کے بازوؤں کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ کر انھیں کھڑا کر رکھا تھا۔ انیسیا ضعیف العمری کے باعث ثقل سماعت میں مبتلا تھی لیکن اس وقت اسے یہ محسوس کر کے سخت حیرت ہوئی کہ وہ نہ صرف گفتگو ہی کو بلا تکلف سن سکتی ہے بلکہ اسے زخمی سپاہیوں کے زور زور سے سانس لینے کی آواز بھی آ رہی ہے۔

"ہاں! تم کس دستہ سے متعلق ہو؟" ترجمان نے دوبارہ سوال کیا۔

زخمی سپاہیوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"ان سے کہہ دو ......" کرنل نے غصہ سے بیتاب ہو کر اپنی بند مٹھی کو زور سے میز پر مارتے ہوئے ترجمان سے کہا "...... کہ ہم تم ایسے لوگوں کو سیدھے راستہ پر لانے کے بعض مخصوص طریقوں سے واقف ہوں اور تمہارے لئے عافیت کی راہ یہی ہے کہ تم مجھے بتا دو کہ تم کو کسی دستہ کے ساتھ وابستہ ہو اسے یہاں کب بھیجا گیا تھا وہ کہاں سے آیا تھا اور کس جگہ گیا ہے نیز یہ کہ اس علاقہ کی بڑی فوج کہاں مقیم ہے اور اس علاقہ کے دیہاتیوں نے کس کس لڑائی میں حصہ لیا ہے؟ بس! اپنا کام شروع کرو"

"تم کس دستہ کے سپاہی ہو؟" ترجمان نے پھر دریافت کیا

انیسیا کرنل کے تحکمانہ انداز گفتگو سے اس کے ارادوں کو تاڑ کر سر سے پیر تک کانپ اٹھی اور خاموشی مگر بے چینی کے ساتھ سرخ سپاہیوں کے جواب کا انتظار کرنے لگی۔

"میں تمہیں کچھ نہ بتاؤں گا!" اس سرخ سپاہی نے جس کے سر پر گہرا زخم لگا ہوا تھا ایک لمبا سانس لے کر جواب دیا

"اچھا تم نہیں بتاؤ گے؟" کرنل نے ترجمان کی بات سن کر ایک جرمن سپاہی کو اشارہ کرتے ہوئے کہا "تو ہینس! ذرا تم اس کی مدد کرو۔ اس غریب کے منہ سے الفاظ نہیں نکلتے اسے تمہاری مدد کی ضرورت ہے!"

جرمن سپاہی نے قیدی کی کنپٹی پر زور سے ایک گھونسہ رسید کیا اور زخم سے رس رس کر جم جانے والے خون سے شرابور پٹیوں سے بندھا ہوا سر بے بسی کے عالم میں ایک طرف کو جھک گیا لیکن سرخ فوج کا یہ نوعمر زخمی سپاہی اپنی قوت ارادی سے کام لے کر فوراً ہی سیدھا کھڑا ہو گیا اور اپنی لرزتی ہوئی آواز میں کہا

"میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا!"

"فوج کہاں مقیم ہے؟" ترجمان نے دریافت کیا

"مجھے معلوم نہیں!" زخمی سپاہی نے فوراً جواب دیا

"تمہیں معلوم نہیں!" کرنل نے پھر جرمن سپاہی کی جانب مخاطب ہو کر کہا "ہینس ذرا اس کی یادداشت تو تازہ کر دو ہاں ذرا جلدی کرو بیچارہ بھول گیا ہے...... لیکن ہم اسے یاد دلانے کی کوشش کریں گے ..... پوری پوری کوشش کریں گے اور اسے یاد آ ہی جائے گا!"

جرمن سپاہی نے زخمی نوجوان کے رخساروں پہ مکوں کی بھرمار شروع کر دی اور اس کے سر پہ بندھی ہوئی پٹیاں تازہ خون میں تر بتر ہو گئیں۔ انیسیا اس منظر کو دیکھ کر گھبرا گئی اور اسے اپنی چیخوں کو روکنے کے لئے غیر معمولی ضبط اور جدوجہد سے کام لینا پڑا۔

"گاؤں کے باشندے کہاں ہیں؟" ترجمان نے سوال کیا
"مجھے معلوم نہیں۔ میں نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا!" نوجوان نے شکستہ لہجہ میں جواب دیا کرنل نے غصہ سے تلملا کر میز پر رکھے ہوئے کاغذات ہاتھ سے مسلتے ہوئے جرمن سپاہی سے کہا۔
"ہاں! اس نے کسی شخص کو بھی نہیں دیکھا! ہنیس ذرا اس کی بصارت تو درست کر دو لیکن اس طرح کہ اسے نظر آنے لگے۔ سمجھ گئے؟"
فوراً ہی سرخ فوج کے اس دلیر سپاہی کو زمین پر گرا دیا گیا' انیلیا نے اپنے سر کو تھوڑا سا اور بلند کیا
"جرمن سپاہی فرش پر پڑے ہوئے نوجوان کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے ہوئے تھے اور ہنیس برچھی کی نوک کو اس بیکس قیدی کی آنکھ کی طرف بڑھا رہا تھا۔ انیلیا نے خیال کیا —— یہ نہیں ہو سکتا یہ ناممکن ہے شاید میری کمزور آنکھیں مجھے دھوکا دے رہی ہیں! —— لیکن اس کا حسن ظن غلط اور اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔
فاشی جرمن نے نہایت اطمینان اور آہستگی سے برچھی کی نوک قیدی کی بائیں آنکھ میں داخل کر دی۔ کمرہ میں ایک دلگداز اور وحشت خیز چیخ بلند ہوئی اور پھر خاموشی طاری ہو گئی۔
"فوج کہاں ہے؟" ترجمان نے فوراً ہی سوال کیا
"مجھے معلوم نہیں!" درد سے بے قرار نوجوان نے جس کی پھوٹی ہوئی آنکھ سے بہنے والا خون اس کے منہ اور ٹھوڑی پر جمتا جا رہا تھا وحشت ناک آواز میں جواب دیا" میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ . . . . تم مجھ سے کچھ معلوم نہیں کر سکتے!"

"کرنل اپنی جگہ سے اٹھ کر اس جاں بلب نوجوان کے قریب آیا اور اسے ٹھوکر مارنے کے بعد ترجمان سے کہا
"ایک مرتبہ پھر دریافت کرو کہ ہمارے سوالات کا جواب دینے پر آمادہ ہے یا نہیں؟"
ترجمان زمین پر تڑپنے والے نوجوان کی جانب جھکا۔ زخمی آنکھ سے بہنے والا خون اس کے حلق میں جمع ہو کر اس کے سانس کی آمدورفت کو دشوار تر بنا رہا تھا اور دادی انیسیا اس کے اکھڑے ہوئے سانس کی آواز کو سن رہی تھی کہ دفعتاً نزع کے عالم میں نوجوان کی زبان سے نکلا۔
"تو پھر ساتھیو! ...... آؤ! ...... یہ آخری لڑائی .....
جس میں کامیابی ...... کے بعد دنیا امن .... رہ سکے گی!"
"کیا ہے؟" کرنل نے دلچسپی کے ساتھ دریافت کیا "یہ کیا کہہ رہا ہے؟"
"کچھ نہیں!" ترجمان نے جواب دیا
"کچھ نہیں؟" کرنل نے پھر ترجمان کے جملہ کو دہراتے ہوئے کہا "مگر اس نے کچھ کہا تو ہے!"
"لیکن کوئی ایسی بات جو سمجھ میں نہیں آ سکی" ترجمان نے جواب دیا
"اچھا! اس کا قصہ تو ختم کرو!" کرنل نے حکم دیا اور سپاہی نے اپنی برچھی اٹھائی۔
"یہاں نہیں!" کرنل نے بلند آواز سے کہا "اسے باہر لے جاؤ"
سپاہی نے بے حس و حرکت زخمی کے دونوں ہاتھوں کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا اور اسے کھینچتا ہوا دروازہ کی طرف لے چلا۔ انیسیا اس بے یار و مددگار نوجوان کو فرش پر کھینچے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی تمام کمرہ خون سے

آلودہ ہو گیا تھا اور اب یہ دلگداز اور جان سوز منظر اس کے لئے ناقابل برداشت بن چکا تھا۔

انیسیا نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لئے۔ دیواروں پر فاشسٹی جرمنوں کے تاریک سائے بھوتوں کی طرح رقص کر رہے تھے کیل میخیں لگے ہوئے تلوں کے وزنی جوتے پہنے ہوئے جرمن سپاہیوں کی آمدورفت کے باوجود کمرہ میں ایک المناک اور مرگ آسا خاموشی پھیلی ہوئی محسوس ہوتی تھی انیسیا نے آہستہ آہستہ سر اٹھا کر دیکھا۔ اب سرخ فوج کا دوسرا زخمی سپاہی کرنل کے روبرو کھڑا تھا۔ اپنے ساتھی کی طرح نقاہت کے باعث اس کی ٹانگیں بھی کانپ رہی تھیں لیکن جرمن سپاہیوں نے اسے مضبوطی سے پکڑ کر کھڑا کر رکھا تھا۔

"اس سے دریافت کرو!" کرنل نے ترجمان سے کہا

انیسیا اب نہ تو اس دحشت خیز منظر کو دیکھنا چاہتی تھی اور نہ اس کے متعلق کچھ سننا اس نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال کر منہ پر لحاف کھینچ لیا اور آپ بھی اس طویل عمر، نوّے سال کی عمر جس کی بدولت اسے آج رات کو یہ الم انگیز انسانیت سوز اور وحشت ناک منظر دیکھنا پڑا تھا لعنت بھیجے گی۔ لیکن تیر تو بھاگتے ہوئے شکار کا تعاقب بھی کرتا ہے! پھر یہ کس طرح ممکن تھا کہ بوڑھی انیسیا ان واقعات سے ناواقف اور لاعلم رہ سکتی؟ اسے لحاف میں منھ چھپائے اور کانوں کو بند کئے رہنے کے باوجود جرمنوں کے سوالات اور زخمی نوجوان کے انکار نیز بار بار کراہنے اور رک رک کر سانس لینے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ کچھ دیر کے بعد کمرہ میں ..... خاموشی چھا گئی قبرستان جیسی خاموشی مگر انیسیا کو منہ کھول کر دیکھنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

(۴)

کمرہ کو دھندلی روشنی سے نیم منور کرنے والا چراغ گل کر دیا گیا اور جرمن افسر بستروں پہ دراز ہو گئے لیکن انیسا جاگتی رہی اس کی نیند غائب ہو چکی تھی اور اگرچہ اس کی ٹانگیں اکڑ کر ہیسپہ کی طرح ہڑلی ہو گئی تھیں لیکن اسے اس تکلیف کا مطلق بھی احساس نہ تھا وہ کچھ سوچ رہی تھی۔ کوئی اہم بات وقت گذرتا گیا لیکن آہستہ آہستہ۔ ہمت شکن اور صبر آزما سست رفتاری کے ساتھ! لمحات بہت ہی آہستگی کی دامنی کی تاریکیوں میں مستور ہوتے ہوئے معلوم ہو رہے تھے اور انیسا کو یہ شبہ ہونے لگا تھا کہ آج وقت کی حرکت قیام واستقلال میں تبدیل ہو گئی ہے لیکن وہ انتظار کرتی رہی اعضا کے برف کی طرح سرد ہو جانے کے باوجود اس کی پیشانی پر پسینہ کے بڑے بڑے قطرے نمودار ہو گئے تھے برف کی طرح سرد پسینہ کے قطرے مگر اس وقت وہ ان تمام چیزوں سے بے نیاز تھی۔

کمرہ میں کسی شخص کے خراٹوں کی آواز آنے لگی اور انیسا اپنی جگہ سے اٹھی لیکن اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ تاریکی کے باوجود اس کی ہر حرکت کو دیکھا اور ہر آہٹ کو سنا جا رہا ہے مگر جرمن افسر بے خبر سو رہے تھے اور تمام کمرہ ان کے خراٹوں اور نیند کی غفلت میں ناک کی راہ سے نکلنے والی آوازوں سے گونج رہا تھا۔ انیسا نے اپنا ایک پیر زمین پر رکھا اور پھر انتظار کرنے لگی لیکن کسی جرمن نے بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔ اب اس کا دوسرا پیر بھی زمین پر تھا مگر وہ خود بستر ہی پر بیٹھی ہوئی تھی چند لمحہ اسی طرح بیٹھی رہنے کے بعد انیسا نہایت احتیاط اور آہستگی کے ساتھ

بستر سے اٹھی اور دبے پاؤں دروازہ کی طرف چلی اسے جرمنوں کے بیدار ہوجانے کے اندیشہ سے سانس لینے کی جرأت بھی نہ ہوتی تھی لیکن وہ آگے بڑھتی چلی گئی اور دروازہ پر پہنچکر یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ وہ اندر سے مقفل ہے اس کی چابی نکال کر اپنی جیب میں ڈال لی پھر اس نے دروازہ پر لگی ہوئی متحرک آہنی سلاخوں کو ہموار کیا اور کمرہ کے تمام دریچوں اور کھڑکیوں پر ایک نظر ڈال کر اس بات کا اطمینان کر لینے کے بعد کہ اب کوئی شخص بھی کمرہ میں داخل ہو کر جرمن افسروں کے آرام میں مخل نہیں ہوسکتا وہ ایک گوشہ میں پڑی ہوئی تپائی کی طرف چلی۔ بوتل اپنی جگہ موجود تھی۔۔۔۔ مٹی کے تیل سے بھری ہوئی بوتل۔۔۔۔۔۔ جسے کل ہی اسے گودام سے پروسول ہی تولائی تھی!

انیسیا نے بوتل کی ڈاٹ کھولی اور چند قدم کے فاصلہ پر سوئے ہوئے کرنل کے پاس پہنچ کر نہایت احتیاط کے ساتھ تھوڑا سا تیل اس کے بستر پر چھڑک دیا پھر اس نے کمرہ میں بے خبر سوئے ہوئے تمام جرمن افسروں کے بستروں کو تیل سے تر کیا اور باقی ماندہ تیل چوبی فرش پر چھڑک دیا۔ مکان کے چوبی ستون، شہتیر چوبی دیواریں، فرش غرضیکہ ہر شے اپنی پختگی کے باعث خشک ہو چکی تھی اور فرش پر بچھے ہوئے پھوس کی ساتھ بالکل بھسی کی طرح جل سکتی تھی۔ انیسیا نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے آتشدان کی دیوار میں بنے ہوئے طاق پر رکھے ہوئے دیاسلائی کے بکس کو ٹٹولنا شروع کیا۔ دیاسلائی کا بکس اسی جگہ رہتا تھا اور اس وقت بھی موجود تھا۔

وہ پھر آتشدان پر بنی ہوئی اپنے سونے کی جگہ واپس چلی گئی اور اپنے سر کو لحاف میں چھپا کر دیاسلائی روشن کی ـــ وہ سر سے پیر تک کانپ

رہی تھی، پتے کی طرح' دیا سلائی کے روشن ہونے سے پہلے برآمد ہونے والی خفیف۔ سی آواز اس وقت اسے رائفل چھوٹنے کی آواز کی طرح بلند اور کرخت معلوم ہوئی لیکن اب وہ پہلے کی طرح محتاط اور خوف زدہ نہیں تھی فاشی جرمنوں سے انتقام کا وقت آ گیا تھا انیسیا کے وطن کے دشمن فاشیوں سے انتقام کا وقت۔ان انسان نما درندوں سے انتقام لینے کا وقت جو معذور و مجروح قیدیوں کی آنکھیں پھوڑ دینا کھیل سمجھتے ہیں اور جو نوّے سال کی ایک کمزور اور ناتوان عورت کو دھوپ میں بیٹھنے کی اجازت بھی نہیں دیتے!

انیسیا نے ذرا جھک کر جلتی ہوئی دیا سلائی فرش پر ڈال دی لیکن اب اس کی قوت زائل ہو چکی تھی' اس کے اعضا نے کام کرنے سے جواب دے دیا تھا اور اب اس کے لئے سیدھا بیٹھنا بھی ناممکن ہو گیا تھا شعلے تیل سے بھیگے ہوئے پھوس پر سانپ کی طرح لپکنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام کمرہ میں پھیل گئے۔ انیسیا ایک مسحور انسان کی طرح شعلوں کو دیکھ رہی تھی حتیٰ کہ اسے یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ اس کے تیل سے بھیگے ہوئے کپڑوں میں بھی آگ لگ گئی ہے ...... اور جب بے خبر سونے والے جرمن افسر بیدار ہوئے تو انھیں کمرہ کی ہر چیز ــــ ستون' شہتیر' دیواریں اور فرش ــــ غرض کہ ہر چیز جلتی ہوئی نظر آئی۔ کوئی شخص سراسیمگی کے عالم میں دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دادی انیسیا اپنی جگہ سے اٹھ کر بھڑکتے ہوئے شعلوں میں سے جوانوں کی طرح لپکتی ہوئی دروازہ کے قریب پہنچی اور اس بدحواس جرمن افسر سے لپٹ گئی۔ موت کے فرشتہ کی طرح جس کی گرفت سے نکلنا ناممکن ہے۔

اس وقت دادی انیسیا کی ایک ہی خواہش تھی، صرف ایک خواہش وہ چاہتی تھی کہ کمرہ کا ہر دروازہ اور دریچہ بند رہے اور ان فاشسٹی درندوں میں سے ایک بھی بچ کر نہ جا سکے .... دادی انیسیا کی یہ خواہش پوری ہو گئی تھی اور تھوڑی ہی دیر کے بعد گاؤں میں نہ دادی انیسیا کا جھونپڑا تھا اور نہ وہ جرمن افسر جو چند گھنٹے پہلے فاشسٹی تہذیب کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

زندگی!

وہ اپنے چار سال کے بچہ کو ساتھ لئے ہوئے سڑک کے دوسری طرف جانا چاہتی تھی، راستہ کے دونوں سروں پر دو ٹرام کاریں ٹھیری ہوئی تھیں جن کی وجہ سے آمد و رفت ملتوی ہوگئی تھی اور وہ ان کے گذر جانے کا انتظار کر رہی تھی دفعتاً بچہ، نہ معلوم کیوں؟ دفورِ مسرت سے بے اختیار ہو کر راستہ کے وسط میں ٹرام کاروں کی طرف جو اب متحرک ہو چکی تھیں بڑھا۔ ماں کے منہ سے ایک چیخ نکلی، ایک خوفناک چیخ اور دونوں ٹرام کاروں کے ڈرائیوروں نے بیک وقت بریک دبا کر انھیں روک لیا۔ اندر بیٹھے ہوئے مسافروں نے کھڑکیوں سے سر نکال کر دیکھنا شروع کیا اور باہر نکلے ہوئے لوگ جھک جھک کر پہیوں کے نیچے دیکھنے لگے۔

"کس قدر بے پرواہ ماں ہے!" آنے جانے والی عورتوں نے اسے دیکھ کر کہا "اسے شرم بھی نہیں آتی!"

"کو لیا! کو لیا!" ماں نے جھپٹ کر اس تنگ جگہ میں جانے کی کوشش کرتے ہوئے پکارا جو دونوں کاروں کے درمیان رہ گئی تھی اور ایک ہی لمحہ میں وہ غم و اندوہ اور یاس و حسرت کا پیکر نظر آنے لگی۔

"تمہارے بچہ کا حلیہ کیا ہے؟" ایک شخص نے دریافت کیا "وہی خوب صورت بالوں والا لڑکا تو نہیں جس نے نیلے رنگ کا کوٹ پہن رکھا ہے؟"

اس کی پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا تھا، اس کا حلق خشک ہو گیا تھا منہ سے بات

بات نکلتی تھی اور کسی اندیشہ۔ دل دوز اندیشہ کے باعث اس کی آنکھیں پتھرائی ہوئی معلوم ہوتی تھیں اس نے سر کی جنبش سے اس شخص کی بات کی تصدیق کی۔
"اچھا!" ایک اور راہ گیر نے کہا "اسے تو ایک فوجی نے اپنی گود میں اٹھا لیا تھا شاید اس کے چوٹ لگ .....۔"
"کہاں؟....... کس طرف؟....." اس نے بے ربط انداز میں سوال کیا اور اس سمت کو چل دی جس طرف لوگوں نے اشارہ کیا تھا۔
ایک بلند قامت ہوا باز جو سر سے پیر تک گرد آلود ہونے کے باعث خاکی وردی میں ملبوس نظر آتا تھا، کولیا کو اپنے آغوش میں لئے اسے بار بار سینے سے چمٹاتا اور اسکے رخساروں اور پیشانی کے بوسے لیتا ہوا سڑک پر چلا جا رہا تھا بچہ خوشی سے ہنس رہا تھا اور اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے کبھی کبھی اس ہوا باز کے کان اور بال بھی کھینچ لیتا تھا۔ اسے چوٹ نہیں لگی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہوا باز کی گود میں پہنچکر وہ بہت زیادہ خوش ہے۔
"کامریڈ ہوا باز کامریڈ...... ہوا باز!" ماں نے اس کے پیچھے دوڑتے ہوئے بلند آواز سے کہا "تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو؟ آخر بات کیا ہے؟ تم....!"
اس نے اس کی آواز پر کوئی توجہ نہیں کی گویا کہ اس نے کچھ سنا ہی نہیں۔ وہ آگے بڑھتا گیا۔
"کولیا! میرے بیٹے!" ہوا باز بچہ سے کہہ رہا تھا، محویت اور بے خودی کے عالم میں کہے جا رہا تھا "کولیا! میرے عزیز بیٹے! تم یہاں کس طرح آ پہنچے؟" اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بچہ اسے کچھ بتا رہا ہے۔
"تمہیں یہ جرأت کس طرح ہوئی؟" ماں نے ہوا باز کا بازو دھام کر اسے ٹھہراتے ہوئے سوال کیا۔ وہ غصہ سے دیوانی ہوتی جا رہی تھی "تم میرے بچہ کو کہاں

جا رہے ہو؟ یہ ظلم ہے۔ اسے چھوڑ دو، ورنہ میں سپاہی کو بلا لینے پر مجبور ہو جاؤں گی!"

"تمہارا مطلب کیا ہے؟" ہوا باز نے حیرت اور کسی قدر سراسیمگی کے ساتھ اس کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ اب بہت سے راہ گیر بھی جمع ہو گئے تھے۔

"تم میرے بچہ کو کہاں لے جا رہے ہو؟ کیا یہ ظلم نہیں ہے؟" ماں نے پھر کہا "تمہارا بچہ؟ .... یہ تو میرا بیٹا ہے!" ہوا باز نے جواب دیا اور کچھ ایسے انداز میں بچہ کی طرف دیکھتے ہوئے گویا کہ وہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ کہیں اس سے غلطی تو نہیں ہو گئی ہے اس نے بچہ سے دریافت کیا "کولیا! تم کس کے بیٹے ہو؟"

"ابا تمہارا!" بچہ نے فوراً جواب دیا اور اس خاتون کی طرف اپنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا "اور یہ آماں ہیں!"

"کس کی آماں؟" ہوا باز نے حیرت کے ساتھ دریافت کیا "تمہاری اماں کہاں گئیں؟"

"میری آماں تو قبر میں سو رہی ہیں!" کولیا نے بتایا! "جب جرمن آئے تھے تو انھوں نے اماں کو گولی مار دی تھی، خالہ لیبا نے اگرچہ اپنے ہاتھ سے میری آنکھیں بند کر دی تھیں لیکن بعد میں میں نے دیکھا تھا کہ ....!"

"بس! بس! کولیا۔" ہوا باز نے اس کی بات کاٹ کر کہا "میں سمجھ گیا" اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اس نے پاس کھڑی ہوئی خاتون کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اچھا تو تم نے اسے لے لیا ہے۔ اس واقعہ کو کتنا عرصہ ہوا؟"

خاتون کی نیم باز آنکھیں، بچہ اور ہوا باز کی طرف اٹھیں لیکن اس کی زبان

نہ کھل سکی، اس نے اپنے بالائی ہونٹ کو دانتوں کے درمیان زور سے دبا لیا گویا کہ وہ کسی اندرونی اذیت پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہے اس کا رنگ زرد پڑتا جا رہا تھا اور وہ کانپ رہی تھی۔ درخت کی شاخ پر لگے ہوئے کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح

"دیکھو!" ہوا باز نے اس کی یہ حالت دیکھ کر کہا "تمھیں اپنے حواس کو بجا کرنا چاہیئے جہانتک کوبیا کا تعلق ہے مناسب یہ ہوگا کہ میں اور تم اس مسئلہ پر گفتگو کریں .... لیکن تم کہاں جا رہی تھیں؟"

"مکان!" خاتون نے آہستہ سے جواب دیا۔

"اپنے کمرہ پر؟" ہوا باز نے دریافت کیا

"نہیں اپنے کمرہ پر نہیں!" خاتون نے پہلی مرتبہ کسی قدر اصرار کے ساتھ جواب دیا "ہم دونوں اپنے مکان جا رہے تھے" اور یہ کہتے ہوئے اس نے دزدیدہ نظر سے کوبیا کی طرف دیکھا۔

"خیر!" ہوا باز نے لڑکے کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا "اب ہمیں یہاں کھڑے رہ کر وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے" اس بے ترتیب وضع میں دیکھ کر لوگ نہ معلوم مجھے کیا کہتے ہوں گے۔ مجھے یہاں بہت ہی پیچیدہ حالات میں اترنا پڑا لیکن کوئی پرواہ نہیں ......"

جمع ہو جانے والے لوگوں نے انھیں راستہ دیدیا اور وہ تینوں ایک طرف کو روانہ ہو گئے۔

"ہاں اس کی کوئی پرواہ نہیں!" خاتون نے غیر ارادی طور پر ہوا باز کے جملہ کو دہرایا "اس طرف کوبیا! .... تمہارا رومال کہاں ہے؟ اپنی ناک صاف کرو۔ ہاں! داہنی جانب! .... اس طرف مت چلو۔ تمھیں

ایسی کوئی بات نہیں کرنی چاہیئے جو قانون کے خلاف ہو"
ہوا باز بالکل خاموش تھا لیکن کولیا سے باتیں کرتی رہنے کے باوجود خاتون کے چہرہ پر کچھ ایسی وحشت اور سراسیگی برس رہی تھی گویا کہ اس نے کسی بہت بڑے جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے گرفتار کیا گیا تھا اور اب اسے سخت ترین سزا دی جانے والی ہے۔ وہ مکان پر پہنچ گئے لیکن کس طرح؟ کم از خاتون کو اس بات کا علم نہیں ہو سکا۔
مکان ایک چھوٹے سے کمرہ پر مشتمل تھا آرائش کا سامان بھی نہایت مختصر اور معمولی تھا۔ ایک صوفہ، چھوٹی سی ایک میز اور تیل سے جلنے والا ایک چولہا جسے کپڑوں کے صندوق پر رکھ دیا گیا تھا۔ یہ تھی اس مکان کی کل کائنات، ایک گوشہ میں چند پرانے کھلونے بھی پڑے ہوئے تھے۔ ہوا باز نے بچہ کو گود سے اتار کر فرش پر کھڑا کر دیا۔
"میں اپنا تعارف کرا دینا مناسب سمجھتا ہوں" ہوا باز نے خاتون کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میرا نام براتزنیف ہے اور میں سرخ ہوائی فوج میں میجر ہوں"
"اور...... میرا نام ہے رگال ٹنک مجھے آپ سے مل کر بہت مسرت ہوئی اور مجھے یقین ہے کہ ہمارے درمیان کسی قسم کی غلط فہمی پیدا نہ ہو گی!" خاتون نے اپنا تعارف کراتے ہوئے جواب دیا۔
"غلط فہمی!" براتزنیف نے رگال ٹنک کی طرف جسے وہ کچھ زیادہ پسند کرتا تھا کسی قدر برہم نظر سے دیکھتے ہوئے تعجب کے ساتھ دریافت کیا "کس قسم کی غلط فہمی پیدا نہ ہو گی؟"
رگال ٹنک کو قد کے اعتبار سے اگرچہ پست قامت نہیں کہا جا سکتا تھا لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ موزوں قامت کی تعریف میں بھی نہیں آتی تھی جسم دبلا تھا

گرچہ ویں دل کشی اور جاذبیت موجود تھی البتہ کسی کسی جگہ متعدد گہری لکیروں کی موجودگی اس بات کو ظاہر کرتی تھی کہ اسے شدید مصائب، نامرادیوں اور آلام کا مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ اس کے لمبے بال سنہرے فیتہ سے گندھے ہوئے تھے اور اگرچہ اس کے بازو متناسب تھے لیکن کسی قدر پتلے اور نیلگوں نظر آتے تھے۔

"بیٹھ جاؤ" براڑنیف نے کہا "ہمیں اصل معاملہ پر گفتگو کرلینی چاہیئے، میرے پاس بہت تھوڑا وقت ہے!"

"کامریڈ براڑنیف!" رگال تنک نے جواب دیا "کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ پہلے آپ غسل کر کے ایک پیالی چائے پی لیں؟"

رگال تنک کے انداز گفتگو سے میجر براڑنیف نے ایسا محسوس کیا کہ وہ اسے روک کر کوئی درخواست کرنا چاہتی ہے۔ کوئی درخواست جس کی قبولیت کی فی الحال اسے کوئی توقع نہیں۔

"نہیں!" براڑنیف نے سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا "پہلے معاملہ کی گفتگو کرلینی چاہیئے!"

رگال تنک خاموشی کے ساتھ باہر نکل گئی اور برآمدہ سے آنے والی آوازوں کی بنا پر براڑنیف اس نتیجہ پر پہنچا کہ قریب ترین ہمسایہ کے کمرہ میں چولھے پر چائے کا پانی گرم ہونے کے لئے رکھ دیا گیا ہے۔ چند لمحوں کے بعد رگال تنک نے واپس آکر اپنے حالات اس طرح بیان کئے:

(۲)

میں لینن گراڈ میں رہا کرتی تھی، جنوری میں میری آنکھوں کے روبرو

میرا شوہر جرمنوں کے ہاتھوں ہلاک ہوگیا اور میں تنہا رہ گئی۔ میرے لئے یہ صدمہ ناقابل برداشت تھا اور اس وقت مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اب میں بھی زندہ نہ رہ سکوں گی۔ مجھے ایک ساتھی کی ضرورت تھی، ایک زندہ ساتھی کی۔ ایک ایسے رفیق کی جس کی زندگی، مسرت اور عافیت میری ذات کے ساتھ وابستہ ہو۔ لیکن ایسا ساتھی کون ہو سکتا تھا؟ صرف بچہ اور میرے کوئی بچہ نہیں تھا۔ اس حال میں میں نے کسی یتیم بچہ کو گود لے لینے کا فیصلہ کیا یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا، جنگ نے بے شمار بچوں کو یتیم اور لاوارث بنا دیا ہے۔ میں بچہ میں اپنے مرحوم شوہر کی شباہت کی بھی متلاشی تھی اور یہ بھی چاہتی تھی کہ ان دونوں کا نام بھی ایک ہی ہو اس لئے کم و بیش ایک ماہ تک میں اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی۔ لیکن ایک ماہ کی تلاش و تجسس کے بعد جب پہلی مرتبہ میں نے کولیا کو دیکھا تو میں نے ایسا محسوس کیا کہ مجھے اسی کی تلاش تھی یہ میرا ہی بچہ ہے اور ہمیشہ میرا ہی رہے گا!"

"لیکن . . . . . !" میجر نے کہا "یہ تو یتیم نہیں ہے اور اسے یتیم سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے!"

"لیکن ابا!" کولیا نے گفتگو میں دخل دیتے ہوئے معصومانہ انداز میں کہا "میں یتیم ہی تو ہوں جرمنوں نے خالہ لیپا کو مار دیا ہے!"

وہ وہیں بیٹھا تھا۔ چینی کی ایک بڑی سی گڑیا کی طرح لیکن زرد، اس کی پیشانی کی نرم کھال کے اندر نیلی نیلی رگیں ابھری ہوئی معلوم ہوتی تھیں اور وہ غور سے ساتھ خود اپنی زندگی کے حالات سن رہا تھا۔ گالی تسک نے پھر کہنا شروع کیا "یتیم خانہ میں مجھے تبلایا گیا تھا کہ اس کی ماں جرمنوں کے ہاتھوں ہلاک ہو چکی ہے، اس کا باپ محاذ جنگ پہ کام آ چکا ہے اور اس کے قریبی رشتہ داروں کا

مارے گئے ہیں یا زخمی ہو جانے کے باعث شفا خانہ میں پڑے ہیں غرضیکہ اب اس بچہ کا کوئی رشتہ دار موجود نہیں ہے ضروری دفتری کارروائی کے بعد ہی فوراً اسے لے آئی"

"ہاں!" میجر نے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا" اس زمانہ میں محاذ پر میرا ایک ہم نام ہلاک ہوا تھا لیکن بعض لوگوں نے غلطی سے مجھے ہلاک شدہ سمجھ لیا"

لگال تنک نے کمرہ پر اس طرح نظر ڈالی گویا کہ وہ کسی چیز کو ڈھونڈ رہی ہے۔

"اماں!" بچہ نے دریافت کیا" تمہیں کس چیز کی تلاش ہے؟"

"میرا ہینڈ بیگ کہاں ہے؟" لگال تنک نے بچہ کی طرف محبت بھری نظر سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا

"یہ کرسی پہ کیا رکھا ہے؟" بچے نے پاس رکھی ہوئی کرسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا" تمہیں اس وقت پاس ہی رکھی ہوئی چیز کیوں نظر نہیں آتی؟

میجر نے جو اس وقت اپنی انگلیوں سے میز پر تال لگا رہا تھا دزدیدہ نظر سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا۔ اسے یہ بات تکلیف دہ محسوس ہو رہی تھی کہ اس کا بچہ اس خاتون کو ان کے لفظ سے موسوم کر رہا ہے۔ لیکن وہ اسے منع بھی نہیں کر سکتا تھا

لگال تنک نے ہینڈ بیگ سے اپنا شناخت نامہ نکالا اور اسے میجر کے سامنے رکھ کر کہا۔

"یہ بات طے شدہ ہے کہ میں سرخ فوج کے کسی ایسے کمانڈر کے بچہ کو جو لڑائی میں کام آچکا ہو گود لینے کی حق دار ہوں۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میری تعلیم، تربیت اور آمدنی کے ذرائع بچہ کی پرورش کے لئے کافی ہیں ...... اور ...... میں خود بھی سرخ فوج کے ایک کمانڈر کی بیوہ ہوں"

وہ دھیمی مگر خوشگوار آواز میں گفتگو کر رہی تھی جسے سن کر میجر کو ایک اور خاتون

یاد آ گئی ایک دوسری خاتون کی جو اسی کی طرح دلکش خدوخال اور چھریرے بدن کی مالک لیکن اس سے زیادہ تندرست اور توانا تھی۔ وہ خاتون جو اس کی زندگی کی شریک تھی اور جس کے ساتھ کبھی اس کی تمام امیدیں، تمام مسرتیں اور زندگی کی تمام خواہشیں وابستہ تھیں۔ لیکن اب وہ اس سے جدا ہو چکی تھی اور اب ان دونوں کی ملاقات ناممکن تھی۔

اس وقت براٹزنیف کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ موت نے اس کی رفیقۂ حیات کو نہیں بلکہ اس کے کسی عضو کو اس سے جدا کر دیا ہے اور اب اس کا وجود ایک بے روح جسم سے زیادہ نہیں وہ خود کو ایک ایسا شخص محسوس کر رہا تھا جس کے روبرو نہ کوئی منزل اور مقصد ہو اور نہ دل میں کوئی تمنا اور آرزو

دروازہ کھلا اور ایک ہمسایہ چائے کی دو پیالیوں اور شربت سے لبریز ایک طشتری پر مشتمل کشتی لیے ہوئے داخل ہوا۔ براٹزنیف نے ایک پیالی اٹھالی اور اسی خود فراموشی کی حالت میں شربت کے دو چمچے پیالی میں ڈال دیے لیکن فوراً ہی ـــــ اس بات کا احساس ہوا کہ اس نے غلطی کی ہے کمرہ میں خاموشی چھائی ہوئی تھی اور وہ گال شک بظاہر وہ تمام باتیں بیان کر چکی تھی جنکا اظہار ضروری تھا۔

"آبا! آبا! ... شربت کے دو چمچہ پیالی میں ڈالتے ہوئے دیکھ کر کہا "یہ کیا بات ہے ... تو بہت بڑے ہیں!" وہ طفلانہ مسرت سے مغلوب ہو کر تالیاں بجانے لگا کیونکہ اس نے اپنے باپ کو کوئی ایسا کام کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا جو اسے نہیں کرنا چاہیئے تھا اس نے پھر کہا آپ کو معلوم نہیں کہ شربت ہمیشہ روٹی کے ساتھ کھایا جاتا ہے۔ کیا اماں نے آپ کو یہ بات نہیں بتائی "بیٹا!" براٹزنیف نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "میں نے اس میں پانی

تو نہیں رکھا؟ ہاں! میں معاشرت کے بہت سے قاعدے بھول سا گیا ہوں ...... مجھے افسوس ہے۔ اب ایسی حرکت نہ ہوگی ...... مگر گولیا! تم تو اپنی چائے میں شربت ڈال لو!"

"یہ تو درست نہیں!" بچہ نے بزرگانہ متانت کے ساتھ جواب دیا "میں پہلے دلیا کھاؤں گا اور اس کے بعد چائے پیوں گا"

"میرا خیال ہے کہ آپ نے میری گفتگو توجہ کے ساتھ نہیں سنا" زگال تنک نے میجر کو مخاطب کرتے ہوئے دفور جذبات سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا "سنئے! گولیا پر میرا بھی اسی قدر حق ہے جس قدر آپ کا۔ قانوناً یہ میرا بچہ ہے۔ میں نے اسے گود لیا ہے"

"گود لے لینے سے کیا ہوتا ہے؟" میجر نے جواب دیا "میں کہتا ہوں ....!"

"بلاشبہ اس کا نام نکولائی براشر ہینف ہے" زگال تنک نے میجر کی بات کاٹ کر کہا "لیکن اس نام کا اندراج میرے شناخت نامہ میں ہے"

میجر کرسی سے اٹھ کر کمرہ میں ٹہلنے لگا۔

"عجیب کشمکش سے سابقہ پڑا ہے" میجر کچھ دیر تک ٹہلتے رہنے کے بعد کہا "ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ لیکن جو کچھ بھی ہو ہمیں اس معاملہ کو طے ابھی کرنا ہے۔ اچھا! سب سے پہلے تو میں اس بات کے لئے تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ تم نے میرے بچہ کی پرورش و پرداخت کی اور اسے اپنی مادرانہ محبت و شفقت کا مرکز بنایا۔ تم اندازہ نہیں کرسکتیں کہ اس جد وجہد کے لئے جو تم بچہ کو اپنے ہی پاس رکھنے کے لئے کر رہی ہو میں تمہارا کس قدر ممنون ہوں۔ خدانخواستہ اگر میں اسے ایک لاوارث اور بے خانماں بچہ کی حیثیت میں دیکھتا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ میں کیا کرتا۔

میرے لئے وہ ایک حادثہ ہوتا ایک ہمت شکن اور جگر خراش حادثہ! لیکن جنگ ختم ہوجانے کے بعد جب میں واپس آؤں گا تو اس وقت ہم کیا کرینگے؟"
"اس وقت اس بات پر غور کرنا ضروری نہیں!" نگال تسک نے استقلال کے ساتھ جواب دیا " میرا خیال ہے کہ جب وہ وقت آئے گا تو ہم کوئی ایسی صورت اختیار کریں گے جس سے بچہ کو نقصان نہیں بلکہ فائدہ پہنچے گا"
میجر براز نیف کو اس وقت اپنا بچہ جس قدر پیارا نظر آ رہا تھا اب سے پہلے کبھی نظر نہ آیا تھا۔ وہ اپنی پیوندلگی ہوئی قمیص پہنے اس کے قریب ہی بیٹھا ہوا سراسیمگی کے عالم میں ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ گفتگو اس کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے کی جارہی ہے اور شاید اسے یہ اندیشہ تھا کہ یہ لوگ مناسب فیصلہ نہ کرسکیں گے۔
" تمہاری آمدنی کا کیا حال ہے۔ کیا وہ دو آدمیوں کے لئے کافی ہے؟" میجر نے اطمینان کا سانس لے کر دریافت کیا
"اس معاملہ میں مجھے کوئی شکایت نہیں!" نگال تسک نے جواب دیا اب اس کی پریشانی کم ہوتی جارہی تھی اور اس کے رخساروں پر سرخی جھلکنے لگی تھی۔
" اور کپڑوں کی کیا صورت ہے؟ آج کل تو لباس کا مسئلہ بہت پیچیدہ ہوگیا ہے!" میجر نے پھر کہا
"بچہ کے پاس وہ تمام چیزیں موجود ہیں جنھیں ضروری کہا جا سکتا ہے!" نگال تسک نے کہا " اس وقت آسائش اور آرائش کا زمانہ نہیں پھر یہ بچہ بھی حریص اور ضدی نہیں بلکہ غیر معمولی طور پر متین اور سنجیدہ مزاج واقع ہوا ہے"

"خوب!" میجر نے مسکراتے ہوئے کہا "بہر حال میں اپنی تنخواہ میں سے تمہارے لئے کچھ رقم مستقل طور پر بھجوا دیا کروں گا۔ اس کے علاوہ فوجیوں کو ضروری سامان بہم پہنچانے والی مقامی دوکان سے بھی تمہاری واقفیت اور وابستگی ضروری ہے ...... میں یہ انتظام کر دوں گا ——— کیا تمہارے پاس پنسل ہے؟ تم میرے جنگی ڈاک خانہ کا نمبر لکھ لو۔"

رگال فنک نے میجر کا پتہ لکھ لینے کے بعد کہا "غالباً اب آپ کو غسل کرنے اور اپنے گرد آلود کپڑوں کو صاف کر لینے میں کوئی تامل اور اعتراض نہ ہوگا؟"

"شکریہ!" میجر نے جواب دیا "مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن کیا میں تمہارا وقت ضائع نہیں کر رہا ہوں؟"

"نہیں!" رگال فنک نے کہا "آج میری تعطیل ہے۔"

"اماں نے آج مجھے سینما دکھانے کا وعدہ کیا ہے" بچہ نے میجر سے کہا "ابا آپ بھی ضرور چلیں"

"نہیں کولیا!" میجر نے جواب دیا "میں سینما تک تمہارے ساتھ چلوں گا لیکن فی الحال میرے پاس وقت نہیں مجھے یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیئے"

رگال فنک میجر کو تنہا چھوڑ کر کمرہ سے باہر چلی گئی تاکہ وہ اطمینان کے ساتھ اپنے تمام کام انجام دے سکے۔ غسل کرنے اور کپڑوں پہ جمی ہوئی گرد کو صاف کر لینے کے بعد میجر نے رگال فنک کا شناخت نامہ جو میز پہ رکھا ہوا تھا اٹھایا اور ابھی اس نے اس کے اندراجات کو اچھی طرح پڑھا بھی نہ تھا کہ رگال فنک کمرہ میں واپس آ گئی۔

"اچھا! تو تمہارا پہلا نام زنائیڈا انٹونا ہے" میجر نے کسی قدر پریشانی کے ساتھ کہا "اللہ میرا ونزلی وزلیمچ! میری عمر چھتیس سال ہے۔ میری رائے ہے کہ

ہم لوگوں کے درمیان کامل واقفیت پیدا ہو جائے۔ تمہاری کیا رائے ہے؟
"مجھے کوئی اعتراض نہیں!" خاتون نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
میجر اپنے رومال سے ان تمغوں کو صاف کرنے میں مصروف تھا جو اس کے سینہ پر آویزاں تھے۔
"اب مجھے چلے جانا چاہیئے!" اس نے کہا ـــــ اور وہ دونوں کولیا کی انگلیاں پکڑ کر اسے درمیان میں لئے ہوئے کمرہ سے باہر نکل گئے۔

۳

دراز قد میجر جس کو زمانۂ جنگ کی جفاکشی نے کسی قدر گندمی رنگ بنا دیا تھا، رگال تنک کے ہمسایہ بچوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ وہ سرخ فضائی فوج کی وردی میں ملبوس اطمینان کے ساتھ قدم اٹھاتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ اس کے سینہ پر دو تمغے آویزاں تھے اور کولیا اس کی انگلی پکڑ کر چلتے ہوئے فخر اور مسرت محسوس کر رہا تھا۔

ٹرام کار کے اسٹیشن کے پاس پہنچ کر میجر نے کولیا کو اپنی گود میں لے لیا اور اس کی پیشانی، رخسار، دل اور ہاتھوں کو بوسہ دیا۔
"کولیا!" اس نے بچہ سے کہا "تمہیں زنائدا انتونا سے محبت کرنی چاہیئے اور اس کے ہر حکم کی تعمیل تمہارا پہلا فرض ہونا چاہیئے"
"آپ کس کا ذکر کر رہے ہیں؟" بچہ نے دریافت کیا
"تمہاری اماں کا!" میجر نے جواب دیا
"میں تو ان سے محبت کرتا ہوں" بچہ نے کہا "کیا آپ ان سے محبت نہیں کرتے ہیں؟"

رگال تنک کا چہرہ زرد ہو گیا اور اس نے محسوس کیا کہ وہ پسینہ میں شرابور ہوتی جا رہی ہے میجر خاموش تھا
"کولیا!" رگال تنک نے کہا "تم اپنے ابا کو کہو کہ وہ تمہیں خط ضرور لکھا کریں"
"ابا!" بچے نے میجر سے کہا "آپ ہمیں خط ضرور لکھیے"
"کیوں نہیں!" میجر نے جواب دیا "میں تمہیں خط لکھا کروں گا لیکن تمہیں ایک فرمانبردار بچہ ہونا چاہیے"
"اماں آپ کو میرے متعلق اطلاع دیتی رہا کریں گی"۔ بچے نے کہا "اور اگر آپ کو مجھ سے کوئی شکایت پیدا نہ ہوئی تو میں انعام پانے کا مستحق ہونگا!"
"ضرور!" اس نے کولیا کو جواب دیا اور رگال تنک کی طرف پہلی بار نہایت بے تکلفی سے دیکھ کر کہا "اچھا! بس ایک بار پھر تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ فی الحال ہم اس معاملہ کو اسی طرح چھوڑ رہے ہیں۔ خدا حافظ!"
"لیکن آپ اماں کو بوسہ کیوں نہیں دیتے؟" بچے نے معصومانہ سادگی کے ساتھ دریافت کیا "آپ نے مجھے بوسہ دیا ہے لیکن اماں کو نہیں!"
بارتزنیف نے اپنے بازو رگال تنک کی گردن میں ڈال دیئے اور آہستگی سے اپنے لبوں کو اس کی پیشانی کے ساتھ مس کیا۔
"شکریہ! میں کولیا کی بدولت زندگی میں واپس آ رہا ہوں"۔ میجر نے آہستہ سے کہا —— اور اسی وقت ٹرام کار آ کر رکی۔ میجر اچھل کر اس میں سوار ہو گیا اور اگرچہ گاڑی میں بہت سی نشستیں خالی پڑی تھیں لیکن وہ دروازہ پر کھڑا ہوا اس وقت تک اس دبلی پتلی خاتون اور اس کے قریب کھڑے ہوئے چھوٹے سے بچہ کو دیکھتا رہا جب تک وہ دونوں اس کی نظر سے اوجھل نہ ہو گئے۔
چند روز کے بعد جب میجر کا خط آیا تو اس میں لکھا تھا "زنا ئیڈا! جب

تک ہمارے ملک میں ایسی خواتین موجود ہیں جو ملک کے لئے مرجانے والے سپاہیوں کے بچوں کو اپنے بچے سمجھ کر ان سے محبت کرتی ہیں اور انھیں یہ محسوس نہیں ہونے دیتیں کہ وہ لاوارث اور خانماں برباد رہ گئے اس وقت تک ہمیں فاسشٹ جرمنوں کے مقابلہ میں شکست کا کوئی اندیشہ نہیں اور اس جنگ میں ہماری فتح یقینی ہے ۔

ضعیفہ

نو دوستوں کا یہ گروہ جو بحری گارد کے پیغام رساں سپاہیوں پر مشتمل تھا جب اس مقام پر پہنچا جہاں تسارو نونسکی کے نام سے موسوم بستی آباد تھی تو وہاں اس کا نشان تک بھی موجود نہیں تھا۔ البتہ فوجی نقشہ کو دیکھنے سے یہ ضرور معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کوئی آبادی واقع تھی ورنہ اس وقت تو اکھڑے، ٹوٹے اور جلے ہوئے درختوں، قیامت خیز گولوں کی بدولت نمودار ہو جانے والے کیچڑ اور پانی سے لبریز غاروں، ٹوٹے ہوئے مکانات کی اینٹوں اور کوئلہ کے ڈھیروں کے علاوہ اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ ہوا کے معمولی معمولی جھونکے بھی گرد باد یا آندھی کے جھکڑ بنے ہوئے تھے اور فضا میں اڑنے والے غبار کے ذرات آنکھوں کو زخمی کر رہے تھے۔

اول تو بموں اور گولوں نے اس آبادی کو بالکل ہی تباہ کر دیا تھا لیکن اگر کوئی چیز ان کی زد سے بچ بھی گئی تھی تو وہ بھاگتے ہوئے جرمنوں کے آگ لگا دینے والے بموں کی نذر ہو گئی تھی لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ اس تباہ شدہ بستی کے عین وسط میں ملبہ کے ڈھیروں کے درمیان صنوبر کے تختوں سے بنا ہوا ایک مکان موجود تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جنگ کی تباہ کاریوں اور زمانہ کے امتداد کا ہاتھ اس تک نہیں پہنچ سکا۔

اکھڑے اور ٹوٹے ہوئے درختوں کے تنوں اور ٹہنیوں پر سے گذر کر صاف میدان میں پہنچنے کے بعد جب ان لوگوں نے تعجب اور غور کے

ساتھ اس مکان کو دیکھنا شروع کیا جو ان کھنڈروں کے درمیان کھڑا ہوا کسی پرانی یادگار کی طرح نظر آتا تھا تو انھیں یہ دیکھ کر اور بھی تعجب ہوا کہ مکان کے قریب ہی ایک عورت بھی موجود ہے وہ مکان کے اردگرد گھوم گھوم کر راکھ اور مٹی کے انبار میں پڑے ہوئے شیشے کے ٹکڑوں کو جمع کرنے اور انھیں پرانے اخباروں کے کاغذ سے جوڑنے کے بعد کھڑکیوں کی مرمت کرنے میں مصروف تھی۔ اس برباد شدہ بستی میں ایک غیر شکستہ مکان اور زندہ انسان کی موجودگی ان لوگوں کے لئے ایک معمہ تھی اور وہ ان دونوں کو حیرت کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔

نو دوستوں کا یہ گروہ جب مکان کے قریب پہنچا تو ان کے روبرو ایک کمزور، دبلی اور قابل رحم ضعیفہ کھڑی تھی سر پہ بندھے ہوئے خانہ ساز رومال نے اگرچہ اس کے مرجھائے ہوئے رخساروں پہ نمودار جھریوں کو ایک حد تک چھپا رکھا تھا لیکن اس کے گندے ہوئے بالوں کی لٹیں برآمد ہو کر اس کی ضعیفی کا راز فاش کر رہی تھیں۔ اس کی بے رونق آنکھیں کو اندر کو دھس گئی تھیں اور انھیں دیکھنے سے خوف محسوس ہوتا تھا۔ اس کا لباس بھی عجیب تھا مختلف قسم کے میلے اور گندے چیتھڑوں کا ایک مجموعہ جنھیں نہ معلوم اس ضعیفہ نے کس طرح اپنے جسم کے ساتھ وابستہ کر رکھا تھا لیکن اس لباس میں سے اس کے سوکھے ہوئے زرد رنگ جسم کے بعض حصے نظر آرہے تھے۔ نو دوستوں کے اس گروہ کے اچانک نمودار ہو جانے کے باوجود اس نے کسی قسم کے تعجب کا اظہار نہیں کیا اس نے ان پر ایک نظر ڈالی اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

اس گروہ کا کمانڈر سرجنٹ ویو گراددف ایک خوش مزاج اور شگفتہ

طبیعت نوجوان واقع ہوا تھا اور ہنسنے کے کسی موقعہ کو بھی ہاتھ نہیں جانے دیتا تھا۔ ضعیفہ کے قریب پہنچکر وہ ہنستے ہوئے نہایت ادب سے ساتھ جھکا اور یونس چہاردہم کے زمانہ کے شائستہ نوجوانوں کی طرح اپنی بحری ٹوپی کو دائیں ہاتھ سے جنبش دے کر کہا

" دادی اماں! سرخ بحریہ کی جانب سے ہم آپ کی خدمت میں بہت بہت سلام عرض کرتے ہیں۔ ہمیں اس آباد مقام پر لنگر انداز ہونے کا حکم ملا ہے۔ لیکن۔..... اس نواح میں ہمیں آپ کا ہی دولت کدہ ایسا نظر آتا ہے جہاں ہم قیام کر سکتے ہیں اور آبادی کے اعتبار سے بھی ہمیں یہاں آپ کے علاوہ کوئی زندہ انسان نظر نہیں آتا۔ ہم لوگ جہازراں ہیں مقامی جنگ کے حالات نے ان کے جنگی جہاز ارت سے عارضی طور پر علیحدہ کر کے اس جگہ پہنچا دیا ہے۔ کیا آپ ہمیں اپنے محل میں قیام کی اجازت دے سکینگی؟"

ضعیفہ کے لب اس طرح جنبش کرنے لگے گویا کہ وہ کوئی شئے چبانے کی کوشش کر رہی ہے اور ان لوگوں نے محسوس کیا کہ اس کے منھ میں ایک دانت بھی موجود نہیں' اس نے بوڑھوں کی طرح شکستہ الفاظ میں جواب دیا۔

" تمہارے یہاں رہنے سے میرا کیا نقصان ہے؟ سارا مکان خالی پڑا ہے اور اس میں گنجائش بھی بہت ہے۔ تم لوگ اپنے کام کے ذمہ دار ہو اور میں اپنی ذات کی!"

وناگرادوف ضعیفہ کی سردمہری دیکھ کر اپنا سر کھجانے لگا لیکن ایک ہی لمحہ کے بعد اس نے کہا۔

" دادی جان! ہم لوگوں کے ساتھ جو لڑنے والے سپاہی ہیں آپ کی

یہ سر دھری ہمارے لئے بہت ہی زیادہ تعجب خیز اور آپ کی ذات کے لئے قطعاً غیر مناسب ہے۔ میں آپ کی اس بات کا مطلب نہیں سمجھ سکا کہ تم لوگ اپنے کام کے ذمہ دار ہو اور میں اپنی ذات کی۔ آپ کے روبرو نو ایسے نوجوان کھڑے ہوئے ہیں جنھیں لڑائی کی تباہ کاریوں نے ان کے والدین کے سایہ سے محروم کر دیا ہے اور ان میں سے شادی شدہ نوجوانوں کی زندگیوں کی شریک خواتین ان سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئی ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ کو ان پر ترس نہ آئے اور ان بے یار و مددگار یتیموں کو دیکھ کر آپ کا دل مادرانہ شفقت و محبت سے لبریز نہ ہو جائے؟"

سب دوست ایک دائرہ کی شکل میں کھڑے ہوئے اپنے کمانڈر کی باتوں پر قہقہہ لگا رہے تھے اور ضعیفہ اپنی بے رونق اور محروم زندگی آنکھوں سے سر جنبٹ کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے ایک لمبا سانس لیا اور اپنی بے کیف آواز میں جواب دیا۔

"اوہ! تمہارے یہاں رہنے سے میرا کیا نقصان ہے؟ اگر تمہیں مجھ سے کوئی کام ہو تو مجھے بتا دینا میں اسے کر دوں گی!"

وہ لڑکھڑاتی ہوئی آہستہ آہستہ برساتی کی سیڑھیوں پر چڑھی اور مکان میں داخل ہو گئی۔

"عجیب عورت ہے!" ونوگرادوف نے کسی قدر افسوس کے ساتھ کہا معلوم ہوتا ہے کسی انسانی ڈھانچہ پر چمڑہ لپیٹ دیا گیا لیکن دوستو! میرا خیال ہے کہ ہمارا وقت اچھی طرح گذر جائے گا۔ ہم کچھ کر بھی تو نہیں سکتے اب ہمیں اپنے کام کی طرف توجہ کرنی چاہیئے!"

(۲)

پیغام رساں سپاہیوں کا یہ چھوٹا سا دستہ تمام رات ریڈیو نصب کرنے اور انھیں آزمانے میں مصروف رہا اور تمام رات انھیں ضعیفہ کے کھانسنے کراہنے اور آہیں بھرنے کی آوازیں بھی آتی رہیں۔
"معلوم ہوتا ہے کہ بڑی بی کو بڑی بڑی مصیبتوں سے گذرنا پڑا ہے" سائبیریا کے..... باشندے پیری گوڈوف سنجان آوازوں کو زیادہ توجہ کے ساتھ سن رہا تھا اپنے دوستوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا" جرمن یہاں کتنے دن رہے تھے؟ سات مہینے!! اتنے عرصہ میں تو درخت بھی مرجھا سکتے تھے ایک غریب عورت کی تو حقیقت ہی کیا ہے!"
"ہمارے ہاتھوں وہ اب بھی تندرست ہو جائے گی" کاسنیا ابینن نے یقین اور ناامیدی سے مرکب لہجہ میں کہا" دوستو! اب اس کی خدمت کرنا ہمارا کام ہے۔ ہمیں ہی اس کے کھانے کا انتظام بھی کرنا چاہیے۔ غور تو کرو! وہ بھی تو کسی کی ماں ہی ہے اور کیا یہ ممکن نہیں کہ محاذ کے کسی دوسرے حصہ میں اس کا بیٹا ہمارے والدین کی خدمت کر رہا ہو؟"
"اوہ اوہ!" دلوگرادوف نے ایک ٹھنڈا سانس بھر کر کہا" تم ٹھیک کہتے ہو ہمیں دادی جان کو تندرست بنانے کے لئے معقول غذا کا انتظام کرنا پڑیگا۔ یاد رکھو! آج سے ہم سب بڑی بی کے گود دئے ہوئے بیٹے بن گئے ہیں۔ اور ہم میں سے ہر شخص کو اپنے طرز عمل سے یہی ثابت کرنا ہوگا"
دوسری صبح کو یہ نوکے نو ملاح جن میں سے ہر ایک کی ماں موجود تھی — اسی ضعیفہ کی طرح ضعیف العمر ماں — اس آتش فشاں محاذ جنگ کے

عقب میں کسی نہ کسی جگہ —— اس بوڑھی خاتون کی ضروریات مہیا اور پوری کرنے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرنے لگے انھوں نے مکان کی مرمت کی جنگل سے بہت بڑی مقدار میں خشک لکڑیاں کاٹ کر لائے۔ مکان کے چاروں طرف لگے ہوئے جنگلے کو درست کیا باورچی خانہ میں جا کر ٹوٹے ہوئے آتشدان کی مرمت کی کنوئیں کو صاف کیا اور آگ جلانے کے بعد کھانا پکانے میں مصروف ہو گئے۔

مٹر اور گوشت ابالنے کے بعد جب یہ لوگ کھانے کے لئے بیٹھے تو انھوں نے اس ضعیفہ کو بھی شمولیت کی دعوت دی ضعیفہ پہلے تو سختی کے ساتھ انکار کرتی رہی ....

لیکن انجام کار اسے ان زندہ دل اور مخلص ملاحوں کی مشترکہ اور مسلسل درخواستوں کے روبرو سر خم کرنا پڑا اور وہ کھانے میں ان کے ساتھ شریک ہو گئی۔ نوجوان اس کی رکابی اور پیالے کو بار بار شوربے سے بھر کر دیتے تھے اور اس کے مسلسل انکار کے باوجود اسے مکھن سے چپڑی ہوئی روٹیاں کھانے پر مجبور کر رہے تھے حتیٰ کہ وہ شکم سیر ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی اور سینہ پر ہاتھ باندھ کر کہا۔

"عزیزو! میں شکر گذار ہوں!" —— اور ان دوستوں نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک ٹپک کر اس کے مرجھائے ہوئے رخساروں پر بہہ رہے ہیں۔ ضعیفہ کو اشکبار دیکھ کر انھیں سخت رنج ہوا اور سرجنٹ ونو گرادوف نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"دادی جان! اس میں شکر گذار ہونے کی کیا بات ہے کہ ہمیں رنجیدہ بنانے کی کوئی بات نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم ایک خاص مقصد سے یہاں مقیم ہیں۔ ہم سب

فوجی سپاہی ہیں اور بہت سے ایسے کاموں میں جو خواتین سے متعلق ہیں مہارت حاصل نہیں مثلاً کپڑے دھونا اور سینا وغیرہ۔ اس لئے ہماری تجویز ہے کہ اس چھوٹی سی برادری کو اس طرح منظم رکھا جائے کہ ہر شخص اپنی اہلیت اور قابلیت کے مطابق دوسروں کے لئے مفید ثابت ہو سکے۔"

اس وقت پہلی بار ضعیفہ کی آنکھوں میں تبسم کی روشنی نظر آئی۔ وہ خاموشی کے ساتھ سرجنٹ کی گفتگو سنتی رہی اور اس کے خاموش ہو جانے کے بعد کہا۔

"کامریڈ! تم بہت ہی زندہ دل انسان واقع ہوئے ہو!"

"درست ہے دادی جان!" دنوگرادوف نے جواب دیا "اگر ہم اس طرح وقت نہ گزاریں تو زندگی بسر کرنی دشوار ہو جائے"

چند ہی روز کے عرصہ میں یہ لوگ ضعیفہ کے ساتھ اس درجہ مانوس ہو گئے کہ ان کے ما بین غیریت کا احساس تک باقی نہ رہا اور انھیں ایسا محسوس ہونے لگا کہ انھوں نے بچپن ہی سے اسی مکان میں، اسی ضعیفہ کی مادرانہ شفقتوں کے آغوش میں پرورش پائی ہے۔ ضعیفہ میں بھی زندگی اور زندہ دلی بیدار ہوتی ہوئی نظر آنے لگی تھی اور وہ ہر وقت ان نوجوانوں کے ساتھ بات چیت کرتی رہتی تھی لیکن جب کبھی اس سے یہ سوال کیا جاتا تھا کہ جرمنوں کے قبضہ کے دوران میں اس پر کیا گذری تو وہ کسی نہ کسی طرح اسے ٹال دیتی اس معاملہ میں اس نے کبھی کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا تھا اور ایسے ہر موقعہ پر اس کے چہرہ پر پیدا شدہ سرخی کافور ہو جاتی تھی جسم کانپتا ہوا معلوم ہوتا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ ایک ایسے ہی موقعہ پر ونوگرادوف نے اپنے دوستوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میں دیکھتا ہوں کہ ہم میں سے بعض لوگ دادی جان کے جذبات

اور احساسات سے بے نیاز ہو کر ہمیشہ ان سے یہ سوال کرتے رہتے ہیں کہ اس جگہ جرمنوں کے قبضہ کے دوران میں ان پہ کیا گذری؟ میرا خیال ہے کہ یہ سوال کرکے ہم انھیں صدمہ پہنچانے کا باعث بنتے ہیں۔ حالانکہ ناخوشگوار ماضی کو فراموش ہی کر دینا مناسب ہے۔ میں اس معاملہ پہ سب دوستوں کی رائے لینا چاہتا ہوں۔ تم میں سے کون میری تائید کرتا ہے ——— لیکن اس معاملہ میں اختلاف کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں ہے"

اس واقعہ کے بعد ان دوستوں میں سے کسی نے بھی ضعیفہ سے یہ سوال نہیں کیا کہ جرمن قبضہ کے دوران میں اسے کن کن مشکلوں اور مصیبتوں سے گذرنا پڑا تھا۔ اب یہ ضعیفہ ان نوجوانوں سے اپنے بچوں ہی کی طرح محبت کرنے لگی تھی۔ وہ ان کے کپڑے دھوتی، اُن کی مرمت کرتی کھانا پکاتی اور وہ تمام کام انجام دیتی تھی جو گھر کی ایک نیک دل اور ہمدرد منتظمہ کو انجام دینے چاہئیں اور یہ نوجوان بھی ایسے ہی آرام اور بے فکری کے ساتھ وقت گذار رہے تھے گویا کہ وہ اپنے ہی گھر پہ مقیم ہیں۔ وہ سب اس سے محبت کرتے تھے اور ہر شخص اسے زیادہ سے زیادہ آرام پہنچانے کا خواہش مند تھا۔

(۳)

ایک روز کھانے سے فراغت پاکر برتن صاف کرنے کے بعد جب ضعیفہ آلو کے کھیت کی دیکھ بھال کرنے کے لئے باہر چلی گئی تو پیری گوڈرف نے جو ضعیفہ کو کسی قدر تشویش کی نظر سے دیکھتا رہا تھا اپنے دوستوں سے کہا۔ "ساتھیو! میں سمجھتا ہوں کہ اب ہمیں دادی جان کے معاملہ پہ متانت سے

ساتھ غور کرنا چاہیئے۔ تم ان کے لباس کا حال دیکھ رہے ہو۔ کپڑے پہنے رہنے کے باوجود وہ ننگی رہتی ہیں۔ ہم ہمیشہ یہاں نہیں رہیں گے اور مجھے اندیشہ ہے کہ پہلی برف باری ہی دادی کے لئے موت کا پیغام ثابت ہوگی اور اگر وہ مر گئیں تو اس کے ذمہ دار ہم لوگ ہوں گے ہمیں ان کے لئے لبادہ کی قسم کا کوئی لباس تیار کرنا چاہیئے۔ ہم میں سے ہر ایک کے پاس کوئی نہ کوئی ایسا کپڑا ضرور نکل آئے گا جس کی ہمیں ضرورت نہ ہو اور ہم اس طرح ان کے لئے ایک لباس تیار کر سکیں گے۔"

"تو تم دادی کے لئے لہنگا تیار کرنا چاہتے ہو؟" مالی نن نے ہنستے ہوئے کہا "احمق نہ بنو!" پیری گوڈوف نے برہم ہو کر جواب دیا "لہنگے کا کیا سوال ہے، ہم ان کے لئے کوئی موزوں لباس تیار کریں گے۔ لزگن جنگ سے پہلے خواتین کے لئے کپڑے سینے کی ایک دوکان میں کام کیا کرتا تھا وہ یہ کام نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے سکے گا۔"

جنگ کے ایک ساتھی کی کسی معقول تجویز سے بھلا کیسے اختلاف ہو سکتا تھا۔ سب لوگوں نے اسے منظور کر لیا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد ملاحوں کے دو پاجامے ایک چھوٹا بحری کوٹ اور تین اونی بنیانیں اس مقصد کے لئے جمع کر لے گئے۔ وولوگرادوف نے ان چیزوں میں ایک ایسی ہی بحری ٹوپی کا اضافہ کیا جو دو چار مرتبہ استعمال ہونے کے باوجود بالکل نئی معلوم ہوتی تھی اور سب چیزیں لزگن کے حوالہ کر دی گئیں اس بنت سے کہ ضعیفہ کو یہ تحفہ غیر متوقع اور اچانک طور پر پیش کیا جا سکے لزگن نے لباس کی تیاری کے لئے بالائی منزل کو منتخب کیا اور ضعیفہ سے اس راز کو پوشیدہ رکھنے کی غرض سے دروازہ پر ایک تختی بھی آویزاں کر دی جس پر لکھا ہوا

تھا کہ اندر آنے کی اجازت نہیں ہے۔
لباس کی تیاری کے سلسلہ میں کسی ایسے شخص کی بھی ضرورت تھی۔
جس کی جسامت ضعیفہ کے قد و قامت کی نمائندگی کر سکے اور ان دوستوں
میں وا نیا کلیمنوف ہی ایک ایسا شخص تھا جو اس مشکل کو حل کر سکتا تھا۔
اس لئے لزگن نے اسی کے جسم کی پیمائش کے مطابق لباس تیار کرنا شروع
کیا اور ایک ہفتہ کے بعد جب اسے گہرے نیلے رنگ کا سایہ، دھاریوں
دار اونی بنیان اور کوٹ پہنا کر دیکھا گیا تو سب لوگ لزگن کے کمال فن
کے اعتراف پر مجبور ہو گئے تھوڑی دیر کے بعد یہ تمام چیزیں ضعیفہ کی
خدمت میں پیش کر دی گئیں۔ اس موقعہ پر سرجنٹ لوگرادوف نے اپنے
مخصوص انداز میں ایک تقریر کرتے ہوئے کہا۔
"ہماری عزیز ترین اور قابل احترام والدہ، جسے قدرت نے ہماری
والدہ بنا دیا ہے! ہماری جانب سے یہ حقیر تحفہ قبول فرمائیے۔ ہم لوگ
سادہ مزاج اور بے تکلف واقع ہوئے ہیں خودستائی ہماری عادت
نہیں لیکن ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہماری سب سے بڑی خواہش یہ
ہے کہ آپ کی ضعیفی کے زمانہ میں آپ کو زیادہ سے زیادہ آرام پہنچائیں۔
خدا کرے آپ عرصہ دراز تک زندہ رہیں۔ جہاں تک آپ کے پرانے
کپڑوں کا تعلق ہے آپ انھیں یا تو کوڑی پر پھینک دیں یا اس وقت کے
لئے احتیاط اور حفاظت کے ساتھ رکھ لیں جب ہم انھیں ہٹلر کو پہنا کر
اور اس کی ناک میں نکیل ڈال کر اسے نچائیں گے۔"
ضعیفہ نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کپڑوں کا یہ خوب صورت پلندہ
اٹھایا اور سرجنٹ کی تقریر کے جواب میں کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن دفور جذبات

نے اس کی زبان بند کر دی، اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور وہ اپنی عمر کے برعکس جھپٹ کر کمرہ سے نکل گئی۔

"درست ہے!" ونوگرادوف نے اپنے ساتھیوں سے کہا "مسرت کے چند آنسو اسے بہتر بنا دیں گے!"

تھوڑی سی دیر کے بعد جب ضعیفہ نیا لباس پہن کر اپنے کمرہ سے برآمد ہوئی تو ان دوستوں نے دیکھا کہ وہ بالکل بدل گئی ہے۔ اب اس کی خمیدہ پشت سیدھی نظر آ رہی تھی، بے رونق آنکھوں میں زندگی اور زندگی کی چھاپ موجود تھی اور پوپلے منہ پر جوانوں جیسا تبسم کھیل رہا تھا۔ اب ضعیفہ نے پہلے سے بھی زیادہ توجہ اور محبت کے ساتھ ان لوگوں کی خدمت گذاری شروع کر دی تھی اور ہر شخص ضعیفہ کے نئے اور آرام دہ لباس اور بہتر صحت کو دیکھ کر حقیقی مسرت محسوس کرتا تھا۔

ایک دن کی بات ہے۔ ونوگرادوف مکان کے عقب میں جہاں ان ملاحوں نے ایک چھوٹے سے کمرہ کو غسل خانہ بنا رکھا تھا نہانے کے لئے گیا اور ایک چھوٹے سے ٹب میں بیٹھ کر جسے ملبہ میں سے نکال کر اس جگہ رکھ دیا گیا تھا اپنے جسم پر صابون لگانے کے بعد اسفنج سے رگڑنے لگا لیکن اس کا ہاتھ اس کی پشت تک نہیں پہنچ پاتا تھا اور ایسے موقعوں پر ہمیشہ اس کا کوئی دوست اس کی امداد کے لئے تیار رہتا تھا مگر آج ..... کوئی شخص وہاں موجود نہیں تھا اور وہ اس امید پر کہ شاید کوئی ساتھی واپس آ جائے غسل خانہ کے کھلے ہوئے دروازہ سے باہر کی طرف دیکھ رہا تھا کہ دفعتہً اسے ضعیفہ نظر آ گئی جو غالباً کھیت میں کام کرنے کے بعد مکان کی طرف جا رہی تھی اس نے اسے آواز دے کر کہا۔

"دادی جان! کیا آپ میری کمر نہیں ملیں گی؟ میرا ہاتھ وہاں تک نہیں پہونچتا!"

ضعیفہ دروازہ کے باہر کھڑی ہوگئی لیکن کوئی جواب نہیں دیا

"میرے عزیز!" ضعیفہ نے چند لمحہ خاموش کھڑے رہنے کے بعد کہا... "تمہاری یہ درخواست کچھ عجیب سی ہے۔ بہرحال میں ایک عورت ہی ہوں!"

"نہیں! نہیں!" وانگرا دوف نے اس کی بات کاٹ کر کہا "دادی جان ناراضگی کی کوئی بات نہیں۔ میرا خیال ہے کہ کوئی شخص بھی میری اس درخواست کو نامناسب قرار نہیں دے گا۔ خصوصاً اس حال میں کہ آپ بالکل ہی ضعیف ہیں اور میں آپ کے مقابلہ میں ایک بچہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا!"

"اچھا!" ضعیفہ نے اپنی آستین اوپر چڑھاتے ہوئے کہا "میں تمہاری خدمت کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن تم ہو بہت سادہ لوح......"

اور اس نے اسفنج لے کر نہایت سلیقہ کے ساتھ سرجنٹ کی کمر ملنی شروع کر دی۔ سرجنٹ ٹب میں بیٹھا ہوا کمر کی مالش سے اس بلی کی طرح لطف اندوز ہو رہا تھا جس کے کان سے متصل حصۂ جسم کو سہلایا جا رہا ہو اور اسے ان ضعیف اور کمزور ہاتھوں کی طاقت اور سلیقہ شعاری پر حیرت تھی

وانگرادوف کی کمر کو اچھی طرح ملنے کے بعد ضعیفہ سرجنٹ کو شکریہ ادا کرنے کا موقعہ دئے بغیر ہی بعجلت تمام غسل خانہ سے نکل گئی اور وانگرادوف نے بہت ہی آہستہ سے کہا۔

"بخدا!" یہ ضعیفہ بھی لڑکیوں ہی کی طرح شرمیلی واقع ہوئی ہے لیکن عورت تو

مرتے دم تک عورت ہی رہتی ہے!" اور وہ غسل سے فارغ ہو کر باہر نکل آیا۔

(۴)

دن گزرتے گئے اور یہ تمام دوست گھر کی اس ضعیف منتظمہ کی مادرانہ محبت اور مخلصانہ خدمت کی بدولت اطمینان کے ساتھ اپنا وقت بسر کرتے رہے۔ حتیٰ کہ ایک روز انھیں ایک دوسرے مقام پر پہنچنے کا حکم موصول ہوا اور جب ضعیفہ کو اس بات کا علم ہوا کہ اس کے منہ بولے بیٹے اس سے رخصت ہونے والے ہیں تو اس کی تمام مسرت زندہ دلی اور شگفتہ مزاجی کافور ہو گئی۔

"دادی جان!" ولڈگرادوف نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا "ہماری یہ علیحدگی دائمی نہیں۔ ہم آپ کو زندگی بھر فراموش نہ کر سکیں گے جنگ ختم ہو جانے کے بعد ہم لوگ آپ کو یہاں سے لے جائیں گے اور آپ ہم میں سے جس کے ساتھ رہنا چاہیں گی رہیں گی یا پھر اگر مناسب سمجھیں تو باری باری سے ہم سب کے یہاں رہیں تاکہ کسی کو دوسرے پر رشک کرنے کا موقعہ نہ ملے اور ہم سب آپ کی خدمت کر کے مسرت حاصل کر سکیں!"

لیکن ضعیفہ کو کسی بات سے تسکین نہ ہو سکی۔

ضعیفہ کئی گھنٹے تک برساتی کی سیڑھیوں پر بیٹھی ہوئی دیوانوں کی طرح جنگل کی طرف تکتی رہی اس کا سر اس کے کمزور ہاتھوں پر رکھا ہوا تھا اور چہرہ پر حزن و ملال اور ذہنی کوفت و اذیت کے نشانات نظر آرہے تھے۔ شام کے وقت جب ملاحوں کا یہ چھوٹا سا گروہ اپنا تمام سامان، ایک بیل گاڑی پر بار کرنے کے بعد روانگی کے لئے بالکل تیار ہو گیا تو سب

لوگ اپنی منہ بولی ماں سے رخصت ہونے کے لئے گئے۔ ضعیفہ ابھی تک برساتی کی سیڑھیوں پر بیٹھی ہوئی تھی دلو گرادوف نے آگے بڑھ کر اپنے تمام دوستوں کی طرف سے کہا۔

"پیاری دادی جان! خدا حافظ! ہمارے لئے دعا کیجئے۔ میں اپنے سب دوستوں کی طرف سے آپ کی مادرانہ محبت اور مخلصانہ خدمت گذاری کے لئے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ یقین رکھیے کہ بشرطِ زندگی ہم آپکی خدمت میں ضرور حاضر ہوں گے۔ اس میں شبہ نہیں کہ آپ عمر کی اس حد تک پہنچ گئی ہیں جہاں زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا لیکن ہمیں امید ہے کہ آپ زندہ رہیں گی اور ہم سب ایک مرتبہ پھر آپ سے مل سکیں گے۔ ہم آپکو خط ضرور لکھیں گے اور آپ بھی ہمیں اپنی خیریت سے مطلع فرماتی رہیں....."

دلو گرادوف ضعیفہ کے سینہ سے چمٹ گیا' دفعتاً ضعیفہ نے اپنے بازو اس کی گردن میں حمائل کر دئے اور اپنے پچکے ہوئے گالوں کو سرجنٹ کے رخساروں پر رگڑنے لگی اس وقت اس کا تمام جسم کانپ رہا تھا اور اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ اسی حالت میں ملاحوں نے اسے شکستہ الفاظ میں کہتے ہوئے سنا۔

"میرے عزیزو!........ عزیز ساتھیو!....... تمہارے بغیر میں کیا کروں گی؟ تم نے مجھے نئی زندگی بخشی تھی اور اب تمہارے چلے جانے کے بعد مجھے قبر کے علاوہ کہاں سکوں میسر ہو سکتا ہے؟"

"اس قدر ملال نہ کیجئے دادی جان!" دلو گرادوف نے اس کی کمر تھپکتے ہوئے اپنے مخصوص ظریفانہ انداز میں کہا "ہمت سے کام لیجئے آپ کی زبان سے ایسی بات نہیں نکلنی چاہیئے۔ قبر! آپ قبر کا ذکر کیوں کرتی ہیں؟ ابھی

تو زندگی کے سو سال پورے کرنے کے لئے آپ کو تیس سال اور جینا ہے
"اے خدا" ضعیفہ نے بے اختیارانہ طور پر کہا "بس یہ اذیت کب تک
برداشت کرتی رہوں گی اور کیا یہ کبھی ختم ہی نہ ہوگی؟ تم جانتے ہو کہ میری
عمر کیا ہے؟ ہر شخص مجھے اماں اماں اور دادی دادی کہہ کر پکارتا ہے حالانکہ
میری عمر ابھی اٹھائیس سال کی بھی نہیں ۔۔۔۔۔۔ یہ ہے اس سلوک کا نقش
جو جرمنوں نے میرے ساتھ کیا ہے ۔۔۔۔۔۔"
اس نے اپنے چہرہ کو دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا چند لمحوں کے بعد وہ سرجنٹ
کے سینہ سے جدا ہو گئی اور مکان میں گھس کر دروازہ بند کر لیا۔

(۵)

سرخ بحریہ کے یہ نوسپاہی اپنی جگہ کھڑے تھے، بت کی طرح بے حس و
حرکت اور خاموش گویا کہ انھیں سکتہ ہو گیا ہے۔ ان کے لبوں پہ خاموشی
کی مہر لگی ہوئی معلوم ہوتی تھی اور ان میں ایک دوسرے کو دیکھنے کی ہمت
بھی باقی نہیں رہی تھی۔ غم اور غصہ نے ان کے چہروں کا رنگ بدل دیا
تھا اور ان کی آنکھوں سے شعلے نکلتے ہوئے نظر آتے تھے۔
دونگرادوف نے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ اٹھایا اور اپنی بحری ٹوپی اتاری باقی
دوستوں نے بھی خاموشی کے ساتھ اس کی تقلید کی اور کچھ دیر تک بند دروازہ
کی طرف اس طرح دیکھتے رہے گویا کہ وہ اپنے کسی عزیز ترین رشتہ دار
کو قبر میں دفن کرنے کے بعد اس کے مدفن کو دیکھ رہے ہیں۔ پھر دونگرادوف
نے دبی ہوئی مگر قابل فہم آواز میں اپنے تمام دوستوں کی طرف سے کہا۔
"بہن! ہمیں معاف کر دو!"

اس نے اپنی ٹوپی پہن لی اس وقت اس کے ساتھی اپنے اس خوش مزاج اور زندہ دل ساتھی کو بمشکل ہی پہچان سکتے تھے اس کا چہرہ سیسہ کی طرح سیاہ ہو گیا تھا۔ اس نے زمین کی طرف دیکھتے ہوئے ایسے انداز میں کہا گویا کہ وہ حلف اٹھا رہا ہے

" ساتھیو! ہمارے لئے اس وقت تک میدان جنگ سے واپس جانے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا جب تک ان ذلیل اور مردار خور فاشسٹی درندوں سے ہمارے وطن کی مقدس سرزمین بالکل پاک نہ ہو جائے ہم فاشسٹی درندوں کی ساری جماعت کو فنا نہ کر دیں حتیٰ کہ انکی مٹری ہوئی نعشوں پر کوئی آنسو بہانے والا بھی باقی نہ رہے .... اچھا اب ہمیں چلنا چاہیئے ......!"

نو دستوں کا یہ چھوٹا سا گروہ جو روس کی بحری فوج کے پیغام رساں سپاہیوں پر مشتمل تھا اپنے کمانڈر سرجنٹ دوگرادوف کی قیادت میں اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گیا لیکن اس طرح کہ ہر شخص کا سر جھکا ہوا تھا اور کسی کو بھی پیچھے پھر کر اس مکان کی طرف دیکھنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ جس کے بند دروازہ کے عقب میں وہ ایک ایسی خاتون کو چھوڑ آئے تھے جسے ننگ انسانیت فاشسٹی جرمنوں کی ستم رانیوں اور دست درازیوں نے سات ہی ماہ کے عرصہ میں جوان سے بوڑھا بنا دیا تھا۔

لڑکیاں!

کاتیا نوی کو وا ایک لڑکی ہے۔ پست قامت، گداز بدن، گول چہرے گلابی رخساروں، مردانہ انداز میں کٹے ہوئے خوبصورت بالوں نیز بڑی بڑی سیاہ اور روشن آنکھوں والی لڑکی! میرا خیال ہے کہ جب وہ پہلی مرتبہ ایک سپاہی کی حیثیت سے محاذ جنگ پہ پہنچی ہوگی تو اس کے جسم پہ اس کی وردی کی ناموزونیت نے اسے مضحکہ خیز بنا رکھا ہوگا لیکن اب فوجی جوتے اور گرم خاکی چوغہ پہن کر جسے چمڑے کی ایک چوڑی پیٹی اس کے جسم کے ساتھ چسپاں کر دیتی ہے وہ ایک ہوشیار اور چست سپاہی سے کسی طرح بھی کم نظر نہیں آتی۔ اس کی کمر کے قریب لٹکے ہوئے ایک پرانے پستول دان سے اس ریوالور کا کندہ نظر آتا رہتا ہے جو ہر موقعہ پہ کاتیا کا رفیق اور محافظ ثابت ہوا ہے اور اس کے چوغہ کی آستین کے بالائی حصہ پہ بنے ہوئے چار مثلث نشان ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اسٹار شانا یا غیر روسی افواج کے اعتبار سے سرجنٹ میجر کے عہدہ پہ مامور ہے۔

کاتیا کے ساتھ متعارف ہونے سے پہلے ہی میں ان لوگوں کی زبان سے جنھیں بحیثیت راوی ذمہ دار کہا جا سکتا ہے اس کے کارناموں کی داستان سن چکا تھا لیکن اب کہ وہ میرے سامنے موجود تھی میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ خود اپنے متعلق کس طرح اور کیا کہے گی۔ اس کے کارنامے کے پیش نظر میں اسے حقیقی بہادر لڑکی سمجھنے لگا تھا اور مجھے یہ کہتے

ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ میرا خیال غلط ثابت نہیں ہوا۔ کاتیانوی کو در
دراصل ایک بہادر لڑکی ہے اور ان تمام بہادر مردوں اور عورتوں کی طرح
جن سے اب تک مجھے ملنے کا موقعہ ملا ہے اس میں بھی خودنمائی
کا جذبہ موجود نہیں" بہادر انسانوں کی طرح کاتیا بھی شرمیلی واقع ہوئی
ہے لیکن مصنوعی شرم سے مبرا جسے ریاکاری کی حقیقی بہن تصور کرنا چاہئیے
اپنے کارناموں کے اظہار و بیان سے احتراز دراصل بہادر انسان کی سرشت
میں داخل ہوتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس نے کوئی غیر معمولی کام انجام
نہیں دیا وہ جانتا ہے کہ انسان کام کرنے ہی کے لئے پیدا ہوا ہے اور
اگرچہ بعض کام دشوار بھی ہوتے ہیں لیکن انھیں کرلینا بھی کوئی غیر معمولی اور
اہم بات نہیں ہوتی اور اسی لئے اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کی زندگی
کے واقعات وحالات سے کسی غیر متعلق آدمی کو کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی
دشمن کے کسی طیارہ سے اپنے طیارہ کو ٹکرا دینا۔ اپنے جلتے ہوئے
ہوائی جہاز کو دشمن کے تیل کے ذخیرہ یا تیل بردار موٹروں کی قطار میں
لے کر اتر جانا اور دشمن کے عقب میں پہنچکر کسی پل کو تباہ کر دینا اگرچہ
ایسے واقعات ہیں جنھیں سننے اور بیان کرنے سے دلوں میں قوت،
ارادوں میں استقلال اور عمل میں استحکام پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود
محاذ جنگ پر کاتیا نے جو کچھ کیا اور وہ یا کی طرح روس کے بے شمار فرزند،
لڑکے اور لڑکیاں مرد اور عورتیں جوان اور بوڑھے جو کچھ کرتے رہے
ہیں وہ سب ان کے نزدیک زندگی میں روزانہ پیش آنے والے واقعات
سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ان کے اظہار و بیان سے ان کے احتراز
اور بے نیازی کی اصل وجہ یہی ہے یہی ہے حقیقی بہادری اور وطن کی

سچی محبت ۔

(۲)

کاتیانے ماسکو کی ایک تعلیم گاہ میں اپنی تعلیم پوری کی تھی، اس کے بیان کے مطابق ۲۱ رجون ۱۹۴۱ء کو تعلیم گاہ سے رخصت ہونے والے فارغ التحصیل طلبا کو ایک شاندار رخصتی دعوت دی گئی تھی اور یہ طالب علم یہ محسوس کر کے کہ اب وہ زندگی کی ایک نئی اور ذمہ داری کی منزل میں داخل ہو رہے ہیں بہت زیادہ مسرور تھے اس نے کہا۔

" یہ اجتماع بہت پرلطف تھا اور اس میں شامل ہو کر مجھے بہت ہی مسرت محسوس ہو رہی تھی ۔ ہم لوگ اپنے مستقبل کی تشکیل کے مسئلہ پر غور اور اس سوال پر تبادلۂ خیالات کر رہے تھے کہ ہمیں کس یونیورسٹی میں داخل ہونا چاہیئے۔ ابتدا ہی سے میرا رحجان ہوا بازی کی تربیت حاصل کرنے کی جانب تھا اور میں نے کئی مرتبہ ایک تربیت گاہ میں داخلہ کے لئے درخواستیں بھی بھیجی تھیں لیکن میری پست قامتی کے باعث مجھے داخلہ کی اجازت نہیں مل سکی تھی۔ ہاں! .... میں اپنے ساتھیوں اور سہیلیوں کے مقابلہ میں ہمیشہ ہی بونی سمجھی جاتی رہی ہوں ۔ اس دعوت میں شریک ہونے والے طالب علم —— لڑکے اور لڑکیاں —— میرے قد کی وجہ سے مجھ پر فقرے چست کرتے رہے ۔ طعنہ زنی اور دل آزاری کے جذبہ سے پاک فقرے محض تفریح طبع کے لئے اور شام کو ہمارا یہ پرلطف اور دلچسپ اجتماع ختم ہو گیا۔"

اسی شب کو جب کہ یہ طالب علم اپنی زندگی کی نئی منزل میں قدم رکھنے

کے بعد پہلی مرتبہ میٹھی نیند سے لطف اندوز ہو رہے تھے ہمارے عزیز وطن پر ہزار ہا بم برسائے گئے۔ جرمن فوج کے ایک سو اسی چیدہ ڈویژنوں اور ہزار ہا ٹینکوں نے ہمارے پرامن شہروں اور ان میں بسنے والے امن پسند لوگوں پر چڑھائی شروع کر دی بارونق اور نظر نواز آبادیوں پر دھوئیں کے بادل چھا گئے اور جرمن چھاتہ بردار سپاہیوں کے دستے کے دستے .... ڈاکوؤں کی طرح روس کی سرزمین پر اتر آئے۔ جنگ شروع ہو گئی تھی۔ اشتراکی روس اور فاشسٹی جرمنی کی جنگ۔

صبح کو کاتیا اپنی عزیز ترین سہیلی لیولیا کو ہمراہ لے کر فوجی بھرتی کے قریب ترین دفتر میں بطور رضاکار اپنی خدمات پیش کرنے کے لئے پہنچی۔ گھر سے نکلنے کے بعد ان دونوں لڑکیوں نے اپنی مٹھیاں بند کر کے پوری قوت کے ساتھ دوڑنا شروع کیا اور اس طرح اپنا سفر طے کرنے کے بعد جب وہ بھرتی کرنے والے افسر کے سامنے پہنچیں تو ان کا سانس پھولا ہوا تھا اور دفور جذبات کے باعث ان کی زبان میں لکنت پیدا ہو گئی تھی۔ بہر حال ان کے آنے کا مقصد معلوم کرنے کے بعد افسر نے ان کی خواہش کو شکریہ کے ساتھ مسترد کر دیا اور انھیں تعلیم جاری رکھنے کا مشورہ دے کر رخصت کر دیا۔ لیکن اشتراکی روس کی بے شمار لڑکیوں کی طرح اپنے عزیز وطن کی مدافعت کا جو جذبہ کاتیا اور لیولیا کے قلوب میں بیدار ہو چکا تھا اس کی تسکین کے لئے انھوں نے ایک اور راہ نکال لی اور نوجوانوں کی ایک ایسی جماعت میں داخل ہو گئیں جو ٹینکوں کو روکنے کے لئے خندقیں کھودنے اور جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے عارضی قلعے بنانے میں سرخ فوج کے باقاعدہ کارکنوں کو مدد دینے کے لئے منظم کی گئی تھی

نوجوانوں کا یہ دستہ ضروری تربیت حاصل کرنے کے بعد جب اس جگہ پہنچا جہاں اسے اس کے فرائض انجام دینے کے لئے بھیجا گیا تھا تو جرمن فوج اسمولنسک کے قریب پہنچ چکی تھی اور اس جگہ سے تھوڑی ہی دور، محاذ جنگ کے راستہ پر سرخ فوج کی ایک ریجمنٹ بھی مقیم تھی جسے روس کے مغربی محاذ کے ہائی کمانڈ نے بطور محفوظ ریجمنٹ اس جگہ قیام کرنے کا حکم دیا تھا۔

جولائی کا مہینہ قریب الختم تھا۔ کاتیا اور لیوبا ابھی تک بھرتی ہو جانے کے خواب دیکھ رہی تھیں لیکن انھیں موقعہ کا انتظار تھا کسی مناسب موقعہ کا اور وہ اسی امید میں اپنا وقت گذار رہی تھیں۔ سرخ فوج کے سپاہیوں کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کرتے رہنا ان کا مشغلہ بن گیا تھا اور ان کی ہر وقت یہی کوشش رہتی تھی کہ انھیں جس طرح بھی ہو سکے۔ ریجمنٹ کے ہیڈ کوارٹرز کا پتہ مل جائے۔ انھیں یقین تھا کہ اگر وہ ریجمنٹ کے ہیڈ کوارٹرز تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئیں تو انھیں بھرتی ہونے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے گی لیکن سرخ فوج کے کسی سپاہی نے بھی انھیں ہیڈ کوارٹرز کا پتہ نہ تبلایا یہ ایک راز تھا۔ فوجی راز جسے ظاہر کرنا جرم ہے۔

یہ حال دیکھ کر ان دونوں لڑکیوں نے ایک تدبیر سوچی، ایک نئی اور دلچسپ تدبیر وہ ریجمنٹ کے پڑاؤ کی طرف روانہ ہو گئیں اور جب وہ اس کے قریب پہنچیں تو قاعدہ کے مطابق محافظ سپاہیوں نے انھیں ٹھہر جانے کا حکم دیا لیکن انھوں نے اس حکم کی کوئی پرواہ نہ کی سپاہیوں نے دوبارہ آواز دی مگر لڑکیاں نہ صرف آگے ہی بڑھتی گئیں بلکہ ان کی

رفتار بھی تیز تر ہو گئی۔ انھیں گرفتار کر لیا گیا اور اب وہ مشتبہ افراد کی حیثیت سے رجمنٹ کے ہیڈ کوارٹرز میں موجود تھیں ...... ان کی خواہش بھی یہی تھی اور وہ اپنی تجویز میں کامیاب ہو گئی تھیں۔

رجمنٹ کا کمانڈر ان کی ہوشیاری کی داستان اور سرخ فوج میں بھرتی ہونے کے لیے ان کی شدید ترین خواہش کا حال سن کر ہنس پڑا اور کچھ دیر تک سوچتے رہنے کے بعد اس نے انھیں رجمنٹ میں نرسوں کی حیثیت سے بھرتی کر لیا۔ انھیں وردیاں نیز مرہم پٹی کا سامان رکھنے کے تھیلے دیدیئے گئے اور اب وہ سرخ فوج کی باقاعدہ رکن بن گئیں دوسرے روز اس رجمنٹ کو محاذ جنگ پر جانے کا حکم موصول ہو گیا۔ راستہ میں غوطہ خور جرمن طیاروں نے اس پر حملہ کیا اور یہ دونوں زخمیوں کی تیمار داری میں مصروف ہو گئیں۔

"یہ منظر ہولناک تھا" کاتیا نے بیان کیا "..... دوسروں کی طرح میں اور لیوبا بھی ایک کھیت میں جا کر منہ کے بل زمین پر لیٹ گئے۔ ہمارے لیے بمباری کا یہ پہلا تجربہ تھا لیکن بعد کے واقعات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہم نے اس وقت جو کچھ دیکھا تھا وہ کچھ زیادہ سہمناک نہیں تھا اور اس حملہ کے دوران میں چند آدمیوں سے زیادہ مجروح بھی نہ ہوئے تھے۔ ہم نے مدرسہ میں مشین گن چلانے اور مجروحین کی مرہم پٹی کرنے کی تربیت اور تعلیم بھی حاصل کی تھی لیکن رجمنٹ کے کمانڈر نے ہمیں فوج کے جس شعبہ میں داخل کیا تھا وہاں مشین گن چلانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ بہر حال جب ہم نے مجروحین کو ابتدائی طبی امداد دینی شروع کی تو ہمیں معلوم ہوا کہ علم اور عمل میں کیا فرق ہے اور کسی کام سے

واقفیت حاصل کرنے کے بعد بھی اسے انجام دینا کس قدر مشکل ہے "

"میں اور لیوبا عذباتی قسم کی لڑکیاں نہیں لیکن اپنے روبرو فرضی نہیں بلکہ حقیقی زخمیوں کو دیکھ کر ہمیں سخت رنج ہوتا تھا' اس درجہ رنج اور افسوس کہ ہم ان کے زخموں کو باندھتے ہوئے چیخ چیخ کر روتے تھے اور اشک باری کے باعث ہم مشکل ہی دیکھ سکتے تھے لیکن چند روز کے بعد ہماری یہ حالت باقی نہ رہی' افسوس تو ہمیں پھر بھی ہوتا تھا لیکن زخمیوں کی مرہم پٹی کرتے ہوئے ہماری آنکھوں سے آنسو نہ ٹپکتے تھے' کبھی کبھی جب رات کے وقت میں اور لیوبا تنہا ہوتے تو ہم اپنے دل پر قابو نہ رکھ سکتے اور ہماری آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے لیکن اسے تمام موقعوں پر ہماری کوشش یہی رہتی تھی کہ کوئی شخص ہمیں دیکھ نہ لے حقیقت یہ ہے کہ محاذ جنگ پر پہنچکر ہم نے درد وکرب اور تباہی و بربادی کے ایسے غمناک اور دلگداز مناظر دیکھے کہ انتہائی صبر و استقلال کے باوجود ہم اپنے آنسوؤں کو روک نہیں سکتے تھے' اور اس طرح رو لینے کے بعد ہمارے دل کو کسی قدر سکون ہو جاتا تھا "

(۴)

کاتیا تو نیگوا اپنی ہوشیاری کی بدولت سرخ فوج میں بھرتی ہو کر میدان جنگ میں پہنچ گئی تھی اس ہولناک جنگ کے میدان میں جس کی تباہ کاریوں کو دنیا کی کوئی جنگ بھی نہیں پہنچ سکتی۔ کاتیا کو ایک بٹالین کے ساتھ متعین کر دیا گیا تھا اور لڑائی کے دوران میں وہ اس بٹالین ہی کے ساتھ رہتی تھی پیدل فوج کا یہ دستہ جب دشمن کے خلاف جارحانہ حملہ شروع کرتا تو

دستہ کے سپاہیوں کے ساتھ کاتیا بھی چوپایوں کی طرح اپنے ہاتھوں اور پیروں پر چلتی ہوئی ان کے پیچھے پیچھے جاتی اور جب سپاہی گشت کرتے تو اسے بھی ان کے ساتھ جانا پڑتا۔ دو مرتبہ وہ خود بھی زخمی ہو گئی لیکن اس نے عقب میں واپس جا کر علاج کرانے سے انکار کر دیا اور وہیں میدان جنگ ہی میں رہ کر اپنا کام انجام دیتی رہی۔ حتیٰ کہ ایک ہی ماہ کے عرصہ میں وہ ایک ماہر اور مشاق نرس سمجھی جانے لگی اور اس رجمنٹ کا ہر ایک سپاہی اسے قدر و محبت کی نظر سے دیکھنے لگا۔

"متعدد دستوں کے سپاہی ہمیں اپنے اپنے دستوں میں شرکت کی دعوت دیتے تھے" کاتیا نے ہنستے ہوئے بیان کیا "بلندی پر گولہ باری کرنے والے توپچی ہم سے کہا کرتے تھے کہ لڑکیو! تم ہمارے دستہ میں کیوں نہیں آ جاتیں؟ ہم تمہیں ٹرینچ مورٹر چلانا سکھا دیں گے توپچیوں اور ٹنک چلانے والوں کا بھی یہی حال تھا اور ٹنک چلانے والے تو یہ بھی کہا کرتے تھے کہ تم ٹنکوں پر سوار ہو کر ہمارے ساتھ چلا کرو گی اور تمہیں بے حد لطف حاصل ہوا کرے گا لیکن ہم دونوں ہمیشہ شکریہ کے ساتھ انھیں ایک ہی جواب دیا کرتے تھے کہ ہم پیدل دستہ ہی میں رہنا پسند کرتے ہیں"۔

کاتیا اور لیو لیا ریوالور حاصل کرنے کی خواہشمند تھیں۔ ایک روز کاتیا نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر ایک زخمی لفٹننٹ کی جان بچائی اور اس نے اعتراف احسان کے طور پر کاتیا کو ایک ریوالور اور تھوڑے سے کارتوس دیئے۔ اس سلسلہ میں کاتیا نے بیان کیا کہ "ایک روز جب ہماری تعطیل تھی میں اور لیو لیا اس ریوالور کی آزمائش کے لئے کسی غار کی تلاش

ہیں نکلے۔ ہم نے اپنی رجمنٹ کی قیام گاہ کے قریب ہی ایک غار دیکھا تھا، بہت بڑا غار جو ایک بم کے پھٹ جانے سے پیدا ہو گیا تھا ہم دونوں اس جگہ پہنچے اور آنے جانے والوں کی نظر بچا کر اس میں اتر گئے۔ میں نے غار کے ایک کونے میں ایک بوتل رکھی اور اسے نشانہ قرار دے کر گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ ہم دونوں نشانہ بازی کرتے رہے حتیٰ کہ تمام گولیاں ختم ہو گئیں۔ اچانک خطرہ کے اعلان کی گھنٹیاں بجنے لگیں اور تھوڑی ہی دیر کے بعد ہم اپنی رجمنٹ کے سپاہیوں کے درمیان گھرے ہوئے تھے۔ ہماری اس حرکت سے یہ شبہ پیدا ہو گیا تھا کہ دشمن ہماری صفوں میں گھس آیا ہے' ہم نے اپنی اس شدید غلطی کا اعتراف کر لیا اور کمانڈر نے بہت کچھ سخت و سست کہنے کے بعد میرا ریوالور چھین کر مجھے تنبیہہ کی اگر آئندہ کوئی ایسا واقعہ پیش آیا تو مجھے فوجی خدمات سے سبکدوش کر دیا جائے گا۔"

کچھ عرصہ کے بعد ایک حملہ کے دوران میں اس رجمنٹ کا کمانڈر دائیں ہاتھ میں گولی لگنے کے باعث زخمی ہو کر بے ہوش ہو گیا اور کاتیا اسے میدان جنگ سے اٹھا لائی زخم کی ابتدائی مرہم پٹی کے بعد کاتیا کو حکم دیا گیا کہ وہ کمانڈر کو ماسکو کے فوجی شفاخانہ میں لے جائے۔ اس حکم کی تعمیل میں کمانڈر کو ماسکو کے فوجی شفاخانہ میں داخل کرانے کے بعد کاتیا نے ماسکو اپنے مولد ماسکو کی سیر کا ارادہ کیا اور اس امید پہ کہ شاید اس کے دوستوں میں سے کسی نہ کسی کے ساتھ اس کی ملاقات ہو جائے وہ پوری فوجی وردی میں ملبوس فخریہ انداز میں شہر کی فراخ اور طویل سڑکوں پہ پھرنے لگی۔ اور ابھی کچھ دیر نہ گذری تھی کہ اسے نوزیا نظر آگئی۔

"اسے بہت تعجب ہوا" کاتیا نے بیان کیا" لوزیا بھی ہر وقت بھرتی ہو کر محاذ جنگ تک پہنچنے کی فکر میں لگی رہتی تھی مجھے فوجی وردی میں ملبوس دیکھ کر اس نے پرجوش الفاظ میں حالات کی تفصیل دریافت کی اور میں نے اسے بتایا کہ میں بھرتی ہونے میں کس طرح کامیاب ہوئی، میرے سپرد کیا کام ہے اور اس وقت میرے یہاں آنے کا باعث کیا ہے! میں نے اسے یہ بات بھی بتائی کہ میں زخمی کمانڈر کو کار میں لے کر آئی ہوں اور کل اسی کار میں محاذ جنگ پر واپس چلی جاؤں گی۔ لوزیا نے تمام حالات سن لینے کے بعد اس بات پر اصرار کیا کہ میں اسے بھی اپنے ہمراہ محاذ پر لے چلوں اس وقت وہ جوش سے مغلوب تھی اور اس کے لیے سکون کے ساتھ کھڑے رہنا یا کسی معاملہ پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا قطعاً ناممکن تھا حالانکہ عمر میں مجھ سے بہت سے زیادہ قد میں دراز اور اپنے اعمال و حرکات میں سنجیدہ واقع ہوئی تھی۔ بہرحال میں نے اسے سمجھایا کہ اس کی یہ تجویز اور اس کی یہ تعمیل پر اصرار حماقت سے کم نہیں بحالات موجودہ میں اسے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتی محاذ جنگ تک پہنچنا آسان کام نہیں ہے اور راستہ میں جگہ جگہ پروانہ راہداری کا معائنہ اور تصدیق کی جاتی ہے۔"

"لوزیا کے مسلسل اصرار سے متاثر ہو کر میں نے اس معاملہ پر غور کرنا شروع کیا اور میرے ذہن میں ایک تدبیر آگئی میں اسے اپنے ساتھ لیکر شفا خانہ پہنچی اور ہم دونوں نے زخمی کمانڈر کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ وہ لوزیا کو بھی اپنی رجمنٹ میں داخل کرلے۔ کمانڈر جانتا تھا کہ اس نے مجھے اور لیوبا کو اپنی رجمنٹ میں کام کرنے کی اجازت دے کر غلطی نہیں کی ہے

اس لئے اس نے اپنے بائیں ہاتھ سے ــــ کیونکہ اس کا دایاں ہاتھ زخمی تھا ــــ ووزیائیے لئے رجمنٹ میں شمولیت کا اجازت نامہ لکھ کر ہمارے حوالہ کیا اور دوسرے روز علی الصبح ہم دونوں محاذ جنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس کامیابی پر ہم بہت مسرور تھے اور ہمارا یہ سفر نہایت اطمینان کے ساتھ ختم ہوا ــــ"

(۴)

سرخ فوج کی اس رجمنٹ میں اب تین نرسیں جمع ہو گئی تھیں اور انھیں تین جداگانہ دستوں کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا تھا۔ میدان جنگ کی پرخطر اور جرأت آزما زندگی نے انھیں مشقت کا عادی اور جفاکش بنا دیا تھا۔ وہ دن رات اپنا کام انجام دینے میں مصروف رہتی تھیں حشرات الارض کی طرح رینگ رینگ کر زخمیوں کے پاس پہنچنے کے بعد انکی مرہم پٹی کرتی تھیں اور اپنی زندگی کو خطرہ کو میں ڈال کے سرخ فوج کے سپاہیوں کی جان بچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتی تھیں۔ سرخ فوج کی یہ رجمنٹ پیش قدمی میں مصروف تھی اور روزانہ دشمن کی مدافعتی صفوں میں میلوں آگے بڑھتی رہتی تھی اس لئے یہ لڑکیاں بھی اپنے فرائض کی ادائگی میں غیر معمولی طور پر مصروف رہتی تھیں اور انھیں ایک دوسرے کے ساتھ ملنے کا موقعہ بھی نہ ملتا تھا۔

"ایک روز کی بات ہے" کاتیا نے بیان کیا "ہماری رجمنٹ کے لئے تحفے بھیجے تھے جنھیں لینے کے لئے ہم سب ایک جگہ جمع ہوئے۔ آپ یہ بات سن کر ہنسیں گے کہ ان تحفوں میں ہم تینوں نرسوں کے لئے

ایک سیب اور پنڈلیوں تک آنے والی جرابوں کا ایک خوب صورت اور قیمتی جوڑا تھا۔ جرابوں کو دیکھ کر ہم میں سے ہر ایک کی آنکھوں میں یہ خواہش جھلکنے لگی کہ یہ اسے ہی مل جائیں لیکن یہ بات ناممکن تھی وہ ایک مشترک تحفہ تھا اور ہم میں سے کوئی بھی دوسروں کو اس سے محروم نہ کر سکتا تھا۔ بہرحال میں نے لوزیا سے کہا۔

"لوزیا! یہ جرابیں تم لے لو۔ تم ہم دونوں سے بڑی ہو اور...

...... انھیں پہن کر تمہاری خوبصورتی میں اضافہ بھی ہو جائے گا۔"

"شریر لڑکی!" لوزیا نے جواب دیا "یہ نہیں ہو سکتا ہمیں جس طرح بھی ہو انھیں تین حصوں میں تقسیم کرنا چاہیئے" ہم بہت دیر تک ان تحفوں کے بھیجنے والے کی مستم ظریفی پر ہنستے رہے اور ہم نے سیب کی طرح ان جرابوں کے بھی تین ٹکڑے کر لئے۔

"وہ شام ہم تینوں نے ساتھ ہی بسر کی اور بچپن نیز طالب علمی کے زمانے کے بہت سے واقعات کا ذکر کرتے رہے اسی دوران میں لوزیا نے کہا "میں چاہتی ہوں کہ ہم تینوں اس بات کا عہد کریں کہ ہم کم از کم پانچ پانچ جرمنوں کو ہلاک کریں گے کیونکہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن ہمیں سپاہیوں کی صف میں کھڑے ہو کر فاشی جرمنوں کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔"

ہم نے لوزیا کی تجویز پر عمل کرنے کے لئے صدق دل کے ساتھ عہد کیا، اور ایک دوسرے کو بوسہ دے کر اپنے اپنے دستوں کی قیام گاہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ لوزیا کے ساتھ یہ ہماری آخری ملاقات تھی۔ ہمیں پھر کبھی اس سے ملنے کا موقعہ نصیب نہیں ہوا۔ دوسرے دن جب لوزیا کے دستے نے

جارحانہ حملہ شروع کیا تو لوزیا لڑائی کے دوران میں زخمی ہوگئی۔ لوزیا ایک
بم سے زخمی ہوکر بے ہوش ہوگئی تھی اور اسے میدان جنگ سے اٹھاکر
عقب میں پہنچا دیا گیا تھا۔ عقب میں پہنچکر جب اسے ہوش آیا تو اس نے
دیکھا کہ طبی امدادی دستہ کے کئی کارکن اس کے قریب کھڑے ہیں اور ان
کے چہروں پہ افسوس اور تشویش کے آثار ہویدا ہیں لوزیا نے ان کی
طرف دیکھ کر اپنی کمزور آواز میں کہا۔
"تم لوگ یہاں کیوں کھڑے ہو؟ وہاں تو دشمن کے ساتھ خوفناک مقابلہ
ہو رہا ہے۔ جاؤ اپنا کام کرو......!" اور ابھی یہ الفاظ اس کی
زبان پہ ہی تھے کہ اس کی روح پرواز کر گئی مجھے اس کے انتقال کا حال
اس وقت معلوم نہیں ہو سکا کیونکہ اسی روز میری زندگی میں بھی ایک تغیر
واقع ہوا تھا ایک خوشگوار تغیر۔ اس روز میرے دل کی مراد پوری ہوگئی
تھی اور مجھے فوج میں باقاعدہ سپاہی کی حیثیت سے شامل کر لیا گیا تھا۔"

(۵)

اس روز کاتیا کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا وہ یہ تھا کہ اس کا دستہ پیش
قدمی میں مصروف تھا جرمن رائفل باز جنگل میں جمع ہو رہے تھے اور
اس دستہ کے دائیں بازو پر متعین مشین گن سے ان پہ آتشباری کیجا رہی
تھی کہ دفعتہً یہ آتشباری بند ہوگئی۔ اس سلسلہ میں کاتیا نے بتایا
" آتشباری بند ہو جانے کے بعد میں نے خیال کیا کہ مشین گن
چلانے والا سپاہی زخمی ہو گیا ہے۔ میں پیٹ کے بل کھسکتی ہوئی اس کے
قریب پہنچی لیکن وہ مر چکا تھا مگر مشین گن سے چمٹا ہوا اس کی بلبلی ابھی

تک اس کی انگلیوں کے درمیان پھنسی ہوئی تھی۔ میں نے مشین گن کو اسکی گرفت سے چھڑایا اور فوراً آتشباری کے لئے تیار ہوگئی۔ اسی وقت دستہ کا کمانڈر بھی رینگتا ہوا وہاں پہنچیگا اور مجھ سے کہا۔

"کاتیا! تم کیا کر رہی ہو؟"

مجھے کمانڈر کی اس طرح آجانے سے سخت افسوس ہوا کیونکہ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ مجھے آتشباری کی اجازت نہیں دے گا لیکن میں نے جواب دیا۔

"کامریڈ کمانڈر! میں نے مدرسہ میں مشین گن چلانے کی تربیت حاصل کی ہے"

"اچھا کاتیا!" کمانڈر نے کہا "اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں اپنا کام شروع کرو اور دشمنوں کو جنگل ہی میں دانوں کی طرح بھون ڈالو!"

ہم نے جرمنوں کو جنگل سے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ ہمارے دستہ نے حملہ کیا اور موضع پر ہمارا قبضہ ہوگیا۔"

موضع میں داخل ہونے کے بعد ہم قبرستان کے قریب پہنچے تو جرمنوں نے بے پناہ آتش باری شروع کر دی۔ بڑی توپوں کے خوفناک دہانوں سے نکلنے والے آہنی گولے ایک سیلاب اور طوفان کی طرح امڈے چلے آرہے تھے۔ مجھے اتنی شدید بمباری کا کوئی واقعہ یاد نہیں۔ گولوں نے زمین کو ہل کی طرح پلٹ کر رکھ دیا تھا قبروں میں آرام کی نیند سونے والے مردوں کے پنجر خس و خاشاک کی طرح فضا میں پرواز کر رہے تھے اور یہ اندازہ کرنا قطعاً ناممکن ہوگیا تھا کہ کون کس وقت ہلاک ہوا ہے میں نے اپنے سر کو مشین گن کے پیچھے چھپا لیا۔ لیکن ہم پیچھے نہیں ہٹے اور ذرا توقف کرنے کے بعد پھر آگے بڑھنے لگے۔ اس وقت مشین گن

کو آگے بڑھانا میرے لیئے بہت ہی دشوار تھا۔ میں بالکل ناتجربہ کار تھی لیکن اب میں اسے کچھ مشکل کام نہیں سمجھتی۔"

ایک ماہ سے زیادہ عرصہ تک کاتیا مشین گن چلانے والے کی حیثیت سے کام کرتی رہی وہ بہت اچھی نشانہ باز ثابت ہوئی اور مرحوم یوزیا کی موجودگی میں اس نے جو عہد کیا تھا نہ صرف اسے پورا ہی کیا بلکہ اس نے مقررہ تعداد سے بہت زیادہ جرمنوں کو ہلاک کر دیا۔

ستمبر میں ایک بم کے دھماکے سے اس کے اعصاب پر بہت برا اثر پڑا اور اسے علاج کے لیئے ماسکو کے ایک شفاخانہ میں بھیج دیا گیا نومبر تک کاتیا شفاخانہ ہی میں رہی۔ اور جب صحت یاب ہو جانے کے بعد اسے واپسی کی اجازت ملی تو یہ دیکھ کر اسے سخت صدمہ ہوا کہ ڈاکٹروں نے اسے فوجی خدمات کے لیئے ناقابل قرار دے کر شہری حکام سے سفارش کی تھی کہ وہ اس کی مزید تعلیم کا بندوبست کریں۔

" لیکن اس حالت میں کہ ہمارے روبرو فاشی جرمنوں کی قوت کو پاش پاش کرنے کا اہم کام موجود ہے کیا ہم تعلیم حاصل کرنے کا خیال بھی کر سکتے ہیں؟" کاتیا نے میری طرف دیکھ کر سنجیدگی کے ساتھ مسکراتے ہوئے کہا " اس وقت میں عجیب کشمکش میں مبتلا تھی اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ میرا دستہ کہاں مقیم ہے۔ میں غور کرتی رہی اور انجام کار میں نے اس دستہ چھاپہ باز سپاہیوں کے اس دستہ میں رائفل چلانے والے کی حیثیت سے شمولیت اختیار کر لی۔"

وہ خاموش ہو گئی لیکن اس کے بشرہ سے ظاہر ہوتا تھا کہ ابھی اسکی داستان ختم نہیں ہوئی۔ میں نے دریافت کیا۔

"مگر کاتیا! شفاخانہ سے روانگی کے وقت تمہیں جو سرٹیفکیٹ دیا گیا تھا اس کا کیا حشر ہوا؟"

"میں نے وہ سرٹیفکیٹ پیش نہیں کیا" کاتیا نے جواب دیا "میں نے انھیں ایک دوسری تحریر دکھا دی تھی۔ اس سرٹیفکیٹ سے بالکل مختلف دوسری تحریر!" اور اس نے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکال کر میری جانب بڑھا دیا۔

میں نے اس کاغذ کو کھول کر پڑھا۔ اس میں لکھا تھا کہ کاتیا نوؤدی کووا پہلے سرخ فوج میں صلیب احمر کی نرس کی حیثیت سے کام کرتی رہی تھی اور بعد میں اسے مشین گن چلانے والوں میں شامل کر لیا گیا تھا اس تمام عرصہ میں اس نے جس جانبازی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دئیے ان کے صلہ میں سے تمغہ دئیے جانے کی سفارش کی جاتی ہے۔ میں نے جب اس تحریر کو بلند آواز سے پڑھا تو کاتیا شرما گئی اور جب میں اسے ختم کر چکا تو اس نے کہا۔

"قصہ مختصر۔ چھاتہ باز فوج میں میری درخواست منظور کر لی گئی۔ اب ہم ایک خاص طرح کی تربیت حاصل کر رہی ہیں اور سنا جا رہا ہے کہ ہمیں بہت جلد محاذ جنگ پر بھیج دیا جائے گا۔"

یہ ہے کاتیا نوؤدی کووا کی داستان لیکن یہ کاتیا ہی کی داستان نہیں بلکہ سوویٹ روس کی ان بیشمار لڑکیوں کی داستان بھی ہے جو اپنے عزیز وطن کی مدافعت اور حفاظت کیلئے ہر طرح کے عیش اور آرام کو خیرباد کہکر اپنے دلوں میں محض ایک جذبہ ــــ سرفروشی اور جانبازی کا جذبہ دشمن کو نیست ونابود کر دینے کا جذبہ ــــ لئے ہوئے میدان جنگ میں فاشسٹی جرمنوں کا مقابلہ کر رہی ہیں۔

ستار والا!

اس کی سوکھی ہوئی خمیدہ مگر مشاق انگلیاں ستار کے تاروں پر پھیلنے لگیں اور بازار میں بر پا شور کے باوجود فضا میں اس کے پرجوش نغمہ اور دھیمی مگر دل گداز موسیقی کی آواز گونجنے لگی۔ وہ آہستہ آہستہ جھوم جھوم کر، بڑھاپے کے باعث اپنی کانپتی ہوئی آواز میں اپنے گیت کو بار بار دہرار ہا تھا۔

وہ صبح کے وقت پالے کی سفید چادر سے ڈھکی ہوئی زمین پر آلتی پالتی مارے اپنے ستار پر جھکا ہوا بیٹھا تھا' تند ہوا کے جھونکے اس کے برہنہ سر کے سفید بالوں کو پریشان کر رہے تھے لیکن ہوا کے انہیں "تند جھونکوں" کی بدولت اس کے سیدھے سادے گیت کے الفاظ چاروں طرف منتشر بھی ہو رہے تھے۔

اس کے بے کشش چہرہ پر موٹی موٹی جھریاں پڑی ہوئی تھیں اور انکی وجہ سے چہرہ کے ہر حصہ پر گہری لکیریں بن گئیں تھیں' زمین پر ہل چلنے کے بعد بن جانے والی نالیوں کیطرح گہری لکیریں اور وہ اپنی گھنی بھوؤں کے نیچے اندر دھسی ہوئی آنکھوں سے ستار کیطرف دیکھ رہا تھا۔ ان آنکھوں سے جو عرصہ ہوا بینائی سے محروم ہو چکی تھیں۔

کوبزا۔ KOBZA ۔ یوکرینی زبان میں ستار سے مشابہ ایک باجے کا نام ہے اور کوبزار۔ KOBZAR ۔ اسے بجانیوالے کو کہتے ہیں۔ میں نے کوبزا کا ترجمہ ستار اور کوبزار کا ستار والا کیا ہے —— آزاد

"بورس زندہ ہے ...... بورس ستار والا زندہ ہے!" لوگوں کی زبان سے نکلا اور وہ جلد جلد قدم اٹھاتے ہوئے اس طرف جانے لگے جہاں سے یہ جانی پہچانی اور جاذب توجہ آواز آرہی تھی۔

وہ اپنے پیارے وطن، یوکرین کے آخری گوشہ سے کمینہ خصلت درندوں، جرمنوں کے متوقع اخراج، آزاد ہونے کی مسرت اور سرخ فوج کی حیرت انگیز بہادری اور کامیابی کے گیت گا رہا تھا اور ساز کے زیر وبم کے درمیان سرخ فوج کے دستوں کے گذرنے کی مستقل اور مرعوب کن آواز، ہواؤں میں پرواز کرنے والے طیاروں کے انجنوں کا شور، توپوں کے گولوں کی خوفناک گرج نیز فتح کی مسرت میں بلند ہونے والے قہقہوں فوجی باجوں کے ترانوں اور گھوڑوں کے سموں کی آوازیں بھی کانوں میں گونجتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔

ستار والے کے چاروں طرف بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ عورتیں اور بچے اسکو حلقہ میں لئے ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی میں نہ معلوم کتنی مرتبہ اس ستار کے تاروں سے نکلنے والے نغموں کو سنا تھا لیکن آج یہ پہلے سے بالکل مختلف تھے۔ ستار والا برابر گا رہا تھا، ستار کی آواز کے ساتھ جھوم جھوم کر، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے ساز کی جھنکار اور گیت کے الفاظ کو ہوا کی نظر نہ آنے والی نرم اور نازک لہروں کے ذریعہ سے دور، بہت دور پہنچا دینے کا خواہش مند ہے۔

(۲)

مجھے اس اندھے ستار والے کا قصہ سنایا گیا۔ یہ شخص سال ہا سال سے دریائے ڈنیپر کے کناروں پر واقع بستیوں میں ستار بجا بجا کر گیت گایا کرتا

تھا۔ اور پیر ہیا سلا دل ایسے پرانے شہر کے باشندے کیف کے گلی کوچوں میں رہنے والے لوگ نیز نورسپول چر نیگوف اور ڈار نبٹا کے بازاروں کا ایک ایک شخص اس ستار پر بجائے جانے والوں نغموں سے آشنا تھا

جب جرمن اپنے آتشباز اسلحہ اور چمک دار تلواریں لے کر یوکرین پر حملہ آور ہوئے اور ٹڈی دل کی طرح دریائے ڈنیپر کے کناروں پر چھا گئے۔ اس وقت بھی بوڑھا ستار والا' بازاروں' شہر کی سنسان سڑکوں مکانات اور صاف ستھرے جھونپڑوں کے درمیان پھرتا ہوا نظر آتا رہا ایک برہنہ پا لڑکا اسے شہر شہر قصبہ قصبہ اور گھر گھر لئے پھرا کرتا تھا۔

اس زمانہ میں اس کی آواز غمناک ہوگئی تھی اور اس کے نغمے گذری ہوئی مسرتوں کی یاد اور جرمنوں کے ان مظالم کے تذکرہ پر مشتمل ہوا کرتے تھے جن کی بدولت بے شمار انسان خانماں برباد ہوگئے ہیں۔ لوگ اس سے مانوس تھے اور اس کے گیت انھیں کے دل سے نکلی ہوئی بات معلوم ہوتی تھی۔ ہر جگہ ایک عزیز مہمان کی طرح اس کا استقبال کیا جاتا تھا اور رات کے وقت وہ کسی گاؤں میں ہو یا تھکے ماندے مسافروں کی کسی قیام گاہ میں اسے ہر جگہ آرام حاصل ہوتا تھا۔

ستار والا جگہ جگہ پھرتا رہا اور اس کی آواز روز بروز زیادہ بلند اور پرجوش ہوتی گئی۔ جب وہ گیت کے آخری الفاظ۔

" وہ ٹنکوں پر بیٹھ کر آئے ہیں "

لیکن،

" انھیں برف گاڑیوں پر لیٹ کر واپس جانا پڑے گا "

گاتا تو غصہ اور نفرت کے باعث اس کی آواز کانپنے لگتی۔ حتیٰ کہ موسم بہار

میں جرمنوں نے اسے گرفتار کر کے ایک تہہ خانہ میں بند کر دیا۔

"کیا تم چھاپہ مار سپاہی ہو؟" ایک جرمن نے اپنے ریوالور کی نال اسکی کنپٹی کے ساتھ ملا کر بلند آواز میں دریافت کیا۔

"میں تو ایک اندھا فقیر ہوں!" ستار والے نے اطمینان اور آہستگی کے ساتھ جواب دیا۔

اور جرمن اسے تہہ خانہ میں چھوڑ کر چلے گئے۔

اندھا ستار والا تہہ خانہ میں بند تھا۔ جرمن اسے بھوکا رکھتے تھے اس کے قابل عزت سفید سر رخساروں اور ہاتھوں پر طمانچے اور مکیاں ماری جاتی تھیں۔ لیکن وہ صبر و استقلال کے ساتھ ان تمام مصیبتوں اور ذلتوں کو برداشت کرتا رہا۔ ابھی تک اس کا ستار اس کے پاس تھا۔

ایک رات کو قید خانہ کا افسر تہہ خانہ میں آیا اور اندھے کے ہاتھ ستار چھین کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ کچھ دیر کے بعد چند جرمن سپاہیوں نے اسے تہہ خانہ سے نکالا اور کسی قابل نفرت شئے کی طرح قید خانہ کے باہر کیچڑ میں دھکیل دیا لیکن اندھا ستار والا جرمنوں کی اُن وحشیانہ حرکتوں سے مرعوب نہیں ہوا تھا بلکہ اپنے ملک اور انسانیت کے ان دشمنوں کے خلاف اس کی نفرت اور غصہ کا جذبہ اور بھی ترقی کر گیا۔ وہ رینگتا ہوا قریب کے جھونپڑے تک پہنچا اور جھونپڑی کے رہنے والوں نے خاموشی مگر گرم جوشی کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔

(۳)

کچھ عرصہ تک دریائے ڈنیپر کے کناروں پر واقع بستیوں کے

رہنے والے بورس کے گیت اور اس کے ستار کے تاروں سے نکلنے والے نغمے سننے سے محروم رہے لیکن پھر بازار کی پرشور فضا میں بورس کی آواز اور ستار کی جھنکار نے لوگوں کو اس کی جانب متوجہ کر دیا۔ اب اس کے کمزور گھٹنوں پر ایک نیا ستار رکھا ہوا تھا ایک نیا ستار، جسے چرنیگوف کے علاقہ میں جنگل کے اندر آباد ایک گاؤں کے باشندوں نے اسے دیا تھا۔

سردی آئی اور گذر گئی، بہار کا حیات بخش، نظر نواز اور وجد آفریں موسم شروع ہوا لیکن آہستہ آہستہ اس کے رنگین نقوش بھی ماند پڑنے لگے۔ مگر ستار والا اپنے نغمے گاتا رہا۔ وہ نغمے جو گذری ہوئی مسرتوں کی یاد اور جرمنوں کے برپا کئے ہوئے مظالم کے تذکرہ سے لبریز تھے۔

وہ چھوٹے سے بر طینہ پالڑکے کی رہنمائی میں، دریاؤں کی طغیانی، ہوا کے طوفان اور برف باری کی شدت سے بے نیاز، اپنی لکڑی کے سہارے دریائے ڈینیپر کے کناروں پر آباد، شہروں، قصبوں اور گاؤں میں گھومتا رہا اور ایک بار پھر اسے جرمنوں نے گرفتار کر کے قید خانہ میں بند کر دیا ستار والے سے پھر وہی سوالات کئے گئے اور اس نے پھر وہی جواب دئے جو وہ پہلی مرتبہ دے چکا تھا۔ اسے پھر زدوکوب کیا گیا اور پھر اس کے سر، رخساروں اور ہاتھوں سے خون بہنے لگا۔

"چھاپہ مار سپاہی کہاں ہیں؟" اس سے دریافت کیا گیا۔

"ایک خانہ بدوش اندھے کو چھاپہ مار سپاہیوں کا حال کس طرح معلوم ہو سکتا ہے؟" اس نے جواب دیا۔

جرمنوں نے اسے دوبارہ زدوکوب کیا اور دھکے دے کر باہر نکال دیا۔
اب اندھے نشاروا کے مصیبتوں کا زمانہ ختم ہو گیا تھا۔ ڈنیپر کے کنارہ پر آباد شہروں میں روسی توپوں کی گرج سنائی دے رہی تھی، روسی ٹینک آگے بڑھ رہے تھے اور یوکرین کے شہروں، قصبوں اور دیہات پر از سر نو سرخ فوج کا قبضہ ہوتا جا رہا تھا اور...... اب اندھا نشاروالا اپنی پوری قوت کے ساتھ گاتے لگا تھا۔ اب اس کے گیتوں میں نئے الفاظ شامل تھے اور اب اس کے نشار کے تاروں سے نئے اور دلکش نغمے برآمد ہونے لگے تھے۔ اس کا وطن، یوکرین آزاد ہو رہا تھا اور وحشی جرمنوں کو ان کی ننگ انسانیت حرکتوں کی سزا ملنے کا وقت قریب تر آتا جا رہا تھا۔